الیاس سیتاپوری

کی منتخب تاریخی کہانیاں

بالا لغانے کی دُلھن

ندیم

نایاب پبلی کیشنز۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۳۔ سعید منشن، ملیریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ۔ کراچی ۱

جنان کا مقتل	۵
قوم کے فرزند	۴۹
بزورِ شمشیر	۹۲
کفن بردوش	۱۲۸
بالاخانے کی دلہن	۱۹۵

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

جہانگیر کی مہتاب

جب تک نادر کو شہزادے سلیم کا مستقبل تابناک نظر آتا رہا وہ اس کے ساتھ رہا لیکن جیسے ہی اس نے محسوس کیا کہ شہزادہ اپنے باپ اکبر اعظم سے مقابلہ کرنے میں مذبذب ہے، اس کی فکر کا انداز ہی بدل گیا" اب وہ ان دو بھائیوں کی لڑائی کے درمیان نہیں آنا چاہتا تھا اس نے شہزادے سلیم سے نہایت دانائی سے علیحدگی کی اجازت حاصل کرلی اور اسی کی ایما پر بنگالے روانہ ہوگیا۔ ان دنوں بنگال کی صوبے داری پر شہزادے سلیم کا برادرِ نسبتی راجہ مان سنگھ فائز تھا۔

اس سرسبز و شاداب دریاؤں کی سرزمین نے اسے بے حد متاثر کیا۔ راجا مان سنگھ نے اسے اپنے اصطبلوں کا نگراں بنا دیا۔ پرانا نگراں بوڑھا ہو چکا تھا۔ قلعے کے اندر ہی اس کا قیام تھا۔ عہدے سے سبکدوشی کے بعد اصولاً اسے اپنی قیام گاہ چھوڑ دینی چاہیئے تھی لیکن نادر نہ چاہتا تھا اس لئے اس نے اس قیام گاہ کے دو کمرے خالی کرا لئے، بقیہ میں بوڑھا نگراں اپنے تین

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

نظری کیے اور دو ملازموں کے ساتھ رہتا رہا۔ ملازموں میں ایک عورت تھی اور ایک مرد، وہ بڑے میاں کی منظوری سے مرد ملازم سے اپنے کام بھی لینے لگا۔ بوڑھے نوازش علی کو اگر یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ نادر اس منصب پر شہزادے سلیم کی وساطت سے آیا ہے تو وہ اس کا جینا حرام کر دیتا۔ وہ اس منصب پر اپنے بھتیجے شیر باز کو فائز دیکھنا چاہتا تھا لیکن بار بار جلانے کے باوجود وہ آگرے سے نکلنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ مان سنگھ کے دبدبے اور شہزادے سلیم کے خوف سے نوازش علی نے خاموشی اختیار کر لی لیکن اس کے انداز اور تیور میں حسد اور کھسیاہٹ صاف محسوس ہوتا تھا۔ اس نے معلوم نہیں کس دل سے نوجوان نادر سے یہ مربیانہ سلوک بھی روا رکھا کہ اس کے کھانے پینے کے معقول بندوبست کے ہوتے تک پرندے دانہ لیپ سمیٹ لی۔

اصطبل کے عملے اور جانوروں کے تفصیلی جائزے کے بعد اس نے ملازم نتھے کو ساتھ لیا اور قلعے کے باہر گھوم پھر کر علاقے کے جغرافیائی محل وقوع اور مقامی لوگوں کے خدوخال اور عادات واطوار کا جائزہ لینے نکل کھڑا ہوا۔ یہاں اس نے جگہ جگہ ٹیلے کھڑے دیکھے جن کی زیادہ سے زیادہ اونچائی دس گز اور چوڑائی بیس گز تھی۔ اس نے اپنے ملازم رہبر سے پوچھا۔ "یہ یہاں کثیر تعداد میں ٹیلے کیوں تعمیر کیے گئے ہیں؟"

نتھے نے جواب دیا۔ "حضور! یہاں سیلاب اور طوفان کا بڑا زور رہتا ہے، ان کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لیے یہاں والے ان ٹیلوں پر چڑھ جاتے ہیں۔"

اتنے میں چند سیاہ فام عورتیں ان کی طرف بڑھتی نظر آئیں ان کے جسم تقریباً عریاں تھے انہوں نے قریب آتے ہی مقامی زبان میں نتھے سے کچھ پوچھا اور جواب پاتے ہی ان عورتوں نے نادر کے قدموں میں جھک کر سلام کیا۔

نادر کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے نتھا اس کی پریشانی بھانپ گیا۔ ہنستے ہوئے بولا "حضور! ابھی نئے ہیں، بغیر بتائے مقامی رسم و رواج نہیں سمجھ سکیں گے۔" پھر ان عورتوں کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا "یہ یہاں کی مقامی سیاہ فام عورتیں ہیں اور یہاں کا یہ دستور ہے کہ اعلیٰ منصب داروں کے روبرو تعظیم و تکریم کے لئے مردوں کی جگہ ان کی عورتیں جایا کرتی ہیں یہ عورتیں بھی اسی غرض سے حاضر ہوئی ہیں۔"

سیاہ چمکتے ہوئے گداز جسموں میں تناسب اس غضب کا تھا کہ نادر ان کے رنگ کو بھلا بیٹھا اور ان کے رس میں کھو گیا۔ ان کی عریاں باہیں آبنوس کی ترشی ہوئی گول شاخیں تھیں اور بیضوی مسکراتے ہوئے چہرے کسی ماہر سنگ تراش کے ایسے شاہکار تھے جو سنگِ اسود (سیاہ پتھر) تراش کر بنائے گئے ہوں، ان کے بڑے ابھار جسم کی حرکت سے یوں ہلنے لگے جیسے کپڑے کے اندر دو فاختائیں پھڑپھڑا رہی ہوں۔

چالاک نتھا نادر کی محویت اور انہماک کا مفہوم سمجھ گیا۔ بولا "حضور! یہ بنگالہ ہے، مقامی زبان میں بنگ جگہ کو کہتے ہیں اور آل کا مطلب ہے ٹیلے، بنگال یعنی ٹیلوں کی سرزمین۔" پھر اپنا مطلب اشاروں میں ادا کرتا ہوا بولا۔ "یہ سرزمین ہی ٹیلوں کی ہے، ٹیلوں کی کیا فکر کرنا جتنے درکار ہوں گے مل جائیں گے۔"

عورتیں تعظیم و تکریم بجا لانے کے بعد چلی گئیں لیکن نادر کے جذبات میں آگ لگا گئیں۔ وہ شہزادۂ ہند سے تعلق رکھتا تھا جہاں عورتیں پردے میں رہتی ہیں لیکن یہاں ان کا جلوہ بے نقاب تھا۔ ایک کیف، ایک نشہ، ایک مستی سارے خون کے ساتھ دوڑنے لگی۔

جب وہ کمرے کا نفل کھول کر اندر داخل ہوا تو ایک نہایت حسین اور دلکش زنگی لڑکی کو اندر کھلنے والے دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا۔ وہ معلوم نہیں کس چیز سے بھاگ رہی تھی۔ نادر تیز قدمے آگے بڑھا اور اندرونی دروازے سے پشت لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اب لڑکی کے بھاگنے کی راہ بند ہو چکی تھی۔

لڑکی دہشت زدہ سی اٹھی اور اس کی نظریں جو نادر سے ٹکرائیں تو نادر کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہو گئی ان میں ایک سحر تھا جس نے نادر کے اندر کی دنیا کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ سینے کا تموج ایک بھونچال تھا جس سے نادر کا وجود ہلنے لگا، گلابی چہرہ شراب تھا جس نے نادر کو بے خود بے بس کر دیا۔ ابھی وہ کسی نتیجے پر بھی نہ پہنچا تھا کہ کسی نے پشت پر تڑ سے دھکا دیا اور وہ اپنی جگہ سے دھکتا ہوا آگے کو دوڑ سا گیا۔ دروازہ یا لو پاٹ کھل گیا اور لڑکی غراب سے اس میں داخل ہو گئی۔ اس نے پھرتی سے گھوم کر بند ہوتے ہوئے دروازے میں جو دوسری شکل دیکھی وہ گھر کی خادمہ نتھنی کی تھی۔ تیس بتیس سال گدراتے ہوئے جسم اور تیکھے نقوش والی گھنوری تھی۔

کمرے میں بیٹھ کر وہ دیر تک اندرونی دروازے سے کان لگائے بیٹھا رہا جہاں اس کی معلومات کے مطابق سابق داروغۂ اصطبل کی نوجوان خوبصورت بیٹی حورِ بانو موجود تھی اس نے حورِ بانو کی آواز یا چوڑیوں کی کھنک سننے کے لئے گھنٹوں دروازے سے کان لگائے رکھے لیکن اپنے مقصد میں ناکام رہا۔ اس طرح کئی دن گذر گئے۔ منصبی امور سے فرصت پا کر وہ جب بھی واپس آتا اس کی توجہ کا مرکز حورِ بانو کا خیال ہوتا۔ حورِ بانو اپنی ایک جھلک سے اس کے ہوش و حواس پر چھا گئی۔

اندر کی خادمہ نتھنی اب جب بھی اس کے کمرے میں آتی، ادھر ادھر کی باتوں میں کافی وقت گزار دیتی۔ بظاہر دونوں ہی چند دن پہلے پیش آنے والے حسین حادثے کو بھلا چکے تھے لیکن نادر کے دل میں ایک آگ لگی ہوئی تھی۔ ایک دن جب نتھنی آئی تو اس کی گود میں ایک نہایت

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

خوبصورت بلی دبی ہوئی تھی۔ نادر نے پوچھا۔ "یہ بلی پالنے کا کب شوق ہے؟"

فتے نے جواب دیا۔ "حور بانو بی بی کو۔ وہ اس سے بہت محبت کرتی ہیں!"

نادر نے بلی کو اپنی گود میں لے لیا۔ اس نے دو ایک بار میاؤں میاؤں کیا اور نادر کو اجنبیت سے دیکھنے لگی، اُسے بلی میں حور بانو کی شبیہہ نظر آ رہی تھی، اس نے اسے اپنی ناک سے لگا لیا تو ایک عجیب سی خوشبو محسوس کی، حور بانو کے کنوارے جسم کی خوشبو، سارے جسم میں ایک مستی، ایک کیف دوڑ گیا۔ پھر اچانک ایک خیال کے تحت اس نے فتے سے پوچھا "اندر کون کون ہے؟"

فتے نے جواب دیا "حور بانو اور ان کی والدہ۔ نوازش علی میاں کہیں گئے ہوئے ہیں!"

نادر نے پوچھا۔ "یہ بتاؤ تمہاری بی بی کچھ پڑھی لکھی بھی ہیں؟"

فتے نے کچھ سمجھتے ہوئے جواب دیا "خوب اچھی طرح۔ کیوں؟"

نادر نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا "حور بانو کی والدہ کے کیا مشاغل ہیں؟"

فتے نے جواب دیا۔ "مشاغل کیا ہوں گے میاں کے، ان کا زیادہ وقت افیون کے نشے میں گزر جاتا ہے۔ اس وقت بھی نشے میں پڑی ہوئی ہیں!"

نادر کو جیسے اطمینان سا ہو گیا۔ بولا "فتے! اگر تم چاہو تو ہم تمہیں مالا مال کر سکتے ہیں، ہم یہاں تنہا ہیں تم ہمارے کام بھی کر دیا کرو، ہم تمہیں اس کا معقول معاوضہ دے دیا کریں گے!"

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور لکھ کر بلی کے گلے میں ایک رقعہ باندھ دیا۔ "خوبصورت بہت خوبصورت۔ بالکل حوروں جیسی، بلکہ حور۔۔۔۔۔" وہ حور کے آگے بانو بھی لکھنا چاہتا تھا لیکن حوصلہ نہ پڑا۔ پھر بلی کے ساتھ فتے کو ایک اشرفی بھی ملی۔ فتے نے جھجکتے جھجکتے اشرفی مٹھی میں دبا لی۔

جب وہ واپس جانے لگی تو نادر نے بہکی بہکی آواز میں کہا "فتے! حور بانو سے کہنا آپ کی بلی بہت حسین ہے۔ شاید آپ ہی کیطرح اور دیکھو یہ بلی انہی کی گود میں دینا اور کہنا ہم اس گستاخی کی معافی چاہتے ہیں!"

فتے چلی گئی۔ نادر رات گئے تک کسی خطرے کا منتظر رہا، اسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ حور بانو پر اس کی اس حرکت کا کیا اثر ہوا ہو گا۔ پوری رات بے چینی اور اندیشے میں گزر گئی۔ صبح جب نوازش علی سے اس کا سامنا ہوا اور انہوں نے بے دلی سے اس کے سلام کا جواب دیا تو اس کی تشویش میں کچھ زیادہ اضافہ ہو گیا۔ فتے دو ایک بار آئی بھی تو زیادہ دیر ٹھہری نہیں، اسے ایسا محسوس ہوا جیسے پورا ماحول اس کی شرارت اور دل کے چور سے واقف ہو چکا ہے۔ وہ اپنے کمرے ہی میں پڑا رہا، کہیں

جا بھی نہ سکا۔

دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے اس نے نوازش علی کو گھوڑے پر سوار کہیں جاتے دیکھا تو کچھ جان میں جان آئی۔ اس نے باہر کی دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ کچھ ہی دیر بعد دروازے پر کسی نے دستک دی، اس نے مرتعش ہاتھوں سے جب دروازہ کھولا تو فتے پہلے دن کی طرح بلی کو گود میں دبائے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ فتے نے اندر آتے ہی بلی کو نادر کی گود میں دے دیا اور کہنے لگی۔ "حور بانو کہہ رہی تھیں کہ بلی اتنی خوبصورت تو نہیں ہے، لیکن حسن ذوق اپنی جگہ ہے۔ بہر حال یہ جسارت ناقابل معافی ہے۔"

نادر کی ہمت بندھی اور جان میں جان آئی کہ حور بانو بھی تیار ہے۔ نامہ و پیام کا سلسلہ مشکل تھا لیکن حور بانو تو اتنی حسین تھی کہ اس کے لئے بڑی سے بڑی جرأت کی جا سکتی تھی۔ سو نادر نے نوازش علی کی عدم موجودگی میں کئی مرتبہ حور بانو کو دیکھنے اور اس سے باتیں کرنے کی جسارت کی۔

پھر کئی دن اسی طرح نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہا۔ فتے مستعدی، رازداری اور ہوشیاری سے یہ خدمت انجام دیتی رہی، یہاں تک کہ بات خط و کتابت تک جا پہنچی۔ ابتدائی مخطوط میں دونوں طرف سے ذہنوں کی ٹوک جھونک ہوتی رہی، پھر یہی نوک جھونک مروت اور لحاظ کا رنگ اختیار کرنے لگی اور آخر مروت اور لحاظ نے محبت کی شکل اختیار کر لی اور خطوں میں سوز و ساز کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اسی طرح ایک دن جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو اسے اپنے صندوق کے پاس سونے کی ایک بالی پڑی ہوئی دکھائی دی، اس نے اسے اٹھا لیا۔ ابھی وہ اس پر غور ہی کر رہا تھا کہ فتے چوروں کی طرح کمرے میں داخل ہوئی اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ نادر نے صاف یہ محسوس کر لیا کہ فتے باتیں تو اس سے کر رہی ہے لیکن اس کی نگاہیں زمین پر ادھر ادھر کچھ تلاش کر رہی ہیں۔

نادر بالی ہتھیلی پر رکھ کر اسے دیکھنے لگا۔ فتے اس کی طرف لپکی اور خوشامد سے کہنے لگی۔

"یہ بالی مجھے دے دیجئے۔ یہ کہاں سے ملی؟"

نادر نے اسے مٹھی میں بند کر لیا اور چھیڑنے کے لئے پوچھا "یہ ہے کس کی؟"

فتے نے ٹالنا چاہا، بولی "کسی کی بھی ہو یہ آپ مجھے دے دیجئے۔"

نادر نے اسے کرتے کی جیب میں رکھ کر بولا "جب تک یہ نہ بتاؤ گی کہ کس کی ہے اور یہاں کیسے آئی ہیں تب تک نہیں دوں گا!" پھر اندرونی دروازے کے پیچھے کسی کی آہٹ محسوس کر کے بولا "اچھا تو چور پکڑا گیا۔"

اسی لمحے اندرونی دروازے کے پیچھے سے چوڑیوں کے کھنکنے کی آواز سنائی دی

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

اور دبی دبی ایک مترنم آواز آئی۔ "خدا کے لئے دیکھئے آئندہ آپ کے کمرے میں نہیں آؤں گی!"

فتے نے مزید وضاحت کی، کہنے لگی "حور بانو تو غلطی سے اس کمرے میں آگئی تھیں، معلوم نہیں کس طرح کان کی بالی یہاں گر گئی، اب وہ خوف زدہ ہیں کہ اگر....."

نادر نے مزہ لیتے ہوئے بات کاٹ دی "یہ بالی ایک شرط پر واپس ہوگی!"

فتے نے سہم کر پوچھا "کون سی شرط؟"

نادر نے جواب دیا "تم اپنی حور بانو سے کہو کہ گو یہ بات شرافت سے بعید ہے لیکن چونکہ وہ خود ہمارے کمرے میں بلا اجازت دستک کی غلطی کر چکی ہیں اس لئے انہیں اس کے جرمانے میں ایک اور غلطی کا ارتکاب کرنا پڑے گا۔"

اندر سے شرمائی ہوئی آواز آئی "فتے! تم ان سے معلوم کرو کہ یہ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

فتے نے یہی سوال اپنی زبان سے بھی ادا کر دیا تو نادر نے کہا "میں یہ بالی اسی کو دوں گا جس کے کان سے یہ میرے کمرے میں گری ہے!"

اندر سے دبی دبی آواز آئی۔ "کہو وہاں جہاں پڑی تھی، وہیں ڈال کر باہر چلے جائیں ہم اندر آکر اٹھا لیں گے۔"

لیکن نادر کو یہ شرط بالکل پسند نہ آئی، جواب دیا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا!"

اندر سے گھٹی گھٹی ہراساں آواز آئی "اللہ کیوں پریشان کرتے ہیں آپ، ذرا دیر میں باوا جان آجائیں گے!"

"مجبوری" نادر نے کہا "ہمارا تو مخلصانہ یہی مشورہ ہے کہ آپ اپنا وقت نہ ضائع کریں"

فتے اندر چلی گئی اور کچھ دیر دونوں میں معلوم نہیں کیا باتیں ہوتیں کہ ذرا دیر بعد سکڑی شرمائی لجائی فتے کے کاندھے کا سہارا لئے اس کی پشت میں اپنا چہرہ چھپائے حور بانو کمرے میں داخل ہوگئی اور فتے کی بغل سے ہاتھ بڑھا کر بولی "اب تو دے دیجئے!"

نادر نے شوخی سے کہا۔ "واہ! یوں نہیں!" پھر جیب سے بالی نکال کر حور بانو کے ہاتھ پر پہنچ گیا اور جرأت سے کام لے کر کان کی طرف بالی والا ہاتھ بڑھتا ہوا بولا۔ "یہ جس کی امانت ہے ہم اسی کے حوالے کرنا چاہتے ہیں، کان کی امانت کان ہی کو دی جائے گی!"

حور بانو اور زیادہ دبک گئی، نادر نے بالی اس کے کان میں ڈال دی۔ جس وقت اس کی انگلیاں حور بانو کے جسم سے مس ہوتیں تو کہیں پوتلوں کا نشہ چڑھ گیا! اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ یہ اور دیوانگی میں وہ کتنی بڑی جرأت کر بیٹھا تھا۔

حور بانو کا شرم سے چہرہ سرخ ہوگیا، ایک لمحے کے لئے اس کا چہرہ فتے کی بغل سے نا

اور نادر کے چہرے پر اپنی آنکھوں سے غصے، خجالت اور بے بسی کا تاثر دیتا ہوا پھر دبی دبک گیا۔ نادر نے اس ایک جھٹکے میں اپنا سب کچھ گنوا دیا۔ تمتماتے ہوئے سرخ گالوں اور بڑی بڑی سیاہ مخمور آنکھوں نے اسے پوری طرح فتح کر لیا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ دونوں جا چکی تھیں اور وہ دیوانوں کی طرح بند دروازے پر نظریں جمائے دیر تک کھڑا رہا۔

نہیں یہ اس کا حسن ظن تھا یا حقیقت کہ دروازے کے پیچھے چوڑیوں کی کھنک اور دبی دبی مترنم ہنسی کی آواز کیف و مستی بن کر اس کے رگ و پے میں اتری چلی جا رہی تھی۔

نادر نے خط و کتابت سے تعلق استوار کرنے کے بعد پہلی دفعہ حور بانو کو دیکھا تھا اور اب دوبارہ دیکھنے کی ہوس کی آگ میں جل بھن رہا تھا۔ پھر جنوں کی حد میں پہنچ جانے کے بعد فتے کے ذریعے اسے یہ قنوطیہ شاک خبر ملی کہ حور بانو کا باپ نواز علی آگرے جانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اس خبر سے اس کا دل ڈوبنے لگا۔ فتے پر برہا بنوں اور نوازشوں کی بھرمار ہوگئی۔ کئی بار حرفِ مطلب زبان تک آتے آتے رہ گیا۔

فتے بھی اس کی بے چینی سے خوب واقف تھی لیکن شاید وہ کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔

ایک دن صبح ہی صبح جب وہ آئی تو نادر اداس سر جھکائے بیٹھا اپنے انجام پر کچھ سوچ رہا تھا۔ فتے کچھ دیر کھڑی اس کی حالت پر غور کرتی رہی۔ پھر بولی۔ "آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

نادر نے سر اٹھایا اور پھیکی مسکراہٹ سے پوچھا۔ "تم کب آئیں فتے؟"

فتے نے جواب دیا۔ "ابھی ابھی آئی ہوں۔" پھر ایک چرکا لگایا، کہنے لگی۔ "جیسے جیسے ان لوگوں کے آگرے جانے کے دن قریب آتے جا رہے ہیں میری مصروفیت اور پریشانی میں اضافہ ہو رہا ہے!"

نادر نے حیرت اور افسوس سے پوچھا۔ "ان لوگوں کے جانے سے تمہیں کس پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا؟"

فتے نے دل جلے انداز میں جواب دیا۔ "میں نہیں جانا چاہتی، میں یہیں رہنا چاہتی ہوں!"

نادر نے کہا۔ "تو رہو ہمارے پاس، ہمارے ساتھ رہو، تم کیوں پریشان ہوتی ہو؟"

فتے کے چہرے پر خوشی کی تازگی دوڑ گئی۔

نادر نے کچھ دم لے کر اپنی درخواست پیش کر دی، بولا "فتے ان لوگوں کے جانے سے پہلے ہمارا ایک کام کر دو!"

فتے نے پوچھا "کیا کام فرمایئے؟"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

نادر نے ہمت کر کے صاف صاف مطلب بیان کر دیا۔ "تم ہمیں ایک بار حور بانو سے اور ملا دو!"

یہ کہہ کر وہ فتے کی صورت دیکھنے لگا اس طرح اب وہ اپنے سوال کے ردِ عمل کا جائزہ لے رہا تھا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد فتے نے جواب دیا۔ "ایسی طاقتوں سے کیا فائدہ کیوں آپ جی کو جلاتے ہیں۔ بہر حال آج دوپہر آپ انتظار کریں، میں کوشش کروں گی اگر حور بانو بھی رضامند ہو گئیں تو ملاقات ضرور ہو جائے گی۔"

نادر کا مارے خوشی کے حال ہی کچھ اور ہو گیا۔ اس نے فتے کو انعام کے طور پر کئی اشرفیاں اور کھانے کو پھل پیش کیے۔ فتے نے اشرفیاں مٹھی میں دابیں اور پھل کھا کر منہ پونچھتی ہوئی واپس چلی گئی۔

دوپہر سے دو گھڑی پہلے ہلکے گلابی کپڑوں میں ملبوس حور بانو بجائی شرمائی فتے کی کوششوں سے اندرونی دروازے تک آ کر ٹھٹک گئی۔ نادر نے پرشوق نظروں سے دیکھا کہ فتے کے گورے گورے صحت مند ہاتھ حور بانو کو نادر کے کمرے میں دھکیلنے کی کوشش کر رہے ہیں اور حور بانو بار بار پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ اسی کشمکش میں فتے کے ایک زوردار دھکے سے حور بانو نادر کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ فتے نے پھرتی سے دروازے بند کر لیے۔ حور بانو کا دوپٹا فتے کے ہاتھ میں پھنس کر دروازے کے دوسری طرف ہی رہ گیا۔ فتے نے کوئی پرواہ کیے بغیر دروازے کی زنجیر چڑھا لی۔ اب حور بانو کا بہت برا حال تھا، اس کشمکش میں جہاں وہ بے دوپٹا ہو گئی تھی وہیں اس کے بال بھی بکھر گئے تھے، شرم و حجاب میں فرار کی ماہیں مسدود دیکھ کر وہ کمرے کے فرش پر اکڑوں بیٹھ گئی اور دونوں گھٹنوں میں سر ڈال کر چہرہ اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور انگلیوں سے چھپا لیا۔

دوسری طرف سے سرگوشی میں فتے کی آواز سنائی دی۔ "میں یہیں برابر کے کمرے میں موجود ہوں باتیں کر کے دروازے تھپتھپا دینا، میں زنجیر کھول دوں گی!"

نادر جھکتا ٹھٹکتا حور بانو کے قریب پہنچ گیا۔ وہ گھٹنوں میں منہ چھپائے حور بانو کے سر پر فکر مند کھڑا کچھ سوچتا رہا، پھر آہستہ سے اس کے بالوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، اور سرگوشی میں کہا۔ "حور بانو!"

حور بانو کچھ اور سکڑ گئی، نادر اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا، بولا۔ "حور بانو شرمائیے نہیں، ادھر دیکھئے ہماری طرف۔ جب سے ہم نے آپ کو دیکھا ہے، آنکھیں خواب کو ترس گئی ہیں!"

حور بانو بدستور سکڑی سمٹی رہی بالکل چھوٹی سی لڑکی کی طرح جو اجنبی لمس سے مرجھا جاتی ہے۔

نادر نے زیادہ جسارت سے کام لیا اس کے پہلو میں گدگدی کی جس کی تاب نہ لا کر حور بانو فرش پر ڈھیر ہو گئی اور استعجاب نظروں سے نادر کو دیکھا۔

"اسے آپ رو رہی ہیں! یہ کیوں؟" نادر پریشان ہو گیا۔

حور بانو نے بھرائی آواز میں کہا۔ "بابا جان کو آجانے دیجئے، ہم آپ کی سچی کو قتل نہ کروا دیں تو ہمارا ذمہ!"

نادر نے کہا۔ "اور فتے کے ساتھ ہم کو بھی قتل کروا دیجئے ہم تو زندگی سے یوں ہی بیزار ہو چکے ہیں!"

حور بانو نے کوئی جواب نہ دیا۔ نادر نے اس کے گرد آلود کپڑوں کی دھول جھاڑتے ہوئے کہا۔ "ہم بخوشی قتل ہونے کو تیار ہیں لیکن اس سے پہلے ہمیں اپنے دل کا بوجھ تو اتار لینے دیجئے!"

حور بانو نے بے یقینی سے نادر کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو "کیا بوجھ؟"

نادر نے کہا۔ "پہلے اس خاکی فرش کو تو چھوڑیے اور چوکی پر تشریف لے چلئے اس کے بعد دل کی داستان عرض کی جائے گی۔ اب آپ اتنی اجنبی ہو گئی ہیں ہمارے لئے، خطوط میں تو آپ خاصی شوخ نظر آتی ہیں!"

حور بانو نے اندرونی دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارا دوپٹہ!"

نادر دروازے کی طرف جاتا ہوا بولا۔ "ہم ابھی لا دیتے ہیں آپ کا دوپٹہ لیکن پہلے آپ بھی یہ وعدہ کیجئے کہ دوپٹا مل جانے پر ہمیں سزائے کلامی سے محروم نہیں فرمائیں گی!"

حور بانو نے شرمائی مسکراہٹ سے جواب دیا۔ "وعدہ!"

نادر نے دروازے کو آہستہ آہستہ دو بار تھپتھپایا اور سرگوشی میں کہا۔ "فتے حور بانو کا دوپٹا دے دو!"

جواب میں ذرا سا دروازہ کھلا اور دوپٹا نادر کے ہاتھ میں آ گیا۔ نادر نے یہ دوپٹہ حور بانو کے حوالے کر دیا۔

حور بانو نے دوپٹے کو سر پر ڈال کر اس کے دونوں سروں سے شانوں اور سینے کو چھپا لیا۔

نادر نے درخواست کی "اب براہ کرم چوکی پر تشریف لے چلیں!"

حور بانو دلہنوں کی طرح چل کر چوکی پر جا بیٹھی۔ اس کے سامنے نادر خادم کی طرح

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

کھڑا ہو گیا۔

نادر نے پہلی بار اس قیامت کا سراپا جائزہ لیا، ہلکے گلابی لباس میں ڈھلتا ہوا گلابی جسم ایسا لگتا تھا جیسے گلاب کے پھول نے نسوانی پیکر اختیار کر لیا ہو۔ گلابی اور گلنار چہرے پر سیاہ بالوں کی وہی حیثیت تھی جو صبح یا شام کو افق پر کھلی ہوئی ہلکی شفق میں مثل سانپ سیاہ بادلوں کی ہوا کرتی ہے۔

نادر نے بالوں کی چند لٹیں انگلیوں میں لے کر ناک سے لگا لیں اور ان کی خوشبو سے مست و مسرشار ہو گیا۔ حوریا نو ایک بار پھر سسکنے لگی، نادر نے کہا۔ "حوریا نو یقین کیجئے ہم آپ کی محبت کے اسیر ہو چکے ہیں اور ہم اس سے بالکل نہیں ڈرتے کہ آپ کے والد ہمیں جرم محبت میں قتل بھی کر سکتے ہیں!"

حوریا نو کی خفیف سی آواز سنائی دی، اس نے کہا۔ "لیکن آپ شاید یہ نہیں جانتے، ہم کسی کی امانت ہیں کسی سے منسوب ہو چکے ہیں!"

نادر نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا مطلب؟ پھر آپ نے ہم سے راہ و رسم کیوں بڑھائی؟"

حوریا نو نے شرمندگی سے جواب دیا۔ "شرمندہ ہیں، غلطی ہوئی!"

"حوریا نو۔ ہم ہمیشہ کے لئے آپ کو اپنا بنانا چاہتے ہیں!"

مگر میں پیدائش کے فوراً بعد ہی اپنے چچا کے لڑکے شیر باز کے لئے مانگی جا چکی ہوں، ہاں کے ٹھیکرے میں شیر باز کی ماں نے ہماری طلب کا بیعانہ ڈال دیا تھا!"

نادر ہنسنے لگا۔ لاپروائی سے بولا۔ "یہ کوئی بات نہیں، اصل چیز تو نکاح ہوتی ہے!"

حوریا نو نے اکتا کر کہا۔ "ہمیں واپس جانے دیجئے!"

نادر نے جواب دیا۔ "ابھی ہم دونوں کی باتیں تو ہوئی نہیں!"

دوٹے کی آڑ سے اس نے نادر کو دیکھا۔ بڑی بڑی پلکوں کے دروازے یہ محرابی چھتوں میں نشیلی آنکھوں کی کٹوریاں اس طرح محفوظ تھیں جیسے انہیں سیاہ تاروں کی یادگار قید کر دیا گیا ہو۔

نادر نے کہا۔ "حوریا نو! آپ ہمیں بس اس بات کی اجازت مرحمت فرما دیں کہ اگر ہم آپ کے پدر بزرگوار سے آپ کے رشتے کی بات کریں تو آپ اس کی مخالفت نہیں کریں گی!"

حوریا نو نے وحشی ہرنی کی طرح خوفزدہ نظروں سے نادر کو دیکھا اور کہنے لگی۔ "باوا جان سے اس موضوع پر بات کبھی نہ کیجئے گا، وہ آپ سے بالکل خوش نہیں ہیں!"

نادر نے پوچھا۔ "ہم سے خوش کیوں نہیں ہیں؟"

حوریا نو اب کچھ بے تکلف ہو گئی تھی اکھڑنے لگی۔ "جس منصب پر آپ فائز ہیں وہ یہاں شیر باز کو دیکھنا چاہتے تھے۔" ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔ "لیکن خدا کو شاید یہ منظور نہ تھا اس لئے اس نے یہاں آپ کو بھیج دیا اور شیر باز کو ایک ایسے خونی خام میں مبتلا کر دیا کہ پتہ نہیں اس کا کیا انجام ہوا!"

نادر نے امید و بیم میں مبتلا دریافت کیا۔ "ہم آپ کا مطلب نہیں سمجھے، کچھ کھل کر فرمائیں تو بڑا کرم ہوگا!"

حوریا نو نے دکھ کے ساتھ کہا۔ "آپ کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ جہاں پناہ شہنشاہِ ہند جلال الدین اکبر کی زندگی کا چراغ قریب بغروب ہے، اور ان کی جانشینی کی جنگ میں باپ بیٹے یعنی شہزادے سلیم اور خسرو میں آویزش جاری ہے، خسرو چاہتا ہے کہ اپنے باپ سلیم کی جگہ اپنے دادا اکبر کے آنکھ بند کرتے ہی ہندوستان کا فرماں روا بن جائے لیکن شہزادہ سلیم اپنے بیٹے خسرو کو حتی الامکان کامیاب نہ ہونے دیں گے!" پھر ٹھنڈی سانس بھر کر بولی "اور یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ شیر باز شہزادے خسرو کی حمایت کر رہا ہے!"

نادر نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "خسرو اور اس کے حامی گئے!"

حوریا نو نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا اور آہستہ سے کہا۔ "یہاں ایسی باتیں نہ کیجئے ورنہ نقصان اٹھائیے گا!"

"وہ کس طرح؟" نادر نے پوچھا۔

حوریا نو نے جواب دیا۔ "شہزادہ سلیم راجا مان سنگھ کے بھتیجے ہیں اور خسرو ان کا بھانجا، راجا مان سنگھ اپنے بھانجے کی حمایت کر رہے ہیں، یہاں خسرو کے خلاف زبان کھولنے کا یہ مطلب ہے کہ راجا مان سنگھ کی مخالفت کی جائے۔ یہ علاقہ راجا مان سنگھ کا ہے، اس کا بطور خاص خیال رہے!"

نادر نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "سر دست ہم ان سیاسی چکروں میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہمارے باب میں آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا آپ ہمیں یوں ہی جلتے رہنے دیں گی؟"

حوریا نو خاموش ہو گئی۔ نادر نے اس کے بالوں کو لیوس دیا تو وہ تلملا کر رہ گئی، اکتا کر بولی "ہمیں جانے دیجئے!"

"آپ کو روک کون سکتا ہے!" نادر نے کہا۔ "ذرا اپنا چہرہ ادھر تو اٹھائیے۔ ہم بھی کسی کے لئے دیکھ تو لیں!"

حوریا نو کھڑی ہو گئی۔ غصے میں بولی۔ "اب ہم مزید برداشت نہیں کر سکتے!"

نادر نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا تو چھڑانے کی جدوجہد کرتی ہوئی بولی۔

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

"چھوڑ دیجیے ستایئے نہیں، اگر بادا جان کو ان باتوں کی اطلاع ہو گئی تو ہم دونوں کو جان سے مار دیں گے۔"

نادر نے اپنی گرفت اور مضبوط کر لی، بولا۔ "بس ایک شرط پر ہم آپ کو چھوڑ سکتے ہیں!"

"شرط ورط کچھ نہیں، آپ ہمیں چھوڑ دیجئے بس!"

نادر پر ایک کیف طاری تھا۔ سارے جسم میں مستی سی دوڑنے لگی، عالم سرمستی میں کئی جگہ بوسے ثبت کیے اور کہنے لگا "حور بانو! ہم آپ کے بغیر زندہ نہ رہ سکیں گے کچھ بھی ہو، اب تو ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ یا تو آپ کو حاصل کر لیں گے یا اپنی جان دے دیں گے۔"

لیکن حور بانو کے پاس ان تمام باتوں کا ایک ہی جواب تھا۔ "ہمیں چھوڑ دیجئے، ہمیں جانے دیجئے!"

اور جب ان دونوں کی علیحدگی عمل میں آئی تو نادر کو کچھ بھی پتہ نہ تھا کہ حور بانو کا آئندہ اقدام اس کی حمایت میں ہوگا یا مخالفت میں۔

اندرونی دروازہ کھلنے پر فتے کا ناخوشگوار اثرات لئے چہرہ نمودار ہوا تو اس کے کانوں میں بڑبڑاہٹ کی بھنک پڑی، فتے ترشی سے کہہ رہی تھی۔ "آپ کو یہ سب نہیں کرنا چاہیئے تھا اگر حور بانو نے چیخ چیخ کر شکایت کر دی تو میں پہلے ہی قتل کر دی جاؤں گی۔"

نادر نے ملائمت میں جواب دیا۔ "دارو غہ اصطبل ہم ہیں، اب بوڑھا نواز ش علی تو کچھ بھی نہیں رہا، ہم جب چاہیں اسے قید میں ڈال سکتے ہیں!"

لیکن جب اندر سے حور بانو نے بھی فتے کے ذریعے کہلوا دیا کہ "ہم مجبور ہیں، آپ کا ساتھ شاید نہ دے سکیں گے۔" تو نادر پریشان ہو گیا۔

اصطبل کے سائیس، منشی اور دیگر عملہ اب بھی نواز ش علی کی عزت کرتا تھا، جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ نواز ش علی آگرے جانے کی تیاری کر رہا ہے اور راجہ مان سنگھ نے بھی اسے چلے جانے کی اجازت دے دی ہے تو انہیں بڑا صدمہ ہوا۔ جب یہ لوگ نواز ش علی کو رکنے پر مجبور کرتے تو وہ پوچھتا۔ "اب میں یہاں کس تقریب میں رکوں؟ میرا منصب مجھ سے چھن چکا یہاں مزید ٹھہرے رہنے کا جواز ہی کیا باقی رہ گیا ہے؟"

عملے کے کچھ لوگ نوجوان نادر اور حور بانو کو ایک ساتھ اپنے ذہنوں میں لاتے اور ان دونوں کی آپس میں مستقل وابستگی کی تجویز پیش کرنا چاہتے لیکن کسی کو ہمت نہ پڑتی، کسی نے اشاروں میں اگر یہ بات کہی بھی تو بوڑھا نواز ش علی گویا بھنچے سے اکھڑ گیا اور یہ کہہ کر چلنے

والے کی زبان بند کر دی کہ "میں نے راجا مان سنگھ کی خدمت کی ہے اور مرا جانہیں چاہتا کہ شہزادہ سلیم برسر اقتدار آئے وہ اپنے بھائے خسرو کو ہندوستان کا حکمراں دیکھنا چاہتا ہے۔ جدھر راجا ہوگا ادھر ہی نواز ش علی ہوگا کیونکہ نواز ش علی نمک حرام نہیں ہے۔"

جو فتے پہلے مہربان تھی، اب وہ بھی کھنچی کھنچی رہتی تھی اسی کی کوششوں سے حور بانو اس سے ملی تھی، اور اس ملاقات کے صلے میں اس نے فتے کو گراں قدر انعامات سے نواز دیا تھا لیکن اب مزید اشرفیوں کی طمع بھی فتے میں نرمی اور خوش اخلاقی پیدا نہ کر پا رہی تھی۔ فتے کو نادر سے ایک ہی شکایت تھی کہ حور بانو سے ملاقات کے دوران نادر نے احتیاط اور ہوشیاری سے کام نہیں لیا، اگر حور بانو واقعی اپنے باپ نواز ش علی سے شکایت کر دیتی تو معلوم نہیں کس کس کے لئے کب کی قیامت آ چکی ہوتی۔ نادر بھی صبر اور احتیاط سے کام بنا رہا تھا لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ نواز ش علی عنقریب آگرے چلا جائے گا تو وہ بے چین ہو گیا، وہ جہاں تک تیار ہو چکا تھا کہ اگر وہ حور بانو کو جائز طریقے سے حاصل نہ کر سکا تو ناجائز طریقوں سے بھی باز نہ رہے گا لیکن اس سلسلے میں وہ ایک ملاقات اور کرنی چاہتا تھا، اس آخری ملاقات میں وہ حور بانو کے قدموں میں گر کر درخواست کرنے کا منصوبہ بنا چکا تھا۔ اگر اس درخواست سے حور بانو کا دل نہ پسیج گیا تو پسیج گیا دن پھر وہ اس سلسلے کا انتہائی اور آخری قدم اس طرح اٹھائے گا کہ وہ کسی بھی طرح حور بانو کو قابو میں لا کر چپ چاپ آگرے روانہ ہو جائے گا اور اپنے مربی اور محسن شہزادے سلیم کے سایۂ عاطفت میں پناہ لینے کی کوشش کرے گا۔

جب فتے کو حور بانو سے ملاقات پر آمادہ کرنا چاہا تو اس نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ "حور بانو خود ہی ملاقات پر آمادہ نہیں ہیں، کہتی ہیں ان کی ماں کڑی نگرانی کر رہی ہیں۔"

نادر نے اداسی سے پوچھا۔ "لیکن حور بانو کی والدہ پہلی ملاقات پر بھی تو گھر ہی میں موجود تھیں، پھر وہ ملاقات کس طرح ممکن ہو گئی تھی؟"

فتے نے جواب دیا "یہ راز کی باتیں نہ پوچھیں تو اچھا ہے۔"

"پھر بھی!" نادر نے کہا۔ "ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ ہم ہر قیمت پر حور بانو سے ایک آخری ملاقات ضرور کریں گے۔"

فتے نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "لیکن اس ملاقات سے حاصل کچھ بھی نہ ہوگا، حور بانو اپنے باد اجان کی مرضی کے خلاف کوئی بڑا قدم اٹھانا تو درکنار، کوئی معمولی سا وعدہ بھی نہیں کر سکتیں۔"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

نادر نے ضدی انداز میں کہا۔ "یہ ہمارے سوچنے کی بات ہے کہ حور بانو ہمارے خلاف قدم اٹھائیں گی یا حمایت میں، تم تو بس کسی طرح ہم دونوں کی ملاقات کرا دو۔"

فتے کچھ نرم پڑ گئی، بولی "میں تو راضی ہوں لیکن خود حور بانو شاید تیار نہ ہوں۔"

نادر نے عاجز آ کر کہا۔ "اوہ، تم کوشش تو کرو۔"

فتے نے بادل ناخواستہ کہا۔ "اچھا کوشش کروں گی۔"

نادر نے فوراً ہی چند اشرفیاں فتے کے حوالے کیں، بولا۔ "انہیں رکھو ہم ملاقات کے بعد اور بھی دیں گے۔"

فتے نے اشرفیاں کرتے کی جیب میں ڈالیں اور آنچل سے چہرے کا پسینہ خشک کرتی ہوئی چلی گئی۔

موسلا دھار بارش میں چند گھڑ سوار قلعے میں داخل ہوتے اور پھر گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے سیدھے نوازش علی کی ڈیوڑھی کے صدر دروازے پر پہنچ کر گھوڑوں سے اتر پڑے۔ شلوار نما تنگ موریوں کے پائنچے پر پلے لمبے کرتے کمر پر رنگین پٹکوں سے کسے ہوئے تھے اور پٹکوں کے رنگ برنگے سرے ناف کے نیچے لٹک رہے تھے ان کے لباس پانی میں شرابور تھے اور ٹپکتے ہوئے پٹکوں کے سروں سے پانی ٹپک ٹپک کر ان کے جوتوں کو مزید تر کر رہا تھا۔ ان دس آنے والوں میں ایک سرکش جوان بھی تھا، اس کی گردن میں ایک قسم کا متمردانہ کھنچاؤ اور ترچھا پن تھا، بقیہ نو ساتھی اس کے ماتحت اور اطاعت گزار نظر آتے تھے۔

نادر انہیں دیکھتے ہی اپنے کمرے سے باہر آ گیا اور مغرور نوجوان سے نہایت نرم لہجے میں دریافت کیا "کوئی شاہی پیغام؟ ہم آپ حضرات کی کیا خدمت کر سکتے ہیں۔؟"

اجنبی نوجوان متکبرانہ شان سے مسکرایا اور کہا۔ "ہم دارو غہ اصطبل نوازش علی سے ملنا چاہتے ہیں۔"

نادر نے بھی حاکمانہ انداز اختیار کیا اور پُروقار لہجے میں جواب دیا۔ "نوازش علی اپنے منصب سے علیحدہ کیے جا چکے ہیں اور ان کی جگہ ہم نے یہ منصب سنبھال لیا ہے۔"

اجنبی نے نہایت لاپروائی اور رعونت سے نادر کو دیکھا اور آہستہ سے کہا۔ "اچھا تو اب تم ہو ان کی جگہ دارو غہ اصطبل! خوب لیکن نوازش علی کہاں ہیں؟"

نادر نے جواب دیا۔ "وہ بھی اپنے کنبے کے ساتھ اسی حویلی میں قیام فرما ہیں۔"

اجنبی نے سخت لہجے میں پوچھا۔ "اور خود تم کہاں رہتے ہو؟"

نادر کو اجنبی کا انداز تخاطب پسند نہ آیا، اس نے بھی رعونت سے جواب دیا۔ "ہم بھی اسی حویلی میں رہتے ہیں، اصولاً اپنے منصب پر فائز ہونے کے فوراً بعد ہمیں یہ حویلی بوڑھے نوازش علی سے خالی کرا لینا چاہیئے تھی لیکن ہم نے از راہ ترحم ایسا نہیں کیا۔"

اجنبی کی گردن اور زیادہ اکڑ گئی، اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پیش قبض کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ نادر کو خطرے کی بو محسوس ہوئی، اس نے بھی اپنی پیش قبض کے دستے پر ہاتھ رکھا اور اجنبی کی ذہنی کیفیات اس کے چہرے سے پڑھنے کی کوشش کی۔

اجنبی نے رعونت سے پوچھا۔ "نوازش علی کو معزول اور تمہیں اس منصب پر فائز کس نے کیا؟"

نادر نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "جسے لوگوں کو ان کے مناصب سے معزول اور فائز کرنے کے اختیارات حاصل ہیں، اسی کے حکم سے یہ سب کچھ ہو گیا۔"

"نوازش علی کو بلاؤ۔" اجنبی نے حکم دیا۔

نادر اپنے کمرے میں جاتا ہوا بولا۔ "افسوس کہ ہم تم جیسے بے ادب اور آداب گفتگو سے ناواقف شخص سے مزید بات چیت نہیں کر سکتے۔"

اس کے چلے جانے کے بعد فتے نے اس خود سر اجنبی کی رہنمائی کی اور اسے نوازش علی سے ملوا دیا۔ کافی دیر بعد فتے اس کے کمرے میں داخل ہوئی، اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور اس کی آنکھ میں ایک قسم کی سرکشی اور بے نیازی سی پائی جاتی تھی۔

نادر نے دریافت کیا۔ "فتے! یہ کون لوگ ہیں جو نوازش علی سے ملنے آئے ہیں؟"

فتے نے جواب دیا۔ "جناب ان میں ٹیڑھی گردن والا تو اپنے سابق داروغہ اصطبل نوازش علی کا بھتیجا شیر بانو ہے اور بقیہ اس کے ساتھی، جو ہر وقت اس کی جاں نثاری میں اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔"

نادر اس خبر سے بہت زیادہ پریشان ہو گیا۔ خود بانو کا نسلی رد آ چکا تھا، اس نے سوچا کہ اب حور بانو کی حضوریابی نہ صرف ناممکن بلکہ ملاقات تک ناممکن ہے۔ اس نے معنی خیز نظروں سے فتے کی طرف دیکھا، ان نظروں نے اس سے کیا پوچھا تھا فتے نے پڑھ لیا، کہنے لگی۔ "بیگم تو اب ناممکن ہی نظر آتی ہے میں پھر بھی ایک قیصلہ کن ملاقات کرانے کی کوشش ضرور کروں گی۔"

نادر نے اس کی ہمت بندھاتی، بولا۔ "ہاں فتے خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہم کہاری پشت پر موجود ہیں۔"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

لیکن دو دن کے اندر ہی نادر نے یہ محسوس کر لیا کہ فتے کی اطاعت گزاری میں وہ پہلی جیسی سرگرمی نہیں رہی۔ اب نوازش علی میں بھی وہ پہلے جیسی مایوسی نہیں پائی جاتی تھی اب اصطبل کا عملہ بھی اس کا کم اور ادب لحاظ کرتا تھا۔ اسے ایسا لگتا جیسے اب وہ دارو غہ اصطبل نہیں رہا۔ چند دنوں پہلے تک وہ جب باہر نکلتا تھا تو وہاں کی مقامی عورتیں اس کا بڑا ادب و احترام کرتی تھیں لیکن اب وہ کبھی نظر انداز کرنے لگی تھیں، نادر کو شک گزرا کہ کہیں شیر باز دار الحکومت سے کوئی خفیہ حکمنامہ تو نہیں لایا ہے اور ایک یہ شک بھی اسے بار بار پریشان کر رہا تھا کہ کہیں خدا نخواستہ شہزادہ سلیم کی جگہ اس کے بیٹے خسرو کو اپنا ولی عہد تو نہیں نامزد کر دیا! اس اضطراب اور خلفشار میں کئی دن گزر گئے، وہ اپنے فرائض منصبی اس طور پر انجام دے رہا تھا، گویا پرواز معزولی موصول ہونے ہی والا ہے اور اس پروانے کی موصولی تک وہ بجبر اپنی منصبی خدمات انجام دینے کا پابند ہے۔

بارش کی ایسی جھڑی لگی تھی کہ لوگ اپنی اپنی پناہ گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ نوازش علی اس کا بھتیجا شیر باز اور اس کے ساتھی بھی اپنے اپنے ٹھکانوں میں دبکے ہوئے تھے۔ نادر بہت اداس تھا، مشہور سلاطین اور خانین کی چند سو سالہ عمریاں اس کے پاس تھیں، یہ بہر وقت انہی کے مطالعے میں کھویا رہتا تھا۔

سہ پہر کو خلاف معمول سر پھرا شیر باز اپنے چچا نوازش علی کے ساتھ اس سے ملنے آگیا۔ نادر نے خندہ پیشانی اور خوش دلی سے دونوں کا استقبال کیا اور انہیں اپنے سامنے والی جگہ پر بٹھایا۔

شیر باز نے بیٹھتے ہی رعونت سے کہا: "دوست! ہم تمہیں کئی دن سے چپ چاپ اور اداس اداس دیکھ رہے ہیں۔ اگر اس اداسی کا سبب یہ خیال ہے کہ ہم تمہیں، تمہارے منصب سے معزول کرنے یا کرانے آتے ہیں تو اس خیال کو فوراً اپنے دل سے نکال دو، ہم اتنے معمولی منصب کو اپنے شایان شان نہیں سمجھتے۔"

نادر اس تیغ لب دلیپے کا کوئی ایسا ہی جواب ضرور دیتا لیکن محض اس خیال سے چپ رہا کہ آنے والے اس کے مہمان ہیں اور مہمانوں کی گستاخیاں بھی صبر و شکر سے برداشت کر لینی چاہئیں۔

شیر باز نے مزید کہا: "تم نے ہمارے چچا کو پریشان نہیں کیا، اس کا ہم بطور خاص شکریہ ادا کرتے ہیں اور تمہارے احسان کو شاید ہم جلد ہی اتار دیں گے کیونکہ زیادہ دنوں تک کسی کے احسان کو بار دوش بنا کر رکھنا دیانت اور شرافت کے خلاف ہے۔"

نوازش علی کی بوڑھی اور تجربہ کار عقل نے شاید اسے فوراً ہی یہ محسوس کرا دیا کہ نادر اب زیادہ دیر تک شیر باز کی باتوں کا متحمل نہیں ہو سکے گا، وہ مفاہمت کے لہجے میں بولا: "اگر

ان کا نام نادر ہے تو یہ آدمی بھی نادر ہی ہیں، میرا خیال ہے کہ اب انہیں اپنا زیادہ وقت نہیں برباد کرنا چاہئے، اس وقت ہم دونوں اس لئے حاضر ہوئے تھے کہ آخری بار تمہاری شرافت اور مخلصانہ رہنمائی کا شکریہ ادا کر دیں، پھر کچھ پتہ نہیں کہ کبھی ملاقات ہو بھی یا نہ ہو!"

نادر کا دل ڈوبنے لگا۔ الفاظ خشک گلے میں پھنسنے لگے، بدقت تمام دریافت کیا۔ "کیا آپ لوگ واقعی جا رہے ہیں؟"

"ہاں!" نوازش علی نے جواب دیا۔ "شاید دو دن بعد ہم یہاں نظر نہ آئیں!"

نادر نے مخلصانہ پیش کش کی۔ "اگر آپ چاہیں تو ہم اپنے موجودہ منصب سے دست بردار ہونے کو تیار ہیں اور آپ بدستور اسی منصب پر فائز رہ سکتے ہیں۔"

شیر باز کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی، اس نے غرور سے کہا۔ "نہیں ہمیں اس معمولی منصب کی کوئی ضرورت نہیں، ہم آگرے واپس جائیں گے اور کوشش کریں گے چچا جان کو شاہی میر آخور (شاہی اصطبل کا افسر اعلیٰ) کا منصب مل جائے۔"

نادر چپ ہو رہا۔ شیر باز دیر تک اپنی خود ستائی میں لگا رہا۔

جب چچا بھتیجے (جانثار سنگھ سے ملنے خلیفت آباد چلے گئے تو ایک بار پھر حور بانو سے ملنے کی خواہش نے سر اٹھایا لیکن اب اس نازک معاملے میں بہت احتیاط اور تدبر سے عمل کی ضرورت تھی۔ فتے کا تو یہ حال تھا کہ جب بھی اس کی نادرست نظریں چار ہوتیں وہ نظریں پرا کر ادھر ادھر ہو جاتی۔

جب وہ سوچتا کہ حور بانو قریب وہاں سے چلی جاتے گی تو اس کا دم اٹھنے لگتا، وہ یہ سوچ کر باہر نکلا ہی مایوس ہو جاتا کہ اب شیر باز کی موجودگی میں شاید حور بانو اس سے باتیں کرنا بھی گوارا نہ کرے۔

گہری گھٹاؤں نے ہر سو اندھیرا پھیلا رکھا تھا، کمروں میں رات کی سیاہی کا گمان ہوتا تھا۔ نادر نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور فانوس روشن کر کے ایک تاریخی محفوظے کا مطالعہ کرنے لگا۔ اسی لمحے کسی نے آہستہ آہستہ اندرونی دروازے پر دستک دی۔ نادر نے محفوظے کے زیر مطالعہ صفحات میں نشانی رکھ کر اسے بند کر دیا اور اندرونی دروازے پر نظریں گاڑ دیں، کسی نے پھر دستک دی۔ نادر اٹھ کر دروازے کے قریب جا کھڑا ہوا اور پوچھا: "کیا ہے؟ کون کس سے بات کرے گا؟"

اندر سے سہمی لرزی آواز میں فتے نے کہا: "دروازہ کھولیے حور بانو آخری بار آپ سے چند باتیں کرنا چاہتی ہیں۔"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

نادر کو یقین نہ آیا وہ سمجھا کہ کہیں اس طرح چلتے چلتے اس کے خلاف کوئی دام تزویر تو نہیں بچھایا گیا ہے۔

اس نے بے رخی سے جواب دیا۔ "کیا بات ہے؟ حور بانو کی والدہ کہاں ہیں؟"

فتے نے بدستور سرگوشی میں جواب دیا۔ "حور بانو سے جب آپ کی ملاقات کرانی ہوتی ہے تو انہیں فیون مقررہ مقام سے کچھ زیادہ کھلا دی جاتی ہے، آج بھی یہی کیا گیا ہے۔ اب آپ دونوں آزادی سے باتیں کر سکتے ہیں!"

نادر نے ذرا دروازہ کھول دیا۔ اسی لمحے حور بانو نے کا ایک زوردار دھکا کھا کر نادر کے کمرے میں داخل ہو گئی، نادر نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور چوکی کی طرف لے جاتا ہوا بولا۔ "رہے نصیب کہ آپ نے اس ناچیز کو یاد تو فرمایا، یہ تو بتائیے کہ کیا واقعی ہمیں مایوس اور تباہ حال چھوڑ کر دار لحکومت جا رہی ہیں، آپ ہمیں کس پر چھوڑے جا رہی ہیں؟"

حور بانو ایک بے جان مجسمے کی طرح نادر کی مدد سے پر تکلف چوکی پر جا بیٹھی۔ گردن جھکی ہوئی، جسم میں خوف اضطراب کا رعشہ زبان میں لکنت، دل میں بے شمار اندیشے اور دماغ اندیشوں اور خدشوں سے بوجھل۔

نادر نے آزردگی سے کہا۔ "حور بانو، معاف کیجئے گا۔ ہم نے آپ کو مبارک باد تو دی ہی نہیں۔ آپ کو جس کا انتظار تھا۔ آخر وہ آ گیا، اب تو آپ خوش ہیں؟"

حور بانو نے اٹک اٹک کر جواب دیا۔ "ان تکلیف دہ باتوں کا ذکر نہ کیجئے۔ کیا ہی خاطر سے آپ خود آگرے چلنا گوارا نہ فرمائیں گے؟"

نادر نے اداسی سے جواب دیا۔ "آپ کی خاطر تو ہم جان تک دے سکتے ہیں لیکن آپ نے دل کو جو چرکا لگایا ہے اب اسے خشک ہی ہو جانے دیجئے!"

حور بانو نے دہشت زدگی سے کہا۔ "ہمارے پاس زیادہ باتوں کا وقت نہیں ہے آپ کو ہماری خاطر سے آگرے چلنا ہو گا شاید وہاں اللہ کوئی بہتری کی صورت نکال دے۔ آپ ہمارے بارے میں بھی سوچئے!"

نادر نے چونک کر حیرت سے پوچھا۔ "کیوں، ایسا کیوں سوچتی ہیں آپ؟ اب تو شب و روز آپ ہی کے تصور میں کٹتے ہیں!"

حور بانو نے دوپٹے کا آنچل انگلی میں لپیٹنا شروع کر دیا، بولی۔ "شیر باز ابھی چند سال شادی نہیں کرنا چاہتا۔" پھر خاموش ہو کر کہا۔ "دوسرے اب ہم خود بھی اسے پسند نہیں کرتے؟"

نادر نے خوشی چھپاتے ہوئے اوپری دل سے پوچھا۔ "اس سلسلے میں وہ کہتا کیا

ہے؟ چند سال تک وہ کیوں رکنا چاہتا ہے آخر؟"

حور بانو نے خوف زدہ آواز میں کہا۔ "یہ اس کی بے وقوفی ہے اور کچھ نہیں معلوم نہیں کیا کیا سوچتا رہتا ہے؟"

نادر نے دوپٹے کی اوٹ میں چھپے ہوئے حجاب کی سرخی سے تمتمائے ہوئے چہرے کو جب کھولنے کی کوشش کی تو حور بانو نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ نادر نے جبر سے دونوں ہاتھوں کی آپس میں پیوست انگلیوں کو الگ کرنے کی کوشش کی اور جذباتی آواز میں کہنے لگا۔ "ہم نے دل میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ جب آپ ہم سے ملیں گی تو ہم صبر و احتیاط سے کام لیں گے لیکن آپ کا ہوش ربا سراپا اور سحر انگیز شباب عہد شکن ہے۔ آپ للہ ہمیں کسی آزمائش میں نہ ڈالیے اور ہمارے سامنے بے تکلفی سے بے حجابانہ بیٹھیے!"

حور بانو نے تیز تیز سانسیں لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ بھی یہ وعدہ کریں کہ آپ ایک حد میں رہیں گے!"

"یہ ہمارا وعدہ ہے!" یہ کہہ کر نادر نے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔

حور بانو نے آہستہ آہستہ انگلیوں میں شگاف پیدا کیا اور چہرے کو کھول کر انگلیوں کے شگاف سے نادر کو دیکھا تو اس کے ہوش و حواس میں ایک بھونچال سا آ گیا، لمبی لمبی پلکوں میں محصور شوخ اور مژیر سیاہ پتلیاں اس طرح حرکت کر رہی تھیں جیسے ننھی منی دو مچھلیاں دو مختلف سفید فضاؤں میں محو پرواز ہوں۔ ہونٹوں میں شوخ مسکراہٹ کی مستی آمیز حلاوت تھی۔

نادر نے ایک جھٹکے سے اس کے دونوں ہاتھوں کو چہرے سے ہٹا دیا تو حور بانو منہ کے بل سجدے میں چلی گئی۔ نادر نے اس کے پہلو میں انگلیاں ڈال دیں، اڈ کہنے لگا۔ "سیدھی ہو جایئے، ورنہ ہم کرتے ہیں گدگدی!"

حور بانو فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی اور مژگانی نظروں سے نادر کو دیکھنے لگی۔

نادر نے شاید پہلی بار اس فتنے کو اچھی طرح دیکھا تھا، بالوں کی محراب میں چاند جیسی دمکتی ہوئی شفق رنگ پیشانی اور سرگیں محمور آنکھوں کے نیچے انگارے جیسے دہکتے ہوئے رخسار، کھڑی متناسب ناک اور چھوٹے سے دہانے میں اوپر کا ہونٹ پتلا اور نیچے کا موٹا، گردن نہ کوتاہ نہ لمبی، گردن کے نیچے جو کچھ تھا اس کی سحر انگیزی اور گرمی نے نادر کو از خود رفتہ کر دیا۔ وہ چوکی پر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا، بولا۔ "حور بانو! ہمیں یقین نہیں آتا کہ ہم آپ کو اتنے قریب سے دیکھ رہے ہیں!"

حور بانو بھی اپنے آپے میں نہ تھی، بولی۔ "معلوم نہیں وہ کون سی گھڑی تھی جب

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

ہم نے آپ کو دیکھا تھا ورنہ ہمارے سوا وہ کون سی لڑکی ہے جو کسی غیر مرد کے روبرو اتنی بے باکی سے بیٹھ کر باتیں کرے!"

نادر نے جواب دیا۔ "ہم نے آپ کو اپنا سمجھ لیا ہے، جب آپ بھی ہمیں اپنا سمجھ لیں گی تو اس قسم کے سوہانِ روح خیالات سے نجات حاصل کر لیں گی!"

حورِ بانو دزدیدہ نظروں سے مسکرا مسکرا کر دیکھتی رہی۔

نادر نے اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے دبانے سہلانے لگا۔ ایک سرسری اور معمولی سی چھڑانے کی کوشش کے بعد حورِ بانو نے بھی سکوت اختیار کیا۔

نادر نے پوچھا۔ "حورِ بانو ایک بات تو بتلایئے!"

حورِ بانو نے نظریں اٹھا کر فوراً جھکا لیں، جیسے اجازت دی ہو۔ "پوچھیے!"

نادر نے افسوس سے کہا۔ "جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ یہ مرمریں ہاتھ ہمارے بجائے شیر باز کے ہاتھوں میں دے دیئے جائیں گے تو ہمارے دل کی دھڑکنیں رکنے لگتی ہیں!"

حورِ بانو نے ہمت کر کے کہا۔ "ہم لوگ آگرے جا رہے ہیں، اس وقت ہم اسی غرض سے آئے تھے کہ آپ کو بھی آگرے چلنے پر آمادہ کر لیں!"

"لیکن ہمارے چلنے کا فائدہ؟"

"بات و شوار سہی لیکن آپ کوشش ضرور کریں، ممکن ہے خدا کامیاب کر دے!"

نادر نے مایوسی سے کہا۔ "کیا آپ شیر باز پر ہمیں ترجیح دینے پر واقعی آمادہ ہیں!"

حورِ بانو نے زبان کے بجائے حامی میں گردن ہلا دی۔

نادر کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ پوچھا۔ "اور آپ کے والد نوازش علی خاں وہ بھی ہمیں پسند کر لیں گے؟"

حورِ بانو نے جواب دیا۔ "بس انہی کو راضی کرنا تو آپ کا سب سے بڑا کام ہے!"

نادر نے کریدا۔ "کیا آپ شیر باز کو واقعی پسند نہیں کرتیں؟"

حورِ بانو نے منہ بنا کر کہا۔ "جب سے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ شیر باز شہزادے کی مخالفت میں اسد کے بیٹے خسرو کا ساتھ دے رہا ہے، ہمیں شیر باز کا مستقبل تاریک نظر آنے لگا ہے۔"

نادر نے جواب دیا۔ "لیکن آپ ملوکیت اور سیاست میں نہ جائیں، یہاں سے کچھ ممکن ہے!"

حورِ بانو نے چڑ کر کہا۔ "لیکن یہ ناممکن ہے کہ شہنشاہ اکبر بیٹے کی جگہ پوتے کو

جانشین بنا دیں!"

نادر نے کہا۔ "اچھا جناب حورِ بانو صاحبہ! ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ہم آپ کے خود آ بعد ہی یہاں سے آگرے کے لئے روانہ ہو جائیں گے اور وہاں پہنچ کر آپ کے باپ کو کسی طرح رضامند کرنے کی کوشش کریں گے!"

حورِ بانو خوش ہو گئی اور کچھ سوچ کر بولی۔ "شیر باز خود سر، مغرور اور جھگڑالو انسان ہے، ہو سکتا ہے وہ کسی بات پر آپ سے جھگڑ بیٹھے، اس سلسلے میں ہمارا یہ مشورہ ہے کہ ہر قیمت پر جھگڑے سے بچتے رہیں اور خاص طور پر بادا جان سے۔ کوشش یہی کریں کہ خوش اخلاقی کا دامن نہ چھوٹنے پائے!"

نادر نے ہنس کر جواب دیا۔ "سادہ لوحی پر ہی! اگر ہم مصلحت اندیش نہ ہوتے اور آپ کی ذات ان لوگوں کے درمیان نہ ہوتی تو ہم ان سے کب کے بڑ جھگڑ چکے ہوتے اور یہ بھی ممکن تھا کہ ہم میں سے ایک کی جان بھی جا چکی ہوتی!"

حورِ بانو نے مزید مشورہ دیا۔ "اور یا دا جان کو خوش کرنے کی کوشش جاری رکھیے، اسی میں شاید کوئی صورت نکل آئے!"

"بہتر ہے!"

"اور ہاں اس کا بھی بطور خاص خیال رکھیے گا کہ آپ کی کسی بات سے بھی بادا جان کو یہ شبہ بھی نہ ہو کہ آپ کے دل میں ان کے خلاف کسی قسم کی کدورت پائی جاتی ہے!"

نادر نے تائید میں گردن ہلا دی۔ "آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر!"

"آخری بات!" حورِ بانو نے کہا۔ "راجا مان سنگھ خسرو کے حامی ہیں، آگرے میں شہنشاہ کی حالت تشویشناک ہے، شیر باز خسرو کا فرستادہ بن کر آیا ہے اور مان سنگھ نے شیر باز سے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ وہ اپنے بھتیجے شہزادے سلیم کے مقابلے میں اپنے بھانجے خسرو کی مدد کریں گے اور آپ چونکہ شہزادے سلیم کے پیچھے ہوتے ہیں اس لئے راجا مان سنگھ آپ پر یقین نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ یہاں کے لوگ اب بھی آپ کی بجائے بادا جان اور شیر باز کی زیادہ عزت کرتے ہیں کیونکہ انہیں قیاس اور قرائن سے معلوم ہو چکا ہے کہ راجا مان سنگھ آپ کو پسند نہیں کرتے!"

نادر نے حورِ بانو کی بد اندیشیوں کو ہنسی میں اڑا دیا، بولا۔ "آپ ان فکروں میں بالکل نہ پڑیے حورِ بانو، شہزادے سلیم کے حریف عنقریب ندامت اور خفت سے دوچار ہوں گے!"

نادر نے چلتے چلاتے حورِ بانو کو اپنی آغوش میں لے لیا اور بے اختیار کئی

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

لموسے لے لئے۔ وہ کسمپرسی، تنگ دستی، بے چارگی لیکن یہ سب کچھ رسماً تھا، آتش شوق تو اس کے اندر بھی فروزاں تھی۔

دوسرے دن حور بانو کا باپ نوازش علی نادر پر از حد مہربان نظر آیا۔ فجر کی نماز پڑھ کر جب دونوں مسجد سے باہر نکلے تو راستے میں اس کی نوازش علی سے ملاقات ہو گئی۔ سلام میں نوازش علی نے سبقت کی۔ خلاف امید نوازش علی نے نادر سے کہا۔ "بیٹے نادر پرسوں ہم سب آگرے چلے جائیں گے، ہماری خواہش ہے کہ تم ان آخری دو دنوں میں ہمیں اس بات کا موقع دو کہ ہم تمہاری دعوت کریں اور کچھ وقت تمہارے ساتھ بھی گزاریں۔"

نوازش علی کے اس تبدیل رویے پر وہ حیران تھا لیکن پھر یہ سوچا کہ ضرور حور بانو نے اپنے باپ کو راضی کر لینے کے لئے کسی منصوبے پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔

نتے کئی بار مختلف سلسلوں سے اس کے کمرے میں آئی اور اجنبی کی طرح واپس چلی گئی۔

ترچھی گردن والا شیر باز بھی اس سے ملا اور فراخ دلی سے منگیر انہ پیش کش کی۔ خان، ازبکوں کا دیس سمرقند ہے نا جس نے مغلیہ سلطنت کے بانی بابر کو تقریباً زندگی بھر ستائے رکھا اور ایک بار اس نے قلعے میں محصور بابر کی بہن کو زبردستی اپنی داشتہ بنا لیا تھا؟"

نادر کا چہرہ غصے سے تمتما گیا۔ "شیبانی خان پر یہ ایک تہمت ہے جو آپ لگا رہے ہیں۔ بابر نے اپنی مرضی سے اپنی بہن کو شیبانی خان سے بیاہ دیا تھا اور سیاسی بابر کو ستانے کا سوال تو جب دو حکمران لڑتے ہیں تو ان میں سے ایک فاتح اور دوسرا مفتوح تو ہوتا ہی ہے۔ مادر الہند بابر اس کے قرب و جوار میں شیبانی خان فاتح اور بابر مفتوح تھا تو ہندوستان میں بابر فاتح اور افغان حکمران ابراہیم لودھی مفتوح۔"

نوازش علی مسکرانے لگا۔ پوچھا۔ "کیا ناراض ہو گئے؟ ہم تو محض ایک بات کہہ رہے تھے، اس سے ہمارا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ تمہارے دل کو صدمہ پہنچایا جائے۔"

نادر چپ رہا۔

نوازش علی نے ہنک اور ذلت کا ایک نیا پیرایہ چلایا۔ پوچھا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ شیبانی خان چنگیز خان کے سب سے بڑے بیٹے جوچی خان کی نسل سے تھا؟"

نادر نے آہستہ سے جواب دیا۔ "ہاں وہ اسی جوچی خان کی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔"

نوازش علی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن جوچی خان کی بابت تو یہ مشہور ہے کہ یہ چنگیز کی بیوی بورتا کی ناجائز اولاد تھا۔ چنگیز کے مخالف قبیلے نے جوچی کی ماں بورتا کو دو سال

نوازش علی نے نیا سوال کیا۔ "تمہارے خاندان میں کبھی کوئی بڑا آدمی بھی گزرا ہے؟"

"ہاں ایک شخص۔" نادر نے جواب دیا۔ "یوں تو بہادروں اور ناموروں سے ہمارا خاندانی شجرہ پٹا پڑا ہے لیکن ایام گزشتہ میں جس کو ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا ایک ایسا نامی شخص گزرا چکا ہے جس کے نام سے ہر سپاہی واقف ہے۔"

نادر جواب دیتے ہوئے فخر محسوس کر رہا تھا اور یہ سوچ کر خوش بھی ہو رہا تھا کہ نوازش علی یقیناً حور بانو کو اس سے وابستہ کر دینے پر آمادہ ہو گیا ہے اور خاندان کی بلندی یا پستی کی بابت وہ اسی لئے گرید کر رہا ہے۔

نوازش علی نے حائل ہونے والے ایک نالے کو گھوڑے کی چھلانگ سے عبور کرتے ہوئے پوچھا۔ "خاندان کے اس نامی گرامی شخص کا کیا نام ہے؟"

نادر کا گھوڑا بھی اس نالے کو پھلانگ گیا۔ اور جواب دیا۔ "شیبانی خان۔"

"شیبانی خان!" نوازش علی چونک پڑا اور گھوم کر نادر کو غور سے دیکھا۔ "یہ شیبانی خان، ازبکوں کا وہی سردار ہے نا جس نے مغلیہ سلطنت کے بانی بابر کو تقریباً زندگی بھر ستائے رکھا اور ایک بار اس نے قلعے میں محصور بابر کی بہن کو زبردستی اپنی داشتہ بنا لیا تھا؟"

نادر کا چہرہ غصے سے تمتما گیا۔ "شیبانی خان پر یہ ایک تہمت ہے جو آپ لگا رہے ہیں۔ بابر نے اپنی مرضی سے اپنی بہن کو شیبانی خان سے بیاہ دیا تھا اور سیاسی بابر کو ستانے کا سوال تو جب دو حکمران لڑتے ہیں تو ان میں سے ایک فاتح اور دوسرا مفتوح تو ہوتا ہی ہے۔ مادر الہند بابر اس کے قرب و جوار میں شیبانی خان فاتح اور بابر مفتوح تھا تو ہندوستان میں بابر فاتح اور افغان حکمران ابراہیم لودھی مفتوح۔"

نوازش علی مسکرانے لگا۔ پوچھا۔ "کیا ناراض ہو گئے؟ ہم تو محض ایک بات کہہ رہے تھے، اس سے ہمارا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ تمہارے دل کو صدمہ پہنچایا جائے۔"

نادر چپ رہا۔

نوازش علی نے ہنک اور ذلت کا ایک نیا پیرایہ چلایا۔ پوچھا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ شیبانی خان چنگیز خان کے سب سے بڑے بیٹے جوچی خان کی نسل سے تھا؟"

نادر نے آہستہ سے جواب دیا۔ "ہاں وہ اسی جوچی خان کی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔"

نوازش علی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن جوچی خان کی بابت تو یہ مشہور ہے کہ یہ چنگیز کی بیوی بورتا کی ناجائز اولاد تھا۔ چنگیز کے مخالف قبیلے نے جوچی کی ماں بورتا کو دو سال

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

تک اپنے قبضے میں رکھا تھا پھر جب وہ دوبارہ چنگیز خان کے قبضے میں پہنچی تو چند دن
ہی اس سے جوبی پیدا ہوگیا!"
نادر کا مارے غصے کے برا حال ہوگیا، اس کے جی میں آئی کہ وہ نوازش علی
کے قتل کر دے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔
نوازش علی نے اس کے زخمی دل پر چھایا مکھنے کی کوشش کی۔ کہا۔ "اس میں
کیا بات ہے، ہم میں سے معلوم نہیں کتنے ایسے ہوں گے جن کی مائیں سپاہیوں کی سے
اور بد اخلاقی کا شکار ہوئی ہوں گی۔"
اب نادر کی جان میں جان آئی۔ نوازش علی کہتا رہا۔ "اور وہ خاندان جو فو
انواج کی گزرگاہوں میں آباد ہوتے ہیں، یقیناً بے لگام سپاہ کی خرمستیوں کا شکا
رہتے ہیں۔"
نادر کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ آخر نوازش علی کہنا کیا چاہتا ہے
جب کھیتوں کا سلسلہ ختم ہوگیا تو بڑے بڑے درختوں کا سلسلہ شروع ہوگیا
اور تعلیم سے محروم دیہاتیوں کی طرح اجنبی انداز میں سر اٹھائے کھڑے تھے۔ انہی
کے درمیان ایک عمارت نظر آئی۔ نوازش علی اس کے صدر دروازے پر پہنچ کر
سے اتر پڑا۔ دربانوں نے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں، نوازش علی نادر کو لے کر عمارت
ہوا اندر کچھ اور لوگ بھی ملے۔
اندر پہنچ کر نوازش علی نے پیروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کبھی
سلطنت کے خطرناک باغیوں کو قید کر دیا جاتا تھا اور یہ مشہور تھا کہ جو قیدی یہاں
بند ہوا پھر مر کر ہی آزادی حاصل کر سکا ہے۔"
نادر کو یاد آیا کہ جنت آباد (مکھنوتی) کی یہ وہی مشہور جگہ ہے جو بہار
نام سے دور دور تک مشہور ہے، اس نے پوچھا۔ "یہاں ایک حوض بھی تو ہے
کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ جب کوئی خطرناک قیدی بآسانی مرنے پر آمادہ نہ
تو اسے پینے کے لئے اسی حوض کا پانی دیا جاتا تھا جو جسم میں داخل ہو کر
کرتا تھا۔"
نوازش علی نے حیرت سے کہا۔ "ہم تمہیں وہیں لئے چلتے ہیں!"
تھوڑی دیر بعد دونوں حوض کے کنارے پہنچ گئے۔ سطح آب پر بہت
جمی ہوئی تھی اور وہاں کچھ عجیب سی نمیدہ بو پھیلی ہوئی تھی۔
نوازش علی حوض کی دیوار پر ہاتھ ٹکا کر بیٹھ گیا۔ اس کے پاس ہی نادر بھ

بیٹھ گیا۔
نوازش علی اچانک کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہوگیا تھا، وہ کچھ سوچ رہا تھا، نادر حوض
کی گہرائی کا اندازہ لگانے لگا۔
یکایک نوازش علی نے کہا۔ "اور نادر! ہمیشہ ہماری یہ بات یاد رکھنا کہ اگر گھر میں
بیٹی کی ہو تو کسی پر بھی اعتبار نہ کرنا!"
نادر بوکھلا گیا کہ آخر اس بات کا یہ کون سا موقع ہے۔
نوازش علی نے کچھ اور وضاحت کی۔ بولا۔ "آج گھر کے ایک ایسے درد دانے کا
پتہ چلا ہے جو کھلا ہوا تھا کہ ہم حیران رہ گئے۔ اس میں فتنے کا ہاتھ ضرور رہا ہوگا، لیکن وہ قبول
نہیں رہی۔"
نادر پر ستور چپ رہا۔ نوازش علی نے بات اور آگے بڑھائی۔ کہا۔ "ہم لوگ خاندانی
ہیت اور ذاتی شرافت کے قائل ہیں لیکن جب آدمی میں ان دونوں میں سے ایک چیز بھی نہ
ہو جائے تو پھر وہ اس کا مستحق نہیں رہ جاتا کہ اس کے ساتھ کسی قسم کی مروت یا رعایت سے
کیا جائے۔"
نادر کا ماتھا ٹھنکا، بولا۔ "جناب آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ ایک بار کھل کر
دیں۔"
نوازش علی ایک دم جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "تم نے ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی، تم
نے غیروں کا لالچ دے کر فتنے کو اپنا گرویدہ بنایا تھا اور وہ بھی عاقبت نااندیشی میں جلتے
کیا کر گزری۔"
نادر چور بن گیا، نوازش علی نے کہا۔ "ہم چاہتے تو حور بانو کے حکم کے مرہون رہتے لیکن
ہم سب آگرے جا رہے ہیں۔ وہاں پہنچ کر تم کو خود مختار ــــــــــ یہاں کے نوابوں
جیسا بنا جائے گی!" پھر نادر کو ڈانٹا۔ "اور تم! تم وہ ذلیل انسان ہو جس نے ہمارے احسانات
کا حور بانو سے عشق کیا اور اسے ورغلاتا رہا لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا، حور بانو
پشیمانی اور فتنے کا اعتراف جرم، اب تم بولو کہ تمہیں تمہارے گناہ کی کیا سزا
دی جائے؟"
نادر نے جیسے خوابوں میں سوچا۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ حور بانو پشیمان ہو
فتنے اعتراف جرم کر لے، یہ یقیناً نوازش علی کی چال ہے۔ جو اس طرح اعتراف گناہ
کرانا چاہتا ہے۔
نوازش علی کہتا رہا۔ "جب ہم تمہیں قلعے سے لے کر چلے تھے تو یہ ارادہ کر لیا تھا
کہ کسی بھی جگہ موقع پا کر تمہیں اپنے ہاتھ سے قتل کر دیں گے لیکن ایسا کرنے میں یہ احتمال

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

موجود تھا کہ اگر لوٹے ہاتھ پھرتی اور چستی سے اپنا کام نہ کر سکے تو ہم یقیناً ہم پر غالب آجائیں گے۔ یہ سوچ کر ہم نے یہ طے کیا کہ اس عمارت میں داخل ہو کر حوض کی دیوار پر بیٹھ کر جو کر نا ہے کر لیں۔ یہ کہتے ہوئے نوازش علی نے ایک زوردار دھکے سے نادر کو زہریلے پانی کے حوض میں گرا دیا۔ اس کے گرتے ہی خود عمارت کے پھاٹک کی طرف تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا چل دیا۔

عمارت کے پاسبانوں نے نوازش علی کو تنہا نکلتے دیکھا تو انہیں نادر کی فکر ہوئی۔ نوازش علی اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر یہ جا وہ جا اور قلعے واپس چلا گیا۔ عمارت کے پاسبان نوازش علی کے جاتے ہی نادر کو تلاش کرتے ہوئے، عمارت کے مختلف حصوں میں گھومنے لگے۔ نوازش علی کو یہ یقین ہو گا کہ اگر اس کے پیچھے عمارت کے پاسبانوں نے کسی طرح نادر کو زندہ بچا لیا تو وہ حوض کا زہریلا پانی پی جانے کے سبب زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکے گا۔ ایک ایسا شخص جس نے اس کی بیٹی کو در غلانے کی کوشش کی ہو اسی سزا کا مستحق تھا۔

پاسبان نادر کو تلاش کرتے ہوئے جب حوض کے قریب پہنچے تو انہیں اندر سے کسی کے بے معنی شور کرنے کی آواز سنائی دی، ان میں سے ایک نے حوض میں جھانک کر دیکھا تو نادر پانی پر کر زندہ رہنے کی کوشش میں مصروف تھا، حوض کی سطح آب کی دیوار کی وجہ سے سیاہ ہو رہی تھی۔ ان دیواروں میں ایک چیز بھی ایسی نہ تھی جسے پکڑ کر وہ چڑھنے اور حوض سے نکلنے کی کوشش کرتا۔ وہ جب بھی حوض کے کنارے پر پہنچا اور حوض کی دیوار سے پیر ہاتھ لگا، چاہا، کائی کی وجہ سے پھسل کر وہ جاتا۔ بدبودار پانی کی سڑاند اس کا دماغ خراب کیے دے رہی تھی۔ اور چند گھونٹ پانی حلق کی راہ سے پیٹ میں جا چکا تھا۔

ایک پاسبان نے جیسے ہی حوض میں جھانک کر دیکھا، نادر نے چیخ کر کہا: "خدا کے لیے مجھے حوض سے نکال لو، ہم فریب کا شکار ہو گئے ہیں۔" پاسبانوں نے جلدی جلدی اپنی پگڑیوں کو گرہ لگا کر بڑا کیا اور اس کا ایک سرا پکڑے رکھا اور دوسرا حوض میں ڈال دیا۔ اور چیخ کر کہا: "اسے مضبوطی سے پکڑ لیجیے اور اس کے سہارے باہر نکل آئیے!"

پیٹ میں پہنچا ہوا پانی اثر دکھا رہا تھا اور نادر کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے آہستہ آہستہ غنودگی طاری ہو رہی ہے اور اس پر غشی سی طاری ہو جائے گی اس نے زندگی کی آخری خواہش اور کوشش کے زیر اثر پگڑی کا سرا دونوں ہاتھ سے تھام لیا اور اس کی مدد سے اوپر چڑھنے لگا۔ کائی والا حصہ اس نے اپنے بھروسے

کائی زدہ دیوار سے ٹکرا کر اوپر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہر بار پیر پھسل گیا اور اس

دونوں پیر حوض کے پانی میں ڈوب گئے کسی نے اوپر سے چیخ کر کہا: "دیوار سے پیر ٹکائیے، ہاتھ کمند سے اوپر آجائیے۔"

نادر نے اس ہدایت پر عمل کیا اور بدقت تمام اوپر آگیا لیکن اب اس کا برا حال تھا اور وہ چکرا رہا تھا۔ اور آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ کسی پاسبان کی آواز حالتِ خواب میں سنائی دی: "آپ اس میں کس طرح گر گئے تھے؟"

نادر کے منہ سے بس اتنا ہی نکلا کہ ہم گرے نہیں گرائے گئے تھے۔" اس کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا۔

پھر اسے کتنی دیر بعد ہوش آیا۔ نادر کو کچھ پتہ نہ تھا۔ اس وقت وہ جہاں تھا، جگہ مانوس دکھائی دیتی تھی۔ دھندلی نظروں سے فتے اور ایک سائیس کو اپنے پاس کھڑے دیکھا۔ پاس ہی مونڈھے پر ایک طبیب بیٹھا ہوا اس کی نبض دیکھ رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی آنکھیں کھولیں وہاں موجود لوگوں کے چہرے پر بشاشت دوڑ گئی۔

نادر نے کمزور آواز میں دریافت کیا: "نوازش علی کہاں ہیں؟"

فتے نے جواب دیا: "وہ لوگ چلے گئے۔"

"کہاں؟" نادر نے بے چینی سے پوچھا۔

فتے نے بے دلی سے جواب دیا: "پتہ نہیں وہ لوگ راجا مان سنگھ کے پاس جائیں گے اس کے بعد آگرے چلے جائیں گے۔"

نادر نے دانت کٹکٹائے اور غصے میں کہا۔ افسوس کہ وہ بدبخت بوڑھا چلا گیا۔ اگر وہ یہاں موجود ہوتا تو ہم اس کا گلا ضرور دبا دیتے۔ دھوکے باز، فریبی، ہم کسے دیکھ لیں گے۔"

طبیب نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور نرمی سے بولا: "آرام، آرام تمہارے پیٹ سے حوض کا زہریلا پانی خارج کرایا جا چکا ہے، اب تم بچ جاؤ گے۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اب!"

دوسرے دن جب طبیعت کچھ زیادہ بحال ہو گئی تو نادر کو طبیب نے دلیے کی اجازت دیدی فتے اس کے پاس ہی موجود تھا۔ اسے ایسا لگا جیسے نوازش علی کے چلے جانے کی خبر کوئی خواب کی بات ہو۔ اس نے فتے سے ایک بار پھر اس کی تصدیق چاہی، پوچھا: "کیا نوازش علی اپنے کنبے کے ساتھ واقعی چلے گئے؟"

فتے نے افسردگی سے کہا: "ہاں وہ سب چلے گئے!"

اس نے پوچھا: "خادم تمہیں کہاں ہے؟"

فتے نے جواب دیا: "وہ بھی ان کے ساتھ ہی چلا گیا!"

نادر نے فتے کو کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھا اور پوچھا: "اور تم نہیں گئیں ان کے ساتھ؟"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

فتے نے جواب دیا: "میں چلی تو جاتی ان کے ساتھ، لیکن مجھے آپ پر رحم آگیا۔" اس خیال سے ٹھہر گئی۔"

نادر نے انسانی پیکر کے اس ظریف ترین نسائی روپ کو ممنونیت کی نظر سے دیکھا اور اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے بدقت سلام پوچھا: "حور بانو کہاں ہے؟"

فتے نے نظریں جرائے کی کوشش کی، منہ پھیر کر بولی: "وہ بھی اپنے باپ کے ساتھ چلی گئی۔"

نادر نے اشتیاق آمیز لہجے میں پوچھا: "چلتے وقت کچھ کہا ہے؟ کوئی پیغام بھی نہیں دیا تھا؟"

ہاں۔ فتے نے دکھ سے آہ بھر کر کہا: "ایک پیغام دیا تھا لیکن وہ پیغام اُس وقت آپ کو بتاؤں گی جب آپ بالکل تندرست ہو جائیں گے۔"

نادر اٹھ کر بیٹھ گیا اور اصرار سے بولا: "میں بالکل تندرست ہوں، تم فوراً وہ جو کچھ کہنا ہے بے جھجک اسی وقت ابھی کہہ دو۔"

فتے نے تامل اختیار کیا تو نادر نے اشتعال کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ بولا: "تم ڈرتی کیوں ہو؟ بتاتی کیوں نہیں۔"

فتے نے ٹھہر ٹھہر کر کہا: "حور بانو کو یقین تھا کہ آپ مر جائیں گے لیکن پھر بھی انھوں نے چلتے چلاتے آپ کے نام یہ پیغام چھوڑا ہے کہ پہلی ملاقات پر بالی دیتے ہوئے آپ نے حور بانو کو جس طرح بے آبرو کرنے کی کوشش کی تھی، بادشاہ نے اس کا سنجیدہ نوٹس لے لیا ہے اور یہ کہ انھیں اس انتقام سے بڑی تسکین ہوئی ہے۔"

نادر کو فتے کی بات پر یقین نہ آیا۔ حور بانو اس سے بے بناہ محبت کرنے والی لڑکی، ایسی بات کیونکر کہہ سکتی ہے؟ بولا: "تم سچ کہہ رہی ہو فتے، حور بانو ایسی بات کبھی نہیں کہہ سکتی۔"

فتے اپنی بات پر قائم رہی، بولی: "میں جھوٹ کیوں بولوں، مجھ سے جو کہا گیا تھا کہہ دیا۔"

نادر کسی پاگل کی طرح اس کی صورت دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد فتے نے کہا: "یہ بنگال ہے۔ یہاں کی کسی شے کا اعتبار نہیں۔ یہاں کے لوگ بے وفا، موسم ناقابل اعتبار، حسب چھاؤں جیسے بیضی، جسے پودوں سے تو میں نے اس جگہ کی یہی خاصیت سن رکھی ہے۔ جو لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ جو لوگ یہاں رہ بس جاتے ہیں وہ بھی ان ہی خاصیتوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔ حور بانو ایک مدت سے یہاں رہ رہی تھیں اس لیے یہاں کے اثرات کا شکار ہو گئیں۔"

لیکن نادر کو فتے کی باتوں پر ذرا بھی یقین نہ آ رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر فتے کی بات درست ہے تو خود فتے پر ان خصوصیات کا کوئی اثر کیوں نہ ہوا۔ اس نے پوچھا: "اور فتے تم کہاں کی رہنے والی ہو؟"

فتے نے جواب دیا: "شمالی ہند کی بستی چنیاں کی۔"

نادر نے نفرت سے پوچھا: "بنگال کی آب و ہوا نے تم پر کوئی اثر نہیں کیا؟"

فتے شرمگی سے مسکرائی، بولی: "اثر کیا کیوں نہیں ہیں میں پچھن سے اب تک حور بانو کے گھر میں رہی ہوں لیکن آج میں نے ان سب کو چھوڑ دیا۔ پہلے وفا نہیں تو اور کیا ہے؟"

نادر نے پوچھا: "لیکن اس بے وفائی کی ضرورت ہی کیا تھی؟"

تیس سالہ فتے نے معنی خیز انداز میں نادر کو دیکھا اور جواب دیا: "صرف آپ کے لیے

میں نے محسوس کیا کہ اس وقت کسی اور سے نہ سہی، میری آپ کو ضرورت ہے۔"

نادر نے اس کا جو مطلب لیا، وہ پریشان کن اور تشویشناک تھا پھر بھی ان نازک حالات میں اسے فتے کی ضرورت ضرور تھی۔ اگر اسے واپس چنیوٹ کو حور بانو کا پتہ لگانے میں فتے بہت زیادہ سودمند ثابت ہو گی یہ سوچ کر اس نے فتے کو گوارا کر لیا۔

ویران اور اداس سا شاہجہاب بنگال کے جنت آباد (مکھنوتی) میں اس کا دل نہ لگتا تھا۔ وہ اپنے نرائن منصبی بھی اچھی طرح انجام نہ دے سکتا تھا۔ طبیعت آہستہ آہستہ ٹھیک ہو چلی تھی۔ جب وہ گھوڑے پر سوار دھان کے کھیتوں اور کاشتکاروں کی بستیوں کے بیچ سے گزرتا تو آبنوسی اعضا اور سنگ سود کے ترشے ہوئے بیضوی چہرے والی دوشیزائیں اس کے احترام میں جھک جھک جاتیں لیکن فتے یہ کہتی تھی کہ یہ بنگال ہے، یہاں کی ہر شے ناقابل اعتبار ہے۔

ایک دن جب وہ گھومتا پھرتا کسی نالے کے پاس سے گزرا تو اس وقت وہ شمال سے مشرق میں بہہ رہا تھا۔ لیکن جب شام کو پھر ادھر سے گزرا تو نالہ اپنا رخ بدل چکا تھا۔ لیکن اب وہ شمال سے جنوب میں بہنے لگا تھا۔ وہ نالے کے کنارے کھڑے ہو کر سوچنے لگا کہ آخر یہ کیا بات ہوئی؟ پاس سے گزرتے ہوئے ایک مدقوق کسان سے اس نے پوچھا: "او بوڑھے! کیا تو بتا سکتا ہے کہ اس نالے کا بہاؤ کس سمت رہتا ہے؟"

مدقوق بوڑھے نے نادر کو خوف زدہ نظروں سے دیکھا اور جواب دیا۔ کبھی اُتر سے پورب اور کبھی اُتر سے دکھن۔ اس کے بہاؤ کی کوئی ایک سمت نہیں ہے۔"

نادر متردد ہو گیا۔ اسی لمحے اس کے کانوں میں بنگال کے متعلق فتے کی آواز گونجی۔ اس وہم نے اس کا دل بنگال سے اچاٹ کر دیا۔ اُسے یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ آگرے میں ہندوستان کا بادشاہ قریب المرگ ہے اور وہاں جاں نشینی کے لیے باپ بیٹے میں رسہ کشی جاری ہے، اس نے حتمی ارادہ کر لیا کہ وہ راجا مان سنگھ سے مل کر سکندر شاہی حاصل کرے گا اور وہ فوراً ہی آگرے روانہ ہو جائے گا۔

اجازت طلب کرنے پر کچھ پس و پیش کے بعد راجا مان سنگھ نے نادر کو آگرے جانے کی اجازت دے دی لیکن دبے لفظوں میں اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کر دیا کہ اگر وہ تخت کی کش مکش میں خسرو کا ساتھ دے گا تو اس کی عنایات ہمیشہ نادر کے ساتھ رہیں گی۔

نادر فتے کو لے کر آگرے روانہ ہو گیا۔ ابھی وہ آگرے سے دور ہی تھا کہ اسے اکبر کے

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

انتقال کی خبر ملی اور یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ تھوڑی سی کش مکش کے بعد شہزادہ سلیم، نورالدین جہانگیر کے نام سے تخت نشیں ہو چکا ہے۔ اس خبر سے وہ بہت خوش ہوا اور راستے میں رُکے بغیر، دھاوے مارتا ہوا وہ آگرے میں داخل ہوگیا۔

دو دن آرام کرنے کے بعد اس نے جہانگیر سے ملنے کی راہ نکالی اور پھر قلعے کے اس دروازے سے، جس پر پتھر کے ہاتھی کھڑے تھے، نادر قلعے میں داخل ہوگیا۔

ایک جگہ سبزہ زار پر خسرو اپنے مصاحبوں میں گھرا باتوں میں مصروف تھا۔ وہ نیچے گلاب سے گُل کر لمبے لمبے گاجروں جیسے سرا کی روش میں پہنچ کر کچھ مطمئن ہوا سر کے درختوں نے خسرو اور اس کے مصاحبوں کے درمیان حائل ہو کر نادر کو چھپا لیا تھا۔ نادر نہیں چاہتا تھا اس سے نوازش علی یا شیر باز سے سامنا ہو لیکن ابھی وہ بمشکل پچاس قدم چلا ہوگا کہ ایک سرد کی نوازش علی سے ٹکرا ہوا اور تقریباً نادر کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔

نوازش علی نے اس کے سراپا کا بغور جائزہ لیا اور حیرت اور افسوس کے ملے جلے میں کہا۔ "تم زندہ ہو؟ آگرے کب آئے؟"

نادر کی آنکھوں میں خون اُتر آیا لیکن خود پر قابو کے خیال اور شاہی محل سرا کے احترام وجہ سے خاموش رہا۔ خون کے گھونٹ پی کر جواب دیا۔ "ہم زندہ ہیں، گھبراؤ نہیں، تم نے ہمیں خود میں گرا دینے کی شکل میں جو قرض دیا تھا ہم اُسے چکانے کے لئے آگرے آگئے ہیں!"

نوازش علی نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "کوئی پروا نہیں۔ جہاں پناہ کے پاس رہے ہو؟"

"ہاں!" نادر نے جواب دیا اور نوازش علی کے چہرے پر مسکراہٹ کی تازگی دیکھ مشتعل سا ہوگیا۔

نوازش علی نے گویا سرزنش کی رکھنے لگا۔ "جہاں پناہ کے روبرو طبیعت کو مکدر کرنے باتوں سے پرہیز کرنا۔"

نادر کوئی سخت جواب دینے ہی والا تھا کہ ایک شاگرد پیشہ نے خبردار ہو کر اسے ہ "اے شہزادہ خسرو طلب کر رہے ہیں۔" شہزادے کے حکم سے سرتابی ناممکن تھی۔ نوازش علی کو بھول گیا۔

جب نادر شہزادے کے روبرو پہنچا تو شیر باز نے اس کا ذرا خدہ پیشانی سے استقبال کیا۔

شہزادے نے سر اٹھایا اور نادر کو ذرا غور سے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "یہ نوازش تمہیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟"

شیر باز نے فراخ دلانہ جواب دیا۔ "ہمیں اس سے کوئی خطرہ نہیں، چچا نوازش علی البتہ کچھ خوف زدہ رہتے ہیں!"

شہزادے نے نادر کی طرف دیکھا اور نہایت دانائی سے پیش کش کی۔ "شیر باز! تم اس سے کہو کہ ہمارے دادا ہمایوں نے ذرا سے احسان کا بدلہ نظام سقے کو ڈھائی دن کی حکومت دے کر چکایا تھا۔ ابھی یہ روایات ہمارے خاندان میں زندہ ہیں، یہ چاہے تو ہمارے سپہ داروں میں شامل ہو سکتا ہے!"

جب شیر باز نے شہزادے کی پیش کش نادر کے سامنے رکھی تو اس نے نہایت عاجزی سے جواب دیا۔ "شہزادے! ہم تو آپ کے خاندان کی خدمت اور جاں نثاری کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور یہ خدمت آپ لے لیں یا جہان پناہ لے لیں!"

فوعر اور سادہ لوح خسرو نادر کے جواب سے خوش ہوگیا۔ بولا۔ "جب جہان پناہ سے مل چکو اور واپس ہونے لگو تو ہم سے ضرور مل لینا!"

نادر نے فوراً وعدہ کر لیا۔ اب نوازش علی کے چہرے پر بشاشت آچکی تھی۔

اس کے بعد نادر کو بارگاہِ جہانگیری میں جانے کی اجازت مل گئی۔ اس وقت جہانگیر مصاحبینِ خاص میں گھرا ہوا خوش فعلیوں میں مصروف تھا اس نے مسکراتے ہوئے نادر کو اپنے قریب بلایا اور اُسے شرفِ ہمکلامی بخشا۔ باتوں باتوں میں جہانگیر نے پوچھا۔ "تم بنگال سے آئے ہو، کیا یہ درست ہے کہ وہاں کے دگ اور دہان کی ہر شے ناقابلِ اعتبار ہیں؟"

نادر نے سر جھکا کے فدویانہ عرض کیا۔ "بالکل درست ہے جہاں پناہ! اس غلام نے خود اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا ہے کہ ایک نالا جو صبح شمال سے مشرق میں بہہ رہا تھا دوپہر تک نالا شام کو شمال سے جنوب میں بہنے لگا۔ جہاں کے ندی نالے تک ناقابلِ اعتبار ہوں وہاں کے انسانوں پر کس طرح اعتبار کیا جا سکتا ہے؟"

پھر نادر نے اول سے آخر تک، جو کچھ پیش آیا تھا، جہانگیر کے گوش گزار کر دیا۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر پہلے پیش آنے والی ملاقات اور گفتگو کا ذکر بھی کر دیا۔ جہانگیر آنکھیں موندے خاموشی سے سب کچھ سنتا رہا۔ آخر میں کہا۔ "بادشاہ کو پرچہ نویس تمہاری روداد سے آگاہ کر چکے ہیں۔ خسرو ابھی بچہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے کاندھوں پر اس کا اپنا سر نہیں ہے، یہ دوسروں کے سر ہیں جن سے وہ اپنے ہر معاملے میں غور و خوض اور فیصلے صادر کرتا ہے۔ پھر پوچھا۔ "ہم نے اپنے شک خواروں اور دشت پر کام آنے والوں کو ان کی توقع سے زیادہ نواز دیا ہے، تم اس وقت یہاں موجود نہ تھے، اب بولو تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

نادر نے عاجزی سے عرض کیا۔ "کوئی منصب، جس سے یہ ناچیز دشمنوں کی نظر میں معزز قرار پا جائے!"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

جہانگیر نے پلک جھپکاتے ہوئے پوچھا۔ "بے جھجک گزارش کرو۔"

نادر نے پس و پیش سے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا: "اگر جہاں پناہ میری بات چھوٹا منہ اور بڑی بات نہ تصور فرمائیں تو یہ ناچیز خواہش کرے گا کہ اسے سپہ آخور (شاہی اصطبل کا افسر اعلیٰ) بنا دیا جائے!"

جہانگیر نے کچھ تامل سے کہا: "اوں ہوں، یہ نہیں، اس کے سوا کچھ اور مانگ"

نادر نے جواب دیا: "پھر جہاں پناہ جس منصب کا اس ناچیز کو اہل سمجھیں، مرحمت فرما دیں!"

جہانگیر نے کہا: "پھر سر دست ہماری معتمدی میں رہو۔"

نادر نے سر جھکا کر اپنی غلامی اور سعادت مندی کا اظہار کیا۔

فتے نادر کی ایسا پر نوازش علی کا مکان ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ نادر کو نوازش علی اور شیر باز سے بھی تو ان سے اُن کا پتہ نہیں پوچھا جا سکتا تھا۔ ایک دن وہ صیقل گروں کے محلے سے گزر رہا تھا کہ شیر باز نے کسی طرف سے نمودار ہو کر اس کا راستہ روک لیا۔ بولا: "اس دن دربار میں تم شہزادے سے کیوں نہیں ملے تھے؟"

نادر نے جواب دیا: "ہاں ہاں تم شہزادے سے کہنا کہ ہمیں دوبارہ ملاقات نہ ہونے کا ملال ہے لیکن کوشش کریں گے کہ جلد ہی ملاقات کریں!"

شیر باز اسے ایک طرف لے جاتا ہوا بولا: "کیا یہ صحیح ہے کہ تمھیں چچا نوازش نے زہر آلود حوض میں گرا کر مار دینے کی کوشش کی تھی؟"

"ہاں صحیح ہے!" نادر نے جواب دیا۔ "لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے!"

نادر نے بھی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ اس خوش اخلاقی کے پیچھے ایک مقصد کارفرما تھا۔

نادر نے مسکراتے ہوئے کہا: "شیر باز! ہمیں تمھارا اگر نہیں معلوم تمھارا نہ ملاقات کو ضرور حاضر ہوتے۔"

شیر باز نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "ہمارے گھر آنے کی کوئی ضرورت نہیں، چچا نواز تمھیں بالکل بھلا نہیں کرتے۔ پھر آنکھ داب کر ضرارت آمیز رازداری سے پوچھا: "جہاں پناہ سے نوازش علی کی شکایت کی؟"

نادر نے جواب دیا: "چغل خوری عورتیں کرتی ہیں، مردوں کو مردوں کی طرح رہنا چاہئے۔"

شیر باز نے اسے مشورہ دیا۔ بولا: "تم خود بھی سمجھ دار ہو پھر بھی ہم تمھیں ایک راز کی بات بتائیں گے۔ گھوڑے کی پچھاڑی اور بادشاہ کی اگاڑی خطرے سے خالی نہیں ہوتی۔"

شاید نادر نے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ "وہ کچھ کر دیں گے؟" ایک خلش، کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی۔ اچانک سوال کیا "تم نے شادی کر لی؟"

شیر باز نے بے نیازی سے گردن ہلا دی، بولا: "ابھی نہیں!"

نادر نے پوچھا: "پھر کب تک کرو گے؟"

اس سوال پر شیر باز نے اسے کچھ اس طرح دیکھا کہ نادر پریشان ہو گیا۔ شیر باز نے جواب دیا: "شادی سے پہلے ایک عظیم الشان مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کا عہد۔ کوئی اعلیٰ منصب، پھر شادی!"

یہ کہتے کہتے اس کے چہرے پر اندرونی خوش آئند احساسات کی سرخوشی مسکراہٹ بن کر پھوٹ نکلی۔ ایسی مسکراہٹ، جس میں چہرے کے ساتھ جسم کا رواں رواں شریک تھا۔

جب یہ دونوں جدا ہوئے تو نادر نے نہایت ہوشیاری سے شیر باز کا پیچھا کر کے اس کا گھر دیکھ لیا۔ ایک بدخشی اسلحہ فروش کی دوکان کے پیچھے، جس کے بغل میں جانوروں کا باڑہ تھا۔

گھر پہنچنے پر نادر نے فتے کو یہ خوش خبری سنائی کہ اسے حور بانو کا گھر معلوم ہو چکا ہے لیکن فتے کو اس خبر سے خوشی نہیں ہوئی کہنے لگی: "لیکن آپ خاطر جمع رکھیں، حور بانو آپ کو نہیں مل سکتی؟"

نادر نے کہا: "فتے! ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم حور بانو سے مل کر ہمارے بارے میں ان کی آخری رائے معلوم کر لو۔"

فتے نے بے دلی سے کہا: "آپ کہتے ہیں تو میں چلی جاؤں گی، لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس کا خونی باپ مجھے قتل نہ کر دے۔"

نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ نادر نے جواب دیا۔ "یہ جتنی آباد جنگل نہیں، آگرہ ہے، آگرہ آباد یہاں وہ ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔"

نادر کئی بار بدخشی اسلحہ فروش کی دوکان میں گیا اور کافی دیر تک بیٹھ کر واپس آیا۔ پہلی دفعہ جب وہ دکان سے نکلتے ہوئے ایک دن اس کی نوازش علی سے مڈبھیڑ ہو گئی، وہ سلسلے سے آ رہا تھا اور نادر دوکان سے نکل رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور نادر نے غیر ارادی طور پر نوازش علی کو سلام کیا۔ نوازش علی نے سلام کا جواب دینے کے بجائے نادر کا راستہ روک لیا اور غرا کر کہنے لگا: "ہمارا خیال تھا کہ تم سے یہیں نجات مل چکی ہے مگر تم سخت جان اور بے شرم نکلے۔ اب پرانی باتیں بھلا دو اور ہم دونوں کی بہتری اسی میں ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے دور رہیں۔"

نادر نے بھی تیوری بدلی اور تلخ لہجے میں جواب دیا: "ہم عنقریب تمھارا قرض اُتار دیں گے۔"

نوازش علی چراغ پا ہو گیا، معلوم نہیں کیا کیا بُرا بھلا بکتا رہا۔ آخر میں صاف صاف کہہ دیا۔

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

اور دیکھتا اس فتے کو اپنے قابو میں رکھو۔ اگر اس نے دوبارہ ہمارے گھر میں قدم رکھا تو دونوں ہاتھ پیر کاٹ دیے جائیں گے سمجھ گئے؟"

جب نادر گھر پہنچا تو وہاں خوف زدہ فتے پہلے سے موجود تھی، اسے نوازش علی نے مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا تھا۔ اب پانی سر سے اونچا ہوتا جا رہا تھا اس نے طے کر لیا کہ کچھ بھی ہو۔ نوازش علی کا علاج شہنشاہ جہانگیر کو استغاثہ میں لا کر کرنا پڑے گا۔

اس نے فتے سے پوچھا: "جب تم گھر میں داخل ہوئی تھیں تو کیا حور بانو سامنے موجود تھیں؟"

"ہاں موجود تھیں!" فتے نے جواب دیا۔ "لیکن مجھے دیکھتے ہی گھبرا گئی تھیں!"

نادر نے اشتیاق سے پوچھا: "حور بانو کی صحت کیسی ہے؟"

"بہت اچھی، دونوں رخسار قندھاری انار ہیں!"

نادر نے اور پوچھا: "آنکھوں کی چمک کا کیا حال ہے؟"

فتے نے جواب دیا: "میں نے آنکھوں کی چمک پر تو غور نہیں کیا لیکن جب وہ مجھے دیکھ کر خوف زدہ انداز میں مسکرائیں تو ان کے دانت البتہ چمک رہے تھے۔"

نادر نے مزید پوچھا: "حور بانو نے ہمارا نام بھی لیا تھا بھلا؟"

نہیں۔ فتے نے جواب دیا۔ "وہ بس اتنا ہی کہہ سکی تھیں کہ ماں دیکھنا یہ فتے بدذات پھر آ گئی، اسی وقت نوازش علی آ گئے!"

"پھر کیا ہوا؟"

پھر حور بانو کا مجھ سے پردہ کرا دیا گیا اور نوازش علی نے مجھے دھکے دے کر باہر نکال دیا۔ جب میں مچلی تلملائی تو مرے کئی ہاتھ جڑ دیے۔"

نادر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حور بانو ہمیں اب بھی چاہتی ہے اسے ہمارا انتظار ہے۔" پھر فتے کو سمجھاتا ہوا بولا۔ "فتے! تمہیں خوف زدہ یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

اس کے کئی دن بعد نادر کو حور بانو کا ایک خط ملا، جسے حور بانو کے خادم فتے نے پہنچایا تھا۔ حور بانو نے لکھا تھا۔

"نادر! ہم اب بھی آپ کے منتظر ہیں۔ ہم بہت زیادہ پریشان ہیں اور سخت الجھنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ سنتے ہیں آپ کو جہاں پناہ کا قرب حاصل ہو چکا ہے۔ خدا کے لئے کچھ کیجئے۔ آخر آپ سوچ کیا رہے ہیں؟ مجھے بابا جان سے نفرت سی ہو چلی ہے!"

جواب میں نادر نے بھی دو سطریں لکھ دیں: "حور بانو آپ گھبرائیے مت، ہم یا تو آپ کو حاصل کر لیں گے ورنہ جان دے دیں گے۔ یہ ایک مرد کا عہد ہے، ایک سپاہی کا پیمان، جو

بیدار اقتدار پورا ہو کر رہے گا۔"

جشنِ نوروز منائے جانے میں ۳۵ سال ۳ دن گزر چکے تھے اس جشن میں نادر کو یک ی ذات اور پانچ صدی سوار کا منصب عطا ہوا تھا۔ جہانگیر کے شب و روز تعیش و عشرت گزر رہے تھے، نادر موقع کی تلاش میں تھا۔ وہ حور بانو کے لئے جہانگیر سے بات کرنا چاہتا تھا۔ ت کو جب طرب گاہ، جہانگیری میں محفل سے نوشی جمی اور پینے پلانے کا ہنگامہ گرم پھولوں جیسے مہکتے ہوئے صراحی بردوش فریق محفل امراء اور مقربین کے خالی جام بھرتے پھر رہے ہام سرخوشی میں بھی لوگوں کو آداب شاہی کا بڑا خیال تھا، جہانگیر سے نظریں بچا کے حسن و شباب دیوانے نوخیز اور ہوش ربا ساقنوں کے ہاتھ پر کر آغوشی میں گر لیتے اور بے اختیار دیوانہ وار بوسے برسا دیتے۔ ہاتھوں سے بہتی ہوئی شراب سے پری پیکروں کے رخسار اور ے اعضا نتھر جاتے اور وہ مچھلی کی طرح تڑپ کر ان کے قابو سے نکل کر یا تھوں سے دھار ہو جاتیں۔

ہلکے سروں میں ساز بج رہے تھے اور خوش الحان گانے والیاں لوگوں کے جذبات گ لگا رہی تھیں۔ ایرانی شعراء کی عاشقانہ اور شہوت انگیز غزلوں، شراب کی کری، جوش الحانی جادو اور سازوں کے سرور انگیز زیر و بم نے لوگوں کے دل و دماغ کو پھونک کر دیا تھا۔ حسن و جمال کے پیکر اور رعنائی و زیبائی کے سحر اور فسوں ساہی صفت چہرہ بھی از خود رفتہ ہو رہے تھے۔ نادر بھی اس سیلِ حسن و نور میں گم، حور بانو کی یاد کی جلائے موقع کی تاک میں تھا کہ مناسب موقع ملتے ہی وہ حور بانو کی بات کرے۔

جہانگیر نے محور نظروں سے اپنے امراء اور مقربین کو دیکھا اور کہا: "ہم نے شراب کو ام قرار دیا ہے لیکن آج اس جشن طرب میں یہ حلال قرار پا گئی ہے۔" یکایک اس کی نظر نادر پر جو محفل کے ہنگاموں سے کچھ الگ تھلگ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ جہانگیر نے ایک نوخیز فیہ کو بھیج کر نادر کو اس صوفی کو ہمارے حضور حاضر کرو۔"

اس مجسمہ رعنائی نے نادر کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر، ادب سے جب یہ بتایا کہ شہنشاہ یاد فرما رہے ہیں تو نادر افتاں و خیزاں، تقریباً لڑکھڑاتا ہوا جہانگیر کے قریب پہنچ گیا۔ جھک کر سجدۂ تعظیمی ادا کیا۔

جہانگیر نے مستی میں پوچھا: "ہم نے تمہیں یک ہزاری ذات اور پانچ صدی سوار کے منصب سے نوازا، تم پھر بھی اداس نظر آتے ہو۔ آخر کیوں؟"

نادر نے اشاروں میں حرفِ مدعا ادا کیا: "جہاں پناہ کی نوازشیں تو عام ہیں — پھر آپ کے اس غلام کے دل میں ایک ایسا شگاف پڑ چکا ہے جسے بہت بڑا مجمع رکھنے والے

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

شاہی مناصب اور اعزاز بھی پُر نہ کر سکیں گے!"

جہانگیر نے چونکا دینے والی بات کی۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو، ہمیں معلوم ہے شاہی دستار نویس ہمیں مطلع کر چکے ہیں کہ تم نوازش علی کی لڑکی حور بانو کے طلب گار ہو!"

نادر نے سر جھکایا اور دو ٹوک جذبات سے عرض کیا: "شہنشاہ دوش ضمیر ہیں، جو بغیر کہے ہی دلوں کے راز جان لیتے ہیں....."

جہانگیر نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا: "لیکن یہ بات معدلت جہانگیری کے خلاف ہے کہ ہم کسی امیر کی لڑکی جبراً دوسرے امیر کے حوالے کر دیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ ہم اس سلسلے میں نوازش علی پر کوئی دباؤ ڈالیں۔"

نادر کو ایسا لگا جیسے وہ کسی بہت اونچی جگہ سے گرا دیا گیا ہے۔

جہانگیر کا دریائے بخشش جوش پر آیا، اس نے مشرکِ محفل پری پیکروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "ہاں اگر ان میں سے کسی پر تمہاری نظرِ انتخاب جمے تو ہم اسے اسی وقت تمہارے حوالے کر دیں گے!"

نادر نے رخِ دلربا سی سے عرض کیا: "غلام عشق کا راہی ہے، اگر خود بانو نہیں تو پھر کوئی اور کیسے کرے گا؟"

اسی وقت ایک خادمِ خاص کسی طرف سے نمودار ہو کر تیز تیز چلتا ہوا بادشاہ کے روبرو پہنچ گیا اور ادب سے عرض کیا: "جہاں پناہ! امیر الامرا ایک سنگین اور تکلیف دہ مسئلے سے حضور کو مطلع کرنے کے لئے اسی لمحے یاد رہائی کے خواستگار ہیں!"

ایک لمحے کے لئے بروقت سلطنت پر ناگواری سے جنبش ہوئی اور حکومت کی پیشانی پر فکر کی شکنیں پڑ گئیں۔ جہانگیر اسی وقت شاہ برج میں چلا آیا اور امیر الامرا کو وہیں طلب کر لیا۔

محفلِ جشن و طرب یکلخت برخاست ہو گئی اور پھر ذرا دیر بعد ہی بادشاہ کے حکم سے یہ محفل بہ قساوت ہو گئی اور چند خاص خاص امرا شاہ برج میں داخل ہوئے جہانگیر امیر الامرا سے کہہ رہا تھا۔ لیکن خسرو عرش آشیانی و اکبر کے مزاد کی زیارت کو گیا تھا!"

امیر الامرا نے سر جھکائے ہوئے عرض کیا۔ اس غلام کو توشہ خانہ شاہی مشعلی نے تحقیق کے بعد یہ ہوش ربا اطلاع دی ہے کہ شہزادہ خسرو، شاہی اصطبل سے گھوڑے لے کر اپنے ساتھ بیس سے ساتھیوں کے ساتھ بغاوت کے ارادے سے فرار ہوئے ہیں!"

جہانگیر نے بھاری آواز میں پوچھا: "اس کے ساتھ میں جانے والوں میں امرا میں کون کون شریک ہے؟"

امیر الامرا نے فدویانہ عرض کیا: "حسین بیگ بخشی، عبدالرحیم، خود مراد ترکن کر چلے گئے

ہیں اور اس کا چچا نوازش علی:"

ساری بات نادر کی سمجھ میں آ چکی تھی، جہانگیر نے ایک اچٹتی نظر نادر پر ڈالی۔

دوسرے امرا خاموش کھڑے معاملے کی خطرناک نوعیت سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

جہانگیر نے امیر الامرا کو اس طرح دیکھا جیسے کوئی چھوٹا اپنے بزرگ کو دیکھتا ہے پھر پوچھا "اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ آپ بمشورہ عرش آشیانی (اکبر) ہیں!"

امیر الامرا نے مودبانہ عرض کیا: "اگر حضور حکم دیں تو یہ غلام اسی وقت شہزادے کے تعاقب میں روانہ ہو جاتا ہے۔ اور سادہ لوح شہزادے کو اس کے بدنہاد ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے بارگاہِ عالی میں حاضر کر دے۔"

جہانگیر نے سر کے اشارے سے منظوری کی توثیق کر دی اور دبے لہجے سے کہا: "مسئلے پر عمل کیا جائے!"

امیر الامرا نے فکرمندی سے پوچھا: "اگر اس بیچارے کی نصیحتوں کا شہزادے پر کوئی اثر نہ ہو تو؟"

جہانگیر نے سوالیہ نظروں سے امیر الامرا کو دیکھا اور پوچھا "مافی الضمیر کی وضاحت۔"

امیر الامرا نے کہا: "اگر شہزادہ واپس آنے پر آمادہ نہ ہو اور مقابلے کے لئے ہتھیار سنبھال لے تو اس صورت میں غلام کو کیا کرنا چاہیے؟"

جہانگیر نے گھمبیر آواز میں اپنا فیصلہ سنا دیا: "اگر کسی طرح راہِ راست پر نہ آئے تو پھر جو کچھ تم سے ہو سکے، اس میں کمی نہ کرنا، کیونکہ سلطنت خویشی اور فرزندی کے رعایات نہیں برداشت کر سکتی۔"

"کہ بادشاہ خویشی نہ دارد"

امیر الامرا نے جھک کر آداب بجا لاتے ہوئے ہاتھوں کو ہلا کر چند فرشی سلام کئے اور الٹے قدموں چلتے ہوئے شاہ برج سے نکل گئے۔

اس کے جاتے ہی نادر نے نہایت ادب سے عرض کیا: "اگر جہاں پناہ اجازت دیں۔ تو یہ غلام بھی کچھ کہنے کی جسارت کرے۔"

جہانگیر نے جواب دیا: "اجازت ہے!"

نادر نے کہا: "حضور کا شہزادے خسرو کے تعاقب میں امیر الامرا کو روانہ کرنا اس ناچیز کی رائے میں کچھ زیادہ مناسب نہیں ہے!"

جہانگیر نے تشویش سے پوچھا: "کیوں؟ مفہوم تفصیل سے واضح کرو!"

نادر نے جواب دیا: "امیر الامرا کی شہزادے سے پرانی رنجشیں چلی آ رہی ہیں اور

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

اس وقت جہاں پناہ نے خود ہی امیر الامراء کو شہزادے کے خلاف سختی کرنے کی اجازت دے دی ہے اور اس اجازت کے بعد کہ سلطنت خویشی اور قرزندی کی مراعات برداشت نہیں کر سکتی کچھ بعید نہیں کہ اب جہاں محض زبان سے کام نکل سکے، امیر الامراء تلوار سے کام لیں۔"

جہانگیر کو یہ مشورہ پسند آیا اور اسی وقت ایک خصوصی فرمان امیر الامراء کی واپسی کا جاری کر دیا۔

نادر کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن جہانگیر نے اس کا موقع ہی نہ دیا، بولا "تمہیں یہ تو معلوم ہی ہو چکا ہے کہ نواب علی اور حسین بھی خسرو کی حمایتوں میں شریک ہیں، اس مہم میں تمہیں بھی شریک ہونا ہے۔ اس کے بعد مہم کی کامیابی پر حامد دولت خدا داد اور باقی نوازش علی کی بھی تمہارے حوالے کر دیں گے۔"

نادر تعمیل حکم میں خم ہو گیا۔ پھر دوسرے امراء کے مشورے سے جہانگیر نے مشتبہ اور غیر وفادار افراد اور خاندانوں کی نگرانی اور قید کا فرمان صادر کر دیا۔

مہم پر روانگی سے پہلے نادر فتح کو لے کر حور بانو کے گھر پہنچ گیا۔ اب اس معتوب خاندان کی سرپرستی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ شاہی عتاب نے عزیز رشتے داروں کو اس گھر سے گریزاں کر دیا تھا۔

فتح نے بادل نخواستہ ملاقات کا اہتمام کیا، حور بانو بہت اداس تھی۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ نادر کو شہزادے خسرو اور اس کے ساتھیوں کے تعاقب اور گرفتاری پر مامور کیا گیا ہے تو اس کا دل بھر آیا۔

نادر نے سوگوار اور ملول چہرہ انگلیوں کی مدد سے اوپر اٹھایا اور کہنے لگا۔ "حور بانو! اب ہم آپ کو عنقریب حاصل کر لیں گے، جہاں پناہ نے وعدہ کر لیا ہے کہ اگر ہم اپنی مہم میں کامیاب ہو گئے تو وہ آپ کو ہمارے سپرد کر دیں گے۔"

حور بانو نے ویران اور خشک آنکھوں سے نادر کو دیکھا اور کوئی جواب نہ دیا۔ نادر نے اس کے دونوں گال تھپتھپا دیے، بولا۔ "خدا سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں اپنی مہم میں کامیابی عطا کرے اس کے بعد ہم دونوں ایک ہو جائیں گے۔"

حور بانو نے بے رنگی سے لیکن پرسوز لہجے میں جواب دیا۔ "ہم نہ تو آپ کے حق میں دعا کر سکتے ہیں نہ بابا جان اور شیر باز کے حق میں۔"

"یہ کیوں؟"

حور بانو نے جواب دیا۔ "اگر شہزادے خسرو بغاوت میں کامیاب رہے تو آپ ناکام رہیں گے اور پھر بابا جان اور شیر باز فتح مندی کی خوشی میں آپ کو کہیں کا بھی نہ رکھیں گے لیکن اگر آپ کامیاب ہو گئے تو پھر ان دونوں کی خیر نہیں۔ ہم یہ بالکل نہیں چاہتے کہ آپ لوگ آپس میں جدال و قتال کریں۔"

فتح نے درمیان میں نازل ہو کر دونوں ہی کو گھبرا دیا۔ آتے ہی کہنے لگی۔ "ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ جہاں پناہ خود بھی شہزادے کے تعاقب میں روانہ ہو رہے ہیں!"

نادر کی دل کی دل ہی میں رہ گئی، وہ چلتے چلتے کہنے لگا۔ "اچھا حور بانو! ہم چلتے ہیں تم گھبرانا مت، مصیبتوں کے دن گزر چکے ہیں!"

حور بانو نے اچانک اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک عجیب انداز دل ربائی سے کہنے لگی۔ "ہم جانتے ہیں کہ آپ کے دل میں دونوں کے خلاف کیسا انتقامی جذبہ کارفرما ہو گا پھر بھی آپ سے یہ درخواست کریں گے کہ اگر دونوں قابو میں آ جائیں تو ان کے ساتھ ذرا ہمدردانہ سلوک کیجئے گا۔"

"وعدہ!" نادر نے فراخ دلانہ جواب دیا۔ "آپ مطمئن رہیں حور بانو!"

پھر آس پاس کسی کو نہ دیکھ کر جھکے سے کہا۔ "اب ہمیں گستاخی کی اجازت دیجئے۔"

حور بانو نے شرما کر سر جھکا لیا اور دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گئی اور لجائی آواز میں بولی۔ "نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔"

نادر نے ستانے کے لئے کہا۔ "پھر آپ جائیں اور آپ کا کام، ہم کچھ نہیں جانتے حور بانو! آپ دیکھ لیجئے گا ایک ایک باغی یا غدار کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا۔"

حور بانو نے ہونٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

جب وہ حور بانو سے رخصت ہو کر باہر نکلا تو اسے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ اسے اب گھر واپس نہیں جانا ہے۔ اس نے فتح کو کچھ ضروری ہدایتیں دیں تو فتح نے آزردگی سے پوچھا۔ "حور بانو نے آپ کو کیا جواب دیا؟"

نادر نے کہا۔ "اب ہمیں اس کے جواب کی کوئی پرواہ نہیں کیوں کہ جہاں پناہ نے ہم سے وعدہ کر لیا ہے کہ ہم سے بامراد واپسی پر ہم دونوں کو دھوم دھام سے وابستہ کر دیا جائے گا، ہمیں ان سے فرار الذم کیا مل سکتا ہے؟"

فتح رو پانسی ہو گئی۔ آپ ہی آپ کہنے لگی۔ "آپ کے گھر میں ہیں بھی اسی وقت تک ہیں جب تک آپ واپس نہیں آ جاتے اس کے بعد میں بھی کہیں چلی جاؤں گی!"

نادر نے اس کی پوری بات شاید سنی بھی نہیں اور گھر سے باہر نکل کر گھوڑے پر

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

سوار ہو گیا۔

خسرو اپنے ساتھیوں کی معیت میں متھرا سے نکل کر لاہور کی طرف بڑھا۔ نادر کا لشکر تیزی سے ان کا تعاقب کر رہا تھا، جس راستے سے خسرو اور اس کی سپاہ کا گزر ہوا تھا اس کی آبادیوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا تھا۔ لاہور کے قلعے دار کو خسرو کی سرکشی اور بدسلوکی کا علم ہو چکا تھا اور وہ قلعے میں بند ہو کر بیٹھ چکا تھا۔ جب خسرو وہاں پہنچا اور قلعے کے دروازہ کو بند دیکھا تو بہت ہی جھنجلایا اور اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ کسی بھی طرح اندر داخل ہونے کی کوشش کی جائے اگر مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی تو خسرو کی طرف سے فوجیوں کو سات دن تک شہر لوٹنے کی اجازت حاصل ہو گی لیکن ابھی یہ لوگ پس و پیش ہی میں تھے کہ نادر بھی ان کے سروں پر پہنچ گیا، خسرو اور اس کے ساتھی گھبرا کر دوسری طرف فرار ہو گئے۔

خسرو بھاگ کر چناب کے کنارے پہنچ گیا، وہ شاہدرہ کے راستے سے چناب عبور کرنا چاہتا تھا لیکن خدشہ محسوس کر کے وہ سود ھرانا کی گھاٹ پر پہنچ گیا۔ جہانگیر نے جملہ گھاٹوں پر بندوبست فرمان بھیجے تھے۔ خسرو اور اس کے ساتھیوں نے سود ھرا گھاٹ پر زبردستی عبور کرنا چاہا لیکن انہی لمحوں میں نادر بھی ان کے سروں پر جا پہنچا۔ اس نے دیکھا کچھ لوگ زبردستی کشتیوں پر سوار ہو کر فرار ہو رہے ہیں، نادر اور اس کی سپاہ نے دریا کے پہاڑ پر کشتیوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔ نادر نے تیر اندازی شروع کر دی جواب میں کشتیوں میں سے بھی تیر اندازی شروع ہو گئی۔

یہ کشتیاں تیزی سے تیر چلاتی ہوئی چار کوس تک بھاگی چلی گئیں نادر اور اس کے ساتھی بھی برابر تعاقب میں لگے رہے، یہاں تک کہ خسرو کی بدقسمتی سے اس کی کشتی ریت پر چڑھ گئی نادر اور ان کے قریب پہنچا، دونوں میں سخت مقابلہ ہوا لیکن حقیقتاً خسرو کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ اس کے بیشتر ساتھی مارے جا چکے تھے اور اب ان کی ترکشیں خالی ہو چکی تھیں۔ نادر نے چیخ کر انہیں حکم دیا۔ "اپنے ہتھیار زمین پر پھینک دو تاکہ ہم تمہیں جان سے نہ ماریں!"

سہمے اور خوف زدہ لوگوں نے اپنے جملہ ہتھیار زمین پر گرا دیے۔

نادر احتیاط کے ساتھ ان کے قریب گیا لیکن ابھی وہ گفتگو کا آغاز بھی نہ کر سکا تھا کہ کسی نے اس کی پشت پر سے وار کرنا چاہا لیکن اسی لمحے کوئی سپاہی آڑے آ گیا اور خود کو زخمی کر کے نادر کو بچا لیا۔

نادر نے اس حملہ آور کو فوراً ہی پہچان لیا اور حیرت سے کہا۔ "ارے یہ آپ نوازش علی بابا!"

نوازش علی کو رسیوں سے جکڑ دیا گیا، وہ غصے سے نادر کو گھورتا رہا، کوئی جواب نہیں دیا۔

جہانگیر لاہور کے قریب پہنچ چکا تھا۔

گرفتاری کے دوسرے دن ہی امیر الامرا خسرو کی گرفتاری کے لئے نادر کے پاس پہنچ گیا۔

کھیل ختم ہو چکا تھا۔ جہانگیر کامران باغ میں خسرو اور اس کے ساتھیوں کی پیشی کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ پھر ایک ہنگامہ سا شور اٹھا کہ شہزادہ خسرو اور اس کے ساتھی پابہ زنجیر بارگاہ سلطانی میں لائے جا رہے ہیں۔ پھر جہانگیر خانی قانون اور قاعدے کے مطابق خسرو کو دست بستہ اور پابہ زنجیر بائیں طرف سے جہانگیر کے روبرو پیش کر دیا گیا، اس کے دائیں طرف حسین بیگ بدخشی اور بائیں طرف عبدالرحیم کو کھڑا کیا گیا۔ ان کے پیچھے نوازش علی اور شیر باز تھے۔ جہانگیر انہیں غصے اور جلال سے گھور رہا تھا۔ خسرو کھڑا لرز رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

نادر احساس برتری کے ماتحت آگے بڑھا اور نوازش علی اور شیر باز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک ادائے بے نیازی سے ان دونوں کی بے کسی اور بے بسی پر مسکرا رہا تھا۔ شیر باز کی گردن میں اس وقت بھی کبھی موجود تھی نادر کو دیکھتے ہی حقارت سے اس پر تھوک دیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد جہانگیر کی معدلت گستری پر بیٹے کی محبت غالب آ گئی۔ اس نے باغیوں کے خلاف فوراً ہی اپنا فیصلہ صادر فرما دیا۔ "خسرو کے سر برآوردہ ساتھیوں کو گدھے اور بیل کی کھالوں میں سی کر اور انہیں گدھوں پر الٹا بٹھا کے آبادی میں پھرایا جائے، اور بقیہ غداروں اور باغیوں کو کامران باغ اور لاہور کے دروازے کے درمیان سڑک کے آس پاس پھانسیاں گاڑ کر لٹکا دیا جائے!"

بموجب شاہی فرمان حسین بیگ اور عبدالرحیم کو جانوروں کی کھالوں میں سی کر آبادی کے بیچ میں گشت کرایا گیا۔ اور گشت ہی میں ان دونوں کی موتیں واقع ہو گئیں۔

جب نوازش علی اور شیر باز کو پھانسیوں تلے لے جایا گیا تو نادر بھی وہیں پہنچ گیا، اس وقت اس کی کچھ اور ہی کیفیت تھی۔ ایک طرف جذبۂ انتقام تھا تو اسی جذبۂ انتقام کے آس پاس شرافت، انسانیت اور خدا ترسی کے احساسات بھی موجود تھے۔

بھدی اور چیچک زدہ شکل کا سپاہی آگے بڑھا اور شیر باز کے گلے میں پھندا ڈالنے لگا اس نے شیر باز کی ترچھی گردن کو زبردستی سیدھا کرنا چاہا تو وہ چیخ پڑا۔ نادر کو گھونسا ہوا بولا۔

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

"تم شماتت اور استہزا سے کیوں دیکھتے ہو۔ یہ تو ایک جوا تھا، جوے میں ہار جیت تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ ہم ہار چکے ہیں اور جان دے کر اپنی ہار کا اعلان کر رہے ہیں لیکن لوگو! یہ کہاں کی عدالت گستری ہے کہ جہانگیر نے اس بازی کے سب سے بڑے جواری اور سرخیل اپنے بیٹے خسرو کو کوئی سزا نہیں دی۔"

شاہی کارندوں نے شیر باز کو خاموش کرنے کے لئے اس کا منہ دبا دیا۔

اس نے بے حد اداس اور غمگین نوازش علی کو دیکھا وہ نادر سے نظریں نہیں ملانا چاہتا تھا۔ نادر اس کے قریب گیا اور معلوم نہیں کیوں اس سے ایک عجیب سا سوال کر بیٹھا۔ پوچھا۔ "اس کے بعد ہم آگرے واپس چلے جائیں گے۔ حور بانو کے لئے کوئی پیغام؟"

نوازش علی نے طیش اور بے بسی کے ملے جلے انداز سے نادر کو دیکھا۔ پھر بادقار لہجے میں بولا۔ "پانچ ہے، اگر تم سے حور بانو تک پہنچا دو۔"

نادر نے شریفانہ انداز میں وعدہ کیا۔ "ہم آپ کے اس حشر سے سوگوار اور مجبور ہیں۔ آپ کا ایک ایک لفظ حور بانو تک پہنچا دیا جائے گا۔"

نوازش علی نے آنکھیں بند کر لیں اور چپکے چپکے کہنے لگا۔ "حور بانو سے کہنا۔ محبت جو کرتے ہیں لیکن جس سانپ نے تمہارے باپ کو ڈسا ہے وہ کتنا ہی حسین اور پیاری شکل و صورت کا کیوں نہ ہو، اس کا مستحق نہیں قرار پا سکتا کہ تم اسے اپنے گلے کا ہار بنا لو۔ تم اس سے کہنا، نوازش علی شریف تھا۔ باپ کی وصیت پر عمل کر کے تمہیں بھی اپنی شرافتِ نفس کا ثبوت دینا ہوگا۔!"

نادر نے نوازش علی کے پیغام کو خوب اچھی طرح حافظے میں بٹھا لیا۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا اور دل اندر سے ملامت کر رہا تھا کہ اے کاش نوازش علی سے ان لمحات میں کو ملاقات ہی نہ ہوئی ہوتی۔

یا غیوں کو سڑک کے آس پاس کھڑی ہوئی بھانسیوں میں لٹکا دیا گیا۔ سیروں سے ٹ ہوئی لاشوں کے مرانوں کے شانوں پر ایک طرف ڈھلک گئے۔ جہانگیر کے حکم سے ان لاشوں درمیان سے شہزادے خسرو کی سواری گزاری گئی۔ شہزادہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہاتھی پر سو تھا اور یہ ہاتھی مستانہ چال چلتا ہوا لاشوں کے بیچ سے گزر کر لاہور دروازے کی طرف جا تھا، ہاتھی کے آس پاس فقیروں کی فوج اس طرح چل رہی تھی جیسے شاہی سواریوں کی جلو میں کرتی ہے۔ خسرو اپنے ساتھیوں کے حشر سے خوفزدہ اور سہما ہوا رو رہا تھا اور اس کی جلو میں

والے نقیب بآواز بلند چیخ رہے تھے۔

"ہوشیار! خبردار! بادشاہ سلامت کو نذر گجرا ادا کر رہے ہیں۔!"

جہانگیر ابھی آگرے واپس نہیں جانا چاہتا تھا، نادر نے واپسی کی اجازت لی تو جہانگیر کو اپنا قول یاد آ گیا۔ اسی وقت ایک فرمان جاری کیا جس کی رو سے نوازش علی کی جائداد اور حور بانو کو اس کے حوالے کر دیا گیا تھا۔

نادر تھکا تھکا اداس اور نڈھال آگرے میں داخل ہوا۔ اس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا۔

حور بانو اسے اداس دیکھ کر اداس ہو گئی اس نے سراپا جستجو اور مجسم آرزو بن کر پوچھا۔

"یا دا جان کا کیا ہوا؟"

نادر اس کی صورت ہی دیکھتا رہ گیا۔

اس نے نادر کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے ہلا کر پوچھا۔ "شیر باز کہاں ہے۔؟"

نادر جو کہنا چاہتا تھا الفاظ اور ہمت اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

حور بانو قرائن سے معاملے کی تہ کو پہنچ گئی اور بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ حور بانو کے آنسوؤں کی جھڑی نے اس کے دل پر آرے سے چلا دیے۔ وہ بے موسم برسات کو نظریں گاڑے دیکھتا رہا پھر بدقت تمام رک رک کر کہا۔ "حور بانو جب آپ کے باپ کو پھانسی کے پھندے تلے کھڑا کیا گیا تھا تو انہوں نے ہمیں ایک پیغام دیا تھا۔!"

حور بانو نے کسی پگلی کی طرح ڈبڈبائی آنکھوں سے نادر کو دیکھا بولی۔ "آپ چپ کیوں ہیں۔ بولئے کیوں نہیں۔؟"

نادر نے حور بانو کے چہرے سے نظریں ہٹا کر دروازے کی دہلیز پر گاڑ دیں اور کہنے لگا۔ "انہوں نے کہا تھا کہ حور بانو سے کہنا، محبت جو کرتے ہیں لیکن جس سانپ نے تمہارے باپ کو ڈسا ہے وہ کتنا ہی حسین اور پیاری شکل و صورت کا کیوں نہ ہو، اس کا مستحق نہیں قرار پا سکتا کہ تم اسے اپنے گلے کا ہار بنا لو۔ تمہارے باپ نے مزید کہا تھا کہ حور بانو سے کہنا نوازش علی شریف تھا، باپ کی وصیت پر عمل کر کے تمہیں بھی اپنی شرافت نفسی کا ثبوت دینا ہوگا۔!"

وصیت اور باپ کا پیغام سن کر تھوڑی دیر تک تو حور بانو سر جھکائے چپکے

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

چپکے رو رہی تھی پھر وہ بے اختیار چیخ مار کے رو دی اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "یا
آپ کا پیغام مل گیا؟"

نادر نے ذرا دیر بعد اپنا سر اٹھایا اور بے خیالی میں سوال کیا۔ "حور بانو! اب
ہمارے لئے کوئی حکم ہے؟"

حور بانو نے سسکیاں لیتے ہوئے جواب دیا۔ "کوئی حکم نہیں!"

نادر نے حسرت سے حور بانو کو دیکھا اور پھر آخری بار وہاں کے در و دیوار دیکھ کر
باہر نکل آیا۔

اس کے پیچھے ہی فتے بھی آ گئی۔ تیز تیز قدم اٹھاتی نادر کے پاس پہنچی اور کہنے لگی
"میں نے تم دونوں کی ساری باتیں سن لی ہیں۔ اب کیا ارادے ہیں؟"

نادر نے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کی نظر سے فتے کو دیکھا اور بے خیالی میں جواب دیا
"اب کوئی ارادہ نہیں فتے۔ ہم جیت کر بھی بازی ہار چکے ہیں۔ ہارے ہوئے جواری کے پاس
دہا ہی کیا ہے جو کسی بات کا ارادہ کرے۔"

فتے نے جذباتی اور اپنائیت کے لہجے میں جواب دیا۔ "تم جہاں جاؤ گے میں تمہارا
ساتھ دوں گی۔ تم کھو گئے تھے۔ شاید میں نے تمہیں پا لیا ہے۔"

نادر نے سنکی انداز میں "ہاں آں" کہا اور پھر یہ دونوں آگرے سے کہیں
چلے گئے۔

سنا ہے حور بانو مدتوں نادر کی واپسی کا انتظار کرتی رہی، اس کا خیال تھا کہ نادر
نہ ایک دن اس کے پاس واپس ضرور آئے گا لیکن وہ پھر کبھی واپس نہ آیا۔ گم سم حور بانو کو
قسمت کے سوا کسی سے شکایت تھی نہ گلہ اور وہ انتظار ہی میں ختم ہو گئی۔

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

قراقرم کے قزاق

مشرق سے آئے ہوئے عجیب و غریب قوم کے سردار خانِ اعظم نے خوارزم شاہی تباہ و برباد کیا میں اپنے چچا رشید الدین خوارزم کے ساتھ دریائے جیحوں کے شمالی ساحل پر بخارا سے تقریباً پچھتر میل دور جیحوں ذن تھا۔ ہم نے بخارا پر سمرقند کی طرف سے اٹھنے والے دھوئیں کے فضا میں پھیلتے دیکھا اور پھر یہ دھواں اتنا زیادہ اور گہرا ہو گیا کہ اس میں سورج روپوش ہو گیا۔ یہ دھواں ہمیں بتا رہا تھا کہ سمرقند اور بخارا میں کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے۔ سمرقند اور بخارا میں بسنے والے متمدن لوگ جنہوں نے اپنی دشمن شاہ کے ذہن سے سب کچھ تباہ کر دیا وہ خوارزمیوں کا دشمن ہے اور انہیں ڈھونڈ کر ہلاک کر رہا ہے!"

تھوڑی دیر بعد ہم لوگ بھی بدحواسوں میں شامل ہو چکے تھے۔ ہم نخریا سے کنارے کنارے مشرق کا رُخ کیا اور ترمذ سے گزر کر بلخ کی طرف بڑھے۔ بلخ کا یہ سرحد پر واقع ہے، ہمیں یہی اطمینان نصیب نہ ہوا اور مرد ہوتے ہوئے ہرات پہنچ گئے اور یہاں گمنام بن کر رہنے لگے۔

میرے والد مجھ سے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے۔ چچا رشید الدین مجھے اپنے بیٹے کی طرح میری تعلیم و تربیت میں مشغول رہتے تھے۔ بخارا میں ہمارا شاندار محل تھا جس میں کچھ نہ کچھ تعمیر و مرمت ہوتی رہتی تھی۔ چچا نادر بہت ہنس مکھ اور چچا کے لڑکے داؤد سے کیا سلوک کیا میرے چچا روز جیحوں شمال کی ان تجارتی راہوں پر چلے جاتے ہیں جو چین کے تجارتی قافلے کاشغر سے گزر کر سمرقند کی بڑی شاہراہ پر چلتے ہوئے جنوب کی چھوٹی سڑکوں سے مشہد ترمذ اور بلخ سے ہو کر مرو آتے ہوئے ہرات تک پہنچتے تھے۔ چچا ان سے سمرقند اور بخارا کی تباہی کی تفصیلات معلوم کرتے رہتے تھے، ایک دن انہیں کسی کا خط ملا جس میں ہمارے دونوں بڑے شہروں کی بربادی کی روداد لکھی ہوئی تھی، خدا مجھے معاف کرے، میں نے چوری سے وہ خط حاصل کر کے پڑھ لیا۔ اس میں لکھا تھا۔

"خوارزم شاہی ختم ہو چکی ہے، میں نے ان کی نوکری کر لی ہے، یہ تمغے آپ دیکھ لیں۔ سے پہنے والے وحشی بڑے چالاک اور خونخوار ہیں ان کا خانِ اعظم بخارا کی جامع مسجد میں اپنے گھوڑے پر سوار داخل ہوا تھا۔ اس کے آدمیوں نے قرآن پاک کے صفحوں پر رکھ کر اپنے گھوڑوں کو دانہ کھلایا۔ ہمارے علما کو اپنی لہو و لعب کی محفلوں میں بلا کر ناچ گانے پر مجبور کیا۔ ہمارے سپاہیوں کو قتل، جوانوں کو غلام، لڑکوں کو ہلاک، جوان اور خوبصورت عورتوں کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ بڑے کی زندہ اور

خود بیچنے والے لوگ ہیں، ان کے خان اعظم نے بخارا کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر ہمیں خطاب کیا۔ تم یقین کرو کہ کسی ہمارے کی منقش زندہ اور خود پہنے ہوئے یہ شخص کسی اور ہی دنیا کی مخلوق معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کہا: تمہارے بادشاہ محمد خوارزم شاہ نے میرے اُن سفراء کو جو مسلمان تھے۔ اور دونوں حکمرانوں کے درمیان تجارتی معاہدوں کی غرض سے آئے تھے، قتل کرا دیا۔ میں جاودانی آسمان کا قہر ہوں، تمہارا وہ خدا جس کا تم گھر میں اس بات پر ناراض ہو گیا ہے کہ تمہارے بادشاہ نے میرے چند مسلمان ملازموں کو قتل کرا دیا ہے، میں آسمان کی ضرب ہوں اور یہاں اس لئے آیا ہوں کہ تمہارے بادشاہ کو تباہ و برباد کر دوں، اسی طرح جس طرح میں نے اور بادشاہوں کو کچلا ہے" درست یہ تھا کہ ہر طرف سے مردوں، عورتوں اور بچوں کے نالہ و بکا کی آوازیں گونج رہی تھیں، انہیں نہایت بے دردی سے ایک دوسرے سے چھڑایا جا رہا تھا۔ سپاہیوں و خدمتوں نے عورتوں کی ان کے قریبی رشتہ داروں کے سامنے آبرو ریزی کی بعض عینی مذہ مخلوں پر جھپٹ پڑے لیکن قتل کر دیئے گئے۔ یہ لوگ مساجد اور محلات میں سنجیدگی سے بیٹھ کر شراب نوشی اور عیاشی میں مشغول ہو جاتے، ساری رات چند مخلوں میں یوں گنی جا سکتی ہے تقدیر دکن تمام مرتفع کشتند و بر تمدنہ فتنند یعنی وہ آئے، تباہی مچا گئے، سارا مال لوٹا اور چلے گئے۔

انہوں نے کاریگروں اور ہنرمندوں کو پکڑ کر اپنے وطن بھیج دیا۔ مضبوط نوجوان جنہیں کوئی ہنر نہ آتا تھا اور جو چاہتے بھی نہیں تھے انہیں مشقت سے کاموں کے لئے غلام بنا لیا تھا۔ بیوی بچوں کا کچھ پتہ چلا کہ ان کا کیا حشر ہوا۔ مجھے خانِ اعظم نے نوکری دے دی ہے، میں قراقرم جا رہا ہوں، قراقرم منچوکالی ریت کی زمین ہے۔ خانِ اعظم کا خیال ہے کہ میں چونکہ لکھا پڑھا آدمی ہوں، وہ مجھ سے بہت ساری جغرافی اور دوسری معلومات حاصل کرے گا۔ میں جا رہا ہوں لیکن نہیں جانتا کہ کب تک زندہ رہوں گا۔"

خط پڑھ کر میں رو دیا۔ اُس رات مجھے نیند نہیں آئی۔ چچا جانی جا رہے تھے اور میں ہمیشہ کے لئے

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

قندیل کے سامنے بیٹھے آنسو بہاتے رہے۔ خاندان، مستقبل اور امیدوں کے خون نے انہیں
ہراساں اور خوفزدہ کر دیا کہ اس کے بعد وہ چند ہی ماہ زندہ رہے اور مجھے بے یار و مددگار
چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ حکومت سے مجھے نفرت ہو گئی جو کچھ چھوڑا تھا۔ اس کو کیا
میں لگا دیا کیونکہ میں نے خوب اچھی طرح یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اس خون آشام و درد اور خونخوار
قوم میں صناع، کاریگر ہنرمند اور تاجر اپنی زندگی کی امید کر سکتے تھے۔ حکمرانوں اور سپاہیوں
یہ بدترین دشمن تھے، میں نے اپنی کسی بات، رویے یا فعل سے یہ ثابت نہ ہونے دیا کہ میرا
خوارزم کے شاہی خاندان کا ایک فرد ہوں، میرا یہ ارادہ بھی تھا کہ میں تاجر بن کر کالی ریت کی جگہ
سرزمین قراقرم جاؤں گا اور وہاں اپنی بچی، روشنک اور داؤد کو تلاش کروں گا کیونکہ مجھے یہ
تھا کہ انہیں ہلاک نہیں کیا گیا ہو گا اور اگر وہ زندہ ہیں تو انہیں قراقرم میں ضرور ملوں گا۔ روشنک، مجھ سے بچوں سے منسوب تھی لیکن اب اس رشتے کا میں کوئی
کرلوں گا۔ روشنک، مجھ سے بچوں سے منسوب تھی لیکن اب اس رشتے کا میں کوئی
بھی نہیں کر سکتا تھا۔

بظاہر میرا کوئی مستقبل نہ تھا۔ پہلے تو میں فارس کی حدود ہی میں تجارت کرتا رہا اور
ہرات کے پھیرے، نیشاپور اور سبطام کی طرف لے جاتا اور انہیں فروخت کر کے وہاں کی بہت گرم اور خشک علاقوں کے لیے نعمت سے کم نہ تھا۔ لوگ اس کے پردوں کو کھڑکیوں اور دروازوں
ہرات میں لاکر بیچ دیتا۔ اس درمیان ہرات کے ایک بہت بڑے کاروباری، احمد سے میرے
تعلقات استوار ہو گئے۔ اس کا تجارتی مال دور دور جایا کرتا تھا۔ وہ خود ہرات ہی میں رہتا تھا
اس کے آدمی بدخشاں اور کاشغر سے گزر کر چین سے ہوتے ہوتے قراقرم تک چلے جاتے
وہاں تجارتی اشیا انتہائی گراں قیمتوں میں فروخت کر کے واپس آجاتے، قراقرم اور منگولوں کا مرکز تھا۔ احمد نے ایک خاص کپڑا بھی
لئے میرے ذہن میں جو خاکہ تھا وہ نہایت مبہم اور پریشان کن تھا۔ میں سوچتا ان دشواریوں
ڈاکوؤں سے آخر تجارت کس طرح کی جاتی ہو گی لیکن واپس آنے والے تاجر بحیثیت دیانت
غریدان کی بڑی تعریفیں کرتے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ منگول ان کے سلطان کی توقع سے کہیں

زیادہ قیمتیں ادا کرتے ہیں، قراقرم جانے کی ہلکی سی تحریک ہوئی جو رفتہ رفتہ اتنی بڑھ
میں نے اپنی اس خواہش کا احمد پر اظہار کر دیا۔ احمد کا خیال تھا کہ میرا وہاں جانا خطرے سے
نہیں کیونکہ میں خوارزم شاہی خاندان کا فرد تھا اور منگول ان کے سخت دشمن تھے ڈر تو مجھے
لگتا تھا لیکن میں یہ خطرہ بعض وجوہ سے لینے پر آمادہ تھا۔ احمد نے جب مجھے قراقرم جانے
بعد دیکھا تو مجبوراً جانے کی اجازت دے دی، لیکن اس ہدایت کے ساتھ کہ میں اپنے خاندا
راز ہرگز قیمت پر راز ہی رکھوں۔

احمد کے کاروباری حلقے میں عباس نامی اٹھائیس تیس سالہ ایک جوان کو سب
زیادہ اہمیت حاصل تھی یہ احمد کا ہونے والا داماد تھا۔ احمد کی لڑکی فرزانہ ابھی بارہ سال کی

اس کو ابھی اس کا چار پانچ سال اور انتظار کرنا تھا۔ احمد نے مجھے عباس کے حوالے کر دیا کہ
میں اس کے ساتھ قراقرم کے جادہ اور تجارتی امور میں رہنمائی کروں۔

عباس نے بظاہر تو خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے اپنے ہونے والے سسر کی
ہدایات پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ کر لیا لیکن اس کے دل میں میرے لئے جذبۂ حسد پیدا ہو گیا
تھا کہ انہیں ہلاک نہیں کیا گیا ہو گا اور اگر وہ زندہ ہیں تو انہیں قراقرم میں ضرور ملوں گا۔ روشنک، مجھ سے بچوں سے منسوب تھی لیکن اب اس رشتے کا میں کوئی
کرلوں گا۔ روشنک، مجھ سے بچوں سے منسوب تھی لیکن اب اس رشتے کا میں کوئی
بھی نہیں کر سکتا تھا۔

بظاہر میرا کوئی مستقبل نہ تھا۔ پہلے تو میں فارس کی حدود ہی میں تجارت کرتا رہا اور
ہرات کے پھیرے، نیشاپور اور سبطام کی طرف لے جاتا اور انہیں فروخت کر کے وہاں کی بہت گرم اور خشک علاقوں کے لیے نعمت سے کم نہ تھا۔ لوگ اس کے پردوں کو کھڑکیوں اور دروازوں
ہرات میں لاکر بیچ دیتا۔ اس درمیان ہرات کے ایک بہت بڑے کاروباری، احمد سے میرے
تعلقات استوار ہو گئے۔ اس کا تجارتی مال دور دور جایا کرتا تھا۔ وہ خود ہرات ہی میں رہتا تھا
اس کے آدمی بدخشاں اور کاشغر سے گزر کر چین سے ہوتے ہوتے قراقرم تک چلے جاتے
وہاں تجارتی اشیا انتہائی گراں قیمتوں میں فروخت کر کے واپس آجاتے، قراقرم اور منگولوں کا مرکز تھا۔ احمد نے ایک خاص کپڑا بھی
لئے میرے ذہن میں جو خاکہ تھا وہ نہایت مبہم اور پریشان کن تھا۔ میں سوچتا ان دشواریوں
ڈاکوؤں سے آخر تجارت کس طرح کی جاتی ہو گی لیکن واپس آنے والے تاجر بحیثیت دیانت
غریدان کی بڑی تعریفیں کرتے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ منگول ان کے سلطان کی توقع سے کہیں

زیادہ قیمتیں ادا کرتے ہیں، قراقرم جانے کی ہلکی سی تحریک ہوئی جو رفتہ رفتہ اتنی بڑھ
میں نے اپنی اس خواہش کا احمد پر اظہار کر دیا۔ احمد کا خیال تھا کہ میرا وہاں جانا خطرے سے
نہیں کیونکہ میں خوارزم شاہی خاندان کا فرد تھا اور منگول ان کے سخت دشمن تھے ڈر تو مجھے
لگتا تھا لیکن میں یہ خطرہ بعض وجوہ سے لینے پر آمادہ تھا۔ احمد نے جب مجھے قراقرم جانے
بعد دیکھا تو مجبوراً جانے کی اجازت دے دی، لیکن اس ہدایت کے ساتھ کہ میں اپنے خاندا
راز ہرگز قیمت پر راز ہی رکھوں۔

احمد کے کاروباری حلقے میں عباس نامی اٹھائیس تیس سالہ ایک جوان کو سب
زیادہ اہمیت حاصل تھی یہ احمد کا ہونے والا داماد تھا۔ احمد کی لڑکی فرزانہ ابھی بارہ سال کی

قالین، عمل، چادریں، نمدے اور خیمے کے علاوہ دمشق کے مشہور باریک پارچے
ہرات کے پھیرے، نیشاپور اور سبطام کی طرف لے جاتا اور انہیں فروخت کر کے وہاں کی بہت گرم اور خشک علاقوں کے لیے نعمت سے کم نہ تھا۔ لوگ اس کے پردوں کو کھڑکیوں اور دروازوں
ہرات میں لاکر بیچ دیتا۔ اس درمیان ہرات کے ایک بہت بڑے کاروباری، احمد سے میرے
تعلقات استوار ہو گئے۔ اس کا تجارتی مال دور دور جایا کرتا تھا۔ وہ خود ہرات ہی میں رہتا تھا
اس کے آدمی بدخشاں اور کاشغر سے گزر کر چین سے ہوتے ہوتے قراقرم تک چلے جاتے
وہاں تجارتی اشیا انتہائی گراں قیمتوں میں فروخت کر کے واپس آجاتے، قراقرم اور منگولوں کا مرکز تھا۔ احمد نے ایک خاص کپڑا بھی
لئے میرے ذہن میں جو خاکہ تھا وہ نہایت مبہم اور پریشان کن تھا۔ میں سوچتا ان دشواریوں
ڈاکوؤں سے آخر تجارت کس طرح کی جاتی ہو گی لیکن واپس آنے والے تاجر بحیثیت دیانت
غریدان کی بڑی تعریفیں کرتے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ منگول ان کے سلطان کی توقع سے کہیں

زیادہ قیمتیں ادا کرتے ہیں، قراقرم جانے کی ہلکی سی تحریک ہوئی جو رفتہ رفتہ اتنی بڑھ
میں نے اپنی اس خواہش کا احمد پر اظہار کر دیا۔ احمد کا خیال تھا کہ میرا وہاں جانا خطرے سے
نہیں کیونکہ میں خوارزم شاہی خاندان کا فرد تھا اور منگول ان کے سخت دشمن تھے ڈر تو مجھے
لگتا تھا لیکن میں یہ خطرہ بعض وجوہ سے لینے پر آمادہ تھا۔ احمد نے جب مجھے قراقرم جانے
بعد دیکھا تو مجبوراً جانے کی اجازت دے دی، لیکن اس ہدایت کے ساتھ کہ میں اپنے خاندا
راز ہرگز قیمت پر راز ہی رکھوں۔

احمد کے کاروباری حلقے میں عباس نامی اٹھائیس تیس سالہ ایک جوان کو سب
زیادہ اہمیت حاصل تھی یہ احمد کا ہونے والا داماد تھا۔ احمد کی لڑکی فرزانہ ابھی بارہ سال کی

اونٹوں اور خچروں پر سامان لاد کر کے، ایک تجارتی قافلے کے ساتھ ہم قراقرم کے
لئے روانہ ہو گئے۔

راستے بھر عباس سرد مہری سے پیش آتا رہا۔ کچھ دنوں تو میں اس کی خفگی اور کدورت
گوارا کرتا رہا لیکن ہم جیسے جیسے اپنی علاقائی حدود سے گزر کر چینی حدود میں داخل ہوتے گئے
عباس کی رنجشیں اور کدورتیں کھل کر میرے سامنے آنی گئیں، یہاں تک کہ جب ہم چغتائیوں کی
حدود مملکت میں داخل ہوئے تو عباس نے مجھ سے کھل کر کہا۔ "جناب! ایک بات بطور خاص
ذہن نشین رہے، اس کے یاد رکھنے میں دونوں ہی کا فائدہ ہے!"

میں بالکل خالی الذہن تھا۔ کسی تشویش کے بغیر دریافت کیا۔ "کون سی بات؟"

عباس کی پیشانی پر ہلکی ہلکی موہوم سی تین سلوٹیں پڑ گئیں، بولا۔ "پہلے ایک بات بتاؤ
اس کے بعد کوئی بات ہو گی۔"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

"پوچھو!"

"احمد نے تم سے کوئی وعدہ تو نہیں کیا ہے؟" اس نے احمد کا نام اس طرح لیا کہ جیسے وہ برابر کا دوست ہے۔

"نہیں، مجھ سے کوئی وعدہ نہیں کیا!" میں نے جواب دیا۔

عباس نے مزید ٹٹولا۔ "تم گھبراؤ نہیں، میں فرزانہ کی بابت کچھ جاننا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد کچھ دیر چپ رہ کر بولا۔ "وہ میرے لئے ہے، چار پانچ سال بعد وہ میری ہو جائے گی، لیکن اگر خدانخواستہ درمیان میں تم آ گئے یا لائے گئے تو اس کا نتیجہ بہت برا نکلے گا، بس اس کا خیال رکھنا۔"

میں نے بدستور لاپروائی سے جواب دیا۔ "ایسی کوئی بات نہیں، بے فکر رہو!"

عباس نے ترشی سے کہا۔ "بے فکر کس طرح رہوں، اب کہتے ہو تو بے فکر رہ لوں گا لیکن دل پر بوجھ بدستور رہے گا۔"

جب میں نے اسے سمجھایا کہ اس نے جو کچھ سوچا ہے سراسر غلط ہے، تب وہ کسی قدر ہوش و حواس میں معمول سے قریب آیا۔ پھر بھی دہکی دیتا ہوا بولا۔ "میرے خلاف جانے یا زبان کھولنے سے پہلے اپنی ماں سے دودھ اور دوستوں سے کہا سنا معاف کرا لینا۔ یہ مت بھولنا کہ تم سلطان محمد خوارزم شاہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہو، جو منگولوں کا محبوب خاندان ہے۔ اگر انہیں تمہاری بابت یہ سب کچھ معلوم ہو جائے تو تم خود ہی سوچ لو کہ تمہارا کیا حشر ہوگا۔"

عباس یہاں تک پہنچ چکا ہے مجھے معلوم نہ تھا۔ بظاہر تو میں نے اپنی زبان بند رکھی لیکن میرے اندر ہی اندر اس کے خلاف نفرت اور حقارت کا لاوا پھوٹ رہا۔ میں صرف اتنا ہی کہہ سکا۔ "میری ماں کا عرصہ ہوا انتقال ہو چکا اس لئے اس سے دودھ معاف کرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن میں موت سے بھی نہیں ڈرتا۔ میں کسی طرح تمہارے خلاف جا سکتا ہوں یا کسی معاملے میں تمہارے خلاف زبان کھول سکتا ہوں، یہ باتیں میری سمجھ سے بعید ہیں۔"

عباس مجھے ناگواری اور نفرت سے گھورتا رہا۔

میں نے سنا تھا کہ منگولوں کے دارالخلافے میں جملہ بڑے مذاہب کے لوگ آباد ہیں۔ انہیں اپنے معاملات مذہبی اور ذاتی میں، اس حد تک آزادی ضرور حاصل ہے کہ وہ یہاں کے قوانین یاسا کے پابند رہ کر آباد رہیں، یاساچے خان اعظم چنگیز خان نے منگولوں کے لئے وضع اور رائج کیا تھا۔ مجھے عباس کی باتوں سے سخت دکھ پہنچا تھا میں نے دوران سفر ہی یہ جذباتی فیصلہ کر لیا کہ قراقرم پہنچ کر اس کا ساتھ چھوڑ دوں گا اور وہیں آباد ہو جانے کی کوشش کروں۔

قراقرم تک پہنچتے پہنچتے گنجان آبادیاں پیچھے رہ گئیں اور ہم سطح میدانوں سے گزرے جہاں اونچے اونچے درختوں کا دور دور پتہ نہ تھا۔ کہیں کہیں الگ کے درخت ضرور نظر آ جاتے

ہیں کی شاخیں اتنی چھدری ہوتی ہیں کہ پتلی سے پتلی شاخ کا توڑنا تک محال ہوتا ہے، جب یہیں اپنی شاہراہ کے آس پاس میدانوں میں لگی ہوئی جھاڑیوں اور بیگستانی پودوں میں چرتے ہوئے مویشیوں کے ریوڑ نظر آنے لگے تو یقین آیا کہ قراقرم اب زیادہ دور نہیں ہے، پھر کئی دن بعد سنگلوں پورتوں (خیموں) کی سیاہ سمور دار والی چھتیں بھی نظر آنے لگیں، یہ پورت حاجز نظر تک مغرب سے مشرق میں پھیلے ہوئے تھے، حالانکہ منگول گر چاہتے تو یہاں عالیشان عمارتیں تعمیر کرا سکتے تھے کیونکہ اب انہیں دولت کی کوئی کمی نہ تھی، گو ان کے جنوب مشرق میں چین سے لے کر سمرقند و بخارا تک ان کی حکومت تھی، اور دنیا کے عظیم الشان اور گراں بار خزانے ان کے قبضے میں جا چکے تھے لیکن ان کے خان اعظم چنگیز خان نے انہیں ہدایت کی تھی کہ دنیا پر حکومت کرنے والوں کو عالیشان محلات میں نہیں رہنا چاہیئے کیونکہ پختہ چار دیواریوں میں رہنے والے آرام طلب، تن آساں، نرم دل، کاہل چور اور بزدل ہو جاتے ہیں، چنگیز کے خیال میں خانہ بدوش، خیمہ نشین اقوام ہی دنیا پر حکومت کرنے کی اہل ہوتی ہیں یورتوں کی سیاہ چھتوں پر جیسے ہی میری نظر پڑی میرا دل دھک دھک کرنے لگا کیونکہ ایشیا کی عظیم الشان سلطنتیں زیر و زبر کرنے والوں کے خان کا شہر اب کچھ زیادہ دور نہ تھا۔

یہیں ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ چنگیز خان کا انتقال ہو چکا ہے اور اس کی جگہ چنگیز کا منجھلا بیٹا اوغدائی قاآن اعظم منتخب ہو چکا ہے قاآن کے معتمد افسروں نے ہمارے قافلے کی پذیرائی کی اور اس کے آدمیوں نے اپنی نگرانی میں ہمیں سفیروں کے محلے میں پہنچا دیا۔ یہاں چند دن قیام کر کے ہمیں اشیائے تجارت کی فہرست اوغدائی کو پیش کرنی تھی، عباس کا رویہ بڑا معاندانہ تھا۔ اس نے ہر چیز اپنے اختیار میں لے لی اور اس کے سامنے میری حیثیت ایک ملازم سے زیادہ نہیں رہ گئی۔

جہاں میں ٹھیرا تھا، قریب ہی یورعوں کے پجاریوں کی بستی تھی، ایک طرف پتھروں کی بدوضع اور بے ڈھنگی مسجد بنی ہوئی تھی، اس سے ذرا آگے بدھ مت کا مندر تھا اور مندر سے کچھ دور نسطوری عیسائیوں کے چھوٹے چھوٹے گرجوں کے بنے ہوئے کئی گنبد تھے جن کے چھوٹے چھوٹے میناروں پر صلیب کی شکلیں بنی ہوئی تھیں، وہیں مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ نسطوری حضرات حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ یہ ان کی الوہیت کے تو قائل ہیں لیکن مسیح کو خدا کا بیٹا ماننے پر تیار نہیں، شاید یہ اپنے عقیدے کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ سے پہلے کچھ لوگوں نے حضرت داؤدؑ کو نوع عقیدت میں خدا کا باپ کہنا شروع کر دیا تھا، اب کہتے تھے کہ داؤدؑ خدا کے باپ تھے اور نہ مسیحؑ خدا کے بیٹے۔ نسطوریوں کا یہاں بڑا اثر تھا، اوغدائی کی بیوی اور کیرکیر بھی نسطوری عقائد رکھتی تھی۔

اس عظیم اور دہشت ناک شہر میں اپنی بھی، روشنک اور داؤد کو تلاش کرنا بہت

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

دشوار کام تھا۔ میری ہمت جواب دے گئی۔ دوسرے یہ کہ اس وقت تک بحالی کی تنہائی کو تقریباً سات آٹھ سال گزر چکے تھے اور یہ چھٹی اور روشناس تقسیم میں معلوم نہیں کس کے حصّے میں گئی ہوں۔

عباس، سامان کی فہرست تیار کرنے لگا اور مجھے حکم دیا کہ میں عضو معطل کی طرح گھر ہی میں پڑا رہوں، خاقان کے دربار میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن میں نے اس کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا اور اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ سامانِ تجارت میں میرا سرمایہ بھی لگا ہوا ہے اور میں اپنے مالکانہ حق سے کسی طرح بھی دستبردار نہ ہوں گا۔ عباس نے میری جرأت اور غیر معمولی حیرت سے مجھے دیکھا اور زیرِ لب تبسم کرتے ہوئے غیر مذبانی لہجے میں بولا۔

"تب پھر مجھے خاقانِ اعظم کے روبرو تمہارا تعارف بھی کرانا پڑے گا؟ کیوں کیا خیال ہے؟"

میں نے بے خوف و بے جھجک صاف صاف کہہ دیا۔ "شکریہ تم تعارف کرا سکتے ہو، میں دوست نہیں ڈھونڈتا لیکن یہ یاد رہے کہ تم بھی میرے چچازاد بھائی ہو، اگر میں مروں گا تو تمہیں ساتھ لے کر مروں گا۔"

عباس گھبرا گیا۔ "لیکن میں تمہارا چچازاد بھائی تو نہیں ہوں!!"

"رہو، اس سے کیا فرق پڑتا ہے!" میں نے کہا۔ "تم میری بات کی تردید میں ثبوت پیش کرتے رہنا لیکن مجھے معلوم ہے کہ یرغمالوں مشترہ معاملات میں زیادہ چھان بین کے قائل نہیں ہوتے مقدمات کے فیصلے فوراً کر دیا کرتے ہیں۔"

عباس ہمت ہار گیا۔ نرم اور خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔ "لیکن تم اوغدائی سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

اب میں نے لطف لیتے ہوئے کہا۔ "جیسا کہ تم جانتے ہو کہ میرا کوئی مستقبل نہیں، کوئی خاندان نہیں، میں تو برات ہی سے بیر طے کر کے چلا ہوں کہ مغلوں کے خاندان کو اپنا اصل حیثیت سے آگاہ کر کے درخواست کروں گا کہ وہ مجھے بھی قتل کر دیں۔"

عباس کے سارے کس بل نکل گئے۔ بالکل نرم پڑ گیا۔ بولا۔ "تو تم اپنے ساتھ خواہ مخواہ ہمیں کیوں ملوث کرو گے؟"

"اس لئے کہ تم میرے لئے کنواں کھودنے جا رہے ہو!"

عباس نے کہا۔ "لیکن میں نے جو کچھ کہا تھا کیا تم نے اس کا سنجیدگی سے قبول کیا ہے؟"

"میں مذاق کرنے کا عادی نہیں ہوں!"

عباس کا تو حال ہی بہت برا تھا۔ کہنے لگا۔ "اچھا بھائی! یہ بردیس ہے، ہم اپنے

علی سے ہزار دو میل دور پڑے ہیں، یہاں ہمیں یہ عہد کرنا چاہیئے کہ مل جل کر رہیں گے اور اپنی اپنی جانیں یہاں سے صحیح سلامت لے کر جائیں گے۔"

میں نے جواب دیا۔ "میری طبیعت میں شر بالکل نہیں ہے، اس وقت ہمیں تعاون اور ایکے کی ضرورت ہے لیکن تم لوگ کچھ اس کے برعکس منصوبے بنا چکے ہو تو اس کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔"

بالآخر ہم دونوں میں یہ طے پایا کہ دونوں ایک ساتھ اوغدائی کے یورت میں جائیں گے، دونوں ہی اپنی اپنی زبانیں بند رکھیں، اشیائے تجارت کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا جائے ایک کی فہرست عباس پیش کرے گا۔ دوسرے کی میں، یہاں ایک بار پھر عباس نے اپنی بدگمانی کا اظہار کیا کہ اسے ڈر ہے کہ اس کے ہونے والے سسر نے اس کی جگہ کہیں میرا انتخاب تو نہیں کر لیا ہے۔ میں نے اسے یقین دلاتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا کہ "میں جریص نہیں ہوں اور اب شاید یہاں سے واپس بھی نہ جاؤں!"

اس نے حیرت سے پوچھا۔ "یہاں رہ کر کیا کرو گے؟"

میں نے جواب دیا۔ "اوغدائی کی نوکری۔"

اس نے بظاہر اداس اور مایوس لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہیں ہمارے ساتھ واپس چلنا چاہیئے یہاں تمہارے لئے ہر وقت خطرہ رہے گا!" لیکن میں جانتا تھا کہ عباس دل سے یہی چاہتا ہے کہ میں فراقم ہی میں رہ جاؤں۔

ہم لوگ آگ کے الاؤ کے بیچ سے گزرتے ہوئے اوغدائی کے یورت کے قریب پہنچ گئے۔ ان وحشیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ آنے والوں پر اگر سحر کا اثر ہوگا تو آگ کے الاؤ کے بیچ سے گزرنے کے دوران وہ زائل ہو جاتے گا۔

ہمیں کچھ دیر خاقان کے استقبالیہ یورت میں رکنا پڑا۔ یہاں پھلوں شرابوں اور گھوڑی کے دودھ کا وافر ذخیرہ مہیا تھا اور آنے والوں کو اس کی اجازت تھی کہ جو چاہیں کھا پئیں پئیں۔ لیکن کسی نے بھی کھایا پیا کچھ بھی نہیں۔

خاقانِ اعظم کا یورت لکڑی کے ڈھانچے پر سو دروں کو منڈھ کر تیار کیا گیا تھا۔ اس کا دروازہ جنوب کی سمت تھا۔ ہم اس سے اندر داخل ہوئے، وہاں ہمارے آس پاس لکڑی کی پڑچکیوں پر تُرخان، تومان باشی، وسنوں کے سردار اور سلطان (طبیب، جادوگر اور پجاری) بڑے بڑے بالوں کی دو دو چوٹیاں گوندھے سروں پر تُرپ اوڑھے اور چمڑے کا چلمچہ پہنے ہوئے تھے، ہمارے داخل ہوتے ہی ان کی حریص نظریں ہماری طرف اٹھنے لگیں، ہم لوگ اوغدائی کے قریب پہنچ کر دو زانو ہو گئے۔ وہ ایک اونچی چوکی پر قیمتی تکیہ سے لگائے، اس پر براجمان تھا۔

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

ہم نے اپنی فہرست یہ کہہ کر خاقان کے روبرو رکھ دی کہ یہ سارا سامان اس کی خدمت میں بطور تحفہ پیش ہے۔ اوغدائی نے فہرست ہمارے سامنے رکھ دی اور اس میں سے کچھ چیزوں کے لئے یہ حکم دیا کہ انہیں اس کی خدمت میں پہنچا دیا جائے، وہ ان کی قیمتیں ادا کرے گا۔ میں نے اس موقع پر خاقان کو ایک ایسا پردہ تحفے میں پیش کیا جس پر تباہی میں ہی شکار کا منظر پیش کیا تھا۔ ارغوانی زمین میں، نیلے رنگ کے شیر کو، ہرے سبزہ زار پر شیائے زرد کی مائل اونٹ پر حملہ آور دکھایا گیا تھا۔ اوغدائی بہت خوش ہوا اور اس کے بائیں طرف بیٹھی ہوئی تورا کینہ تو بہت زیادہ محظوظ ہوئی۔ اس نے اس پردے کے صلے میں بہت سارا سونا عطا کیا۔

ہم نے خاقان کو اس کا مطلوبہ سامان پہنچا کر بڑی دولت کمائی۔ اب جو سامان بچ رہا تھا اسے منگول آبادی میں فروخت کرنا تھا۔

میں فجر کی نماز پڑھنے کے بعد لیٹ گیا اور میری آنکھ لگ گئی لیکن کسی کے زور زور سے پاؤں کرنے سے میری آنکھ کھل گئی، نیم خوابیدگی میں جو کچھ دیکھا۔ دھندلا دھندلا خواب کی طرح نظر آیا۔ ایک پینتیس چھتیس سالہ دبلا پتلا آدمی، سترہ اٹھارہ سالہ حسین ترین لڑکی کے ساتھ بھی وہیں موجود تھا۔ میرے شکار گاہ والے تحفے سے بہت متاثر ہوا تھا اور اب اپنی امراری کھڑا عباس سے الجھا ہوا تھا۔ نیند کا نشہ جلد ہی ہرن ہو گیا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ آدمی کی نظریں مجھ پر پڑیں تو وہ میرے پاس آ گیا۔ میں نے پہلی ہی نظر میں دونوں کے بارے میں یہ سمجھ لیا کہ لڑکی تو اپنی مرضی سے ہی ہے طرف کی ہے اور مرد منگول، جو غالباً کثرت شراب نوشی اور عیاشی کی وجہ سے بڈھا ہو گیا تھا، اس کی دولت کا ڈھانچہ رہ گیا ہے۔

میں نے لڑکی کو جو غور سے دیکھا تو دنگ رہ گیا اس کے اعضا میں غضب کا تناسب تھا۔ بیضوی چہرے پر سرخ و سفید رخسار، ناک اور ہونٹ کے بالائی جانب ترچھے سانولے ڈھور کر دیئے۔ لڑکی نے کئی تھان لے لئے اور منگول نے خیمے کو بہت پسند کیا۔ لیکر سیاہ تل، ٹھوڑی میں چاہ زنخداں، چہرے پر لطافت اور صباحت ایسی، جیسے سرخ سنبل کے اوپر میسے کی شفاف باریک تہہ چڑھا دی گئی ہو۔ ان دونوں کے ساتھ ہی عباس بھی گیا۔ منگول کو یہ بات بہت بری لگی اس نے اپنی زبان میں معلوم نہیں کیا کہا لیکن چہرے کا تاثر چڑھا۔ اس کی خفگی کا پتہ دیتا تھا۔

اچانک لڑکی بول اٹھی، اس نے عباس سے لڑکی آمیز فارسی میں کہا۔ "تم یہاں مت آیا کرو۔ میرے ساتھی منگول کو تم سے نفرت ہو گئی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اگر تم تاجر نہ ہوتے اور خاقان نے تمہیں امان نہ دی ہوتی تو یہ تمہیں قتل کر دیتا۔"

عباس بھی ایک ڈھیٹ تھا۔ نہایت متانت سے دریافت کیا۔ "لیکن میرا قصور؟"

لڑکی نے جواب دیا۔ "یہ تم سے (میری طرف اشارہ کر کے) اس کا پتہ پوچھ رہا تھا۔"

نے پتہ بتانے کے بجائے، میں اپنی باتوں میں الجھائے رکھنے کی کوشش کی۔"

مجھے لڑکی کی زبان سے یہ تو معلوم ہی ہو گیا کہ وہ واقعی ہماری ہی طرف سے تعلق رکھتی ہے۔

میں نے ڈرتے ڈرتے لڑکی سے دریافت کیا۔ "کیا تمہارا ساتھی بھی تمہاری یہ زبان جانتا ہے؟"

"نہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "اگر جانتا ہوتا تو میرے بچانے تم سے یہ خود بات کر رہا ہوتا۔"

منگول نے لڑکی سے کچھ کہا اور لڑکی نے اسی کی زبان میں کوئی جواب دیا۔ اس کے بعد عباس سے بولی۔ "تم یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ بڑے ضدی اور سرکش لوگ ہیں، تمہیں کوئی بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

عباس خونخوردہ ہو کر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی منگول خوش ہو گیا۔

بعد میں پتہ چلا کہ یہ منگول ہمارا خریدار تھا اور جب ہم خاقان کے یورت میں گئے تھے

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

میں نے اس کے مطلوبہ سامان کی جو قیمت بتائی، لڑکی نے اسے چار سے ضرب دے دیا۔ جب وہ سامان لے کر واپس جانے لگی تو میں نے اس کا نام دریافت کیا۔ وہ جواب ٹال گئی۔ کہنے لگی۔ "نام مت پوچھو کیونکہ جیسے ہی میں اپنا نام لوں گی یہ وحشی فوراً سمجھ جائے گا کہ میں تم سے ذاتی نوعیت کی باتیں کر رہی ہوں۔"

میں چپ ہو رہا۔ وہ سامان لے کر چلی گئی اور میں دل میں یہ سوچتا رہ گیا کہ دیکھو پھر کبھی ملاقات ہوتی ہے یا نہیں۔

ان کے جاتے ہی عباس آیا اور مجھ پر گرم ہونے لگا کہ۔ جب اس کی تذلیل ہو رہی تھی تو میں نے ان دونوں سے یہ کیوں نہ کہہ دیا تھا کہ جملہ سامان تجارت کا اصلی مالک عباس ہے اور اسی سے انہیں بات کرنی چاہیئے۔

میں نے جواب دیا کہ "اصل مقصد تو مال بیچنا ہے، تم بیچو یا میں بیچوں!"

عباس نے کہا۔ "میں ان سے اس قیمت سے کہیں زیادہ وصول کرتا۔ ہم ہزاروں میل کا سفر سیر و تفریح کے لئے نہیں کیا۔ ہم کمانے آئے ہیں اور مجھے افسوس ہے تم اچھے تاجر نہیں ہو!"

میں اس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا، خاموش ہو رہا لیکن اس کی پیشانی پر بھی تیوریوں اور سکوڑے ہوتے ہوئوں سے یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ وہ آج کے ناخوشگوار واقعے سے بہت دل برداشتہ ہے۔

مجھے عباس پر ذرا بھی اعتبار نہ تھا۔ اس کے پاس منگول خریداروں کا تانتا لگا رہتا انہیں خوب لوٹ رہا تھا اور مادر الٰہر اور خوارزم کے مترجمین کی مدد سے منگولوں سے خوب ہنس کر باتیں کرتا رہتا۔ اس نے مجھے بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ میں نے چند مقامی مسلمانوں سے تعلقات بڑھانے اور ان سے خواہش کی کہ میں قراقرم کی پوری آبادی میں گھوم پھر کر دیکھنا چاہتا ہوں لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے مجھے روکا کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ میرے گھومنے پھرنے کا منگول یہ مطلب لیں گے کہ میں تاجر کے روپ میں کسی مسلم ملک کا جاسوس ہوں جو قراقرم کی جاسوسی کرنے آیا ہے اور منگولوں کے پاس، جاسوسی کی سزا قتل ہے، یہاں مجھ سے ایک ایسی سرزد ہو گئی کہ اگر وہ زیادہ پھیل جاتی، تو میں خود اپنی ہی غلطی کا شکار ہو کر قتل ہو جاتا۔ جب مجھے قراقرم میں یلا دو گھومنے پھرنے سے روکا گیا، تو میں نے غلطی سے یہ پوچھ لیا کہ یہاں سمرقند اور بخارا کے مفتوح کہاں کہاں رہتے ہیں، اور اس سے بھی زیادہ منگنیں میرا یہ کہنا کہ سمرقند اور بخارا کے امراء اور حکمرانوں کی خواتین تقسیم ہو کر کس کے حصے میں آئی ہیں؟

میں نے جس مسلمان سے یہ سوال کیا تھا، وہ جواب دینے کے بجائے تشویش سے میری صورت دیکھنے لگا۔ اس نے کچھ تامل کے بعد پوچھا۔ "تم کہاں سے آئے ہو؟"

میں نے جواب دیا۔ "ہرات سے!"

اس نے پوچھا۔ "پھر تمہیں سمرقند اور بخارا کے امرا اور حکمرانوں کی خواتین کی تفصیلات کیوں مطلوب ہیں؟" پھر بنا سوال کیا۔ "کیا تم جاسوس تاجر ہو؟"

میں نے جھوٹ بول دیا۔ "ہاں! میں جاسوس تاجر ہوں اور اگر یقین نہ ہو تو میرے چچا زاد بھائی عباس سے پوچھ لو۔"

اس شخص نے اور زیادہ حیرت کا اظہار کیا۔ "چچا زاد بھائی؟ لیکن وہ تو تمہیں اپنا نوکر بتاتا ہے!"

مجھے اندازہ ہو گیا کہ عباس میری لاعلمی اور غیاب میں میری کاٹ کر رہا ہے، میں نے لاپروائی سے کہا۔ "عباس میرے چچا کا لڑکا ہے وہ مجھ سے بڑا ہے، اور چھوٹے بھائی اپنے بڑے بھائی کا بھائی کے علاوہ نوکر بھی تو ہوتا ہے!"

وہ شخص چلا گیا لیکن اس کے جانے کا انداز بتاتا تھا کہ وہ میرے جواب سے مطمئن نہیں ہوا ہے۔

دوسرے دن تک میری مشتبہ ذات خاصی شہرت پا چکی تھی، مجھ سے قراقرم کے کئی مقامی مسلمانوں نے کرید کرید کر یہ جاننا چاہا کہ میں تاجر کے علاوہ حقیقت میں کیا ہوں، میں انہیں یہی جواب دیتا رہا کہ میں صرف تاجر ہوں، اس کے سوا کچھ بھی نہیں، لیکن مجھے رہ رہ کر عباس پر بڑا غصہ آ رہا تھا، یہ کمبخت یوں چپ سادھے ہوئے تھا گویا کچھ ہوا ہی نہ ہو، میں یہاں تک مشتبہ اور اچھوت قرار پایا کہ لوگ مجھ سے کترانے لگے، یہاں تک کہ جب میں مسجد میں نماز پڑھنے جاتا تو لوگ مجھ سے دور دور رہتے اور مجھے دیکھ دیکھ کر آپس میں اشارے بازیاں کرتے رہتے، یہ سب میرے لئے سخت ناقابل برداشت تھا۔ میں دو پہر کے کھانے کے بعد عباس سے الجھ گیا اور اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اندر اندر میرے خلاف جو سازش کر رہا ہے، میں اس سے لاعلم نہیں ہوں اگر میں کسی مصیبت میں مبتلا ہوا تو اپنے ساتھ اسے بھی پھنسا دوں گا کیونکہ وہ میرا چچا زاد بھائی ہے۔

عباس ہنس پڑا۔ وہ میری دھمکی سے ذرا بھی مرعوب نہ ہوا۔ نہایت اطمینان سے بولا۔ "تمہیں اختیار ہے جو چاہو کہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ تم خوارزم شاہی خاندان کے ایک فرد ہو اور میں تمہارا کوئی بھی نہیں، محض ایک تاجر ہوں اور میری اس بات کے وہ سینکڑوں تاجر گواہ ہیں جو میرے ساتھ آئے ہیں یا آتے رہے ہیں، اور ان میں سے ایک بھی نہیں ایک جذبی تاجر کی

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

حیثیت سے نہیں جانتا۔"

میں اس کے اطمینان سے کبھی یہ بات نہ سمجھ سکا کہ وہ اپنا کام ختم کر چکا ہے
میں کسی طرح بھی اپنے اس جھوٹ کو سچ نہ ثابت کر سکوں گا کہ عباس میرے چچیر
کا لڑکا ہے۔

عباس نے کہا۔ "یہاں کے سبھی لوگ جانتے ہیں کہ سمرقند اور بخارا کے منتو
امرا اور شاہی خاندانوں کی خواتین کے لئے میرے دل میں ذرا بھی جائز تجسس نہیں ہے
تم ان کی جستجو اور تلاش میں ہر وقت بہت پریشان اور کھوئے کھوئے رہتے ہو۔"

بظاہر میں مات کھا چکا تھا۔ عباس نے یہ کہہ کر مجھے اور زیادہ خوفزدہ کر
"خاقان کی طرف سے عنقریب بلاوا آنے والا ہے، اور وہ میرے صلیے میں بہت حکمت
پرس کرنے والا ہے۔"

مجھے یقین ہو گیا کہ اب میرا جھوٹ، میرا ساتھ نہ دے سکے گا۔ اور میں شاید اب منگولو
ہاتھوں قتل کیا جانے والا ہوں!

ایک زرکار چھکڑا میرے دروازے پر آ کر رکا۔ اس کے قمقمیں، نیلے سائبان کے کنا
مختلف رنگوں کی جھالریں لٹک رہی تھیں اور اس کے آگے دو گھوڑے جتے ہوئے تھے، اس
آواز سن کر ہم دونوں ہی دروازے سے باہر آ گئے۔ عباس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی
اس میں سے دو منگول کود کے اور خیمہ نما تلواریں کمر سے لٹکاتے ہماری طرف بڑھے تو مجھے
ہو گیا کہ خاقان کے دربار میں میری طلبی ہو گئی ہے، ان دونوں نے میرا نام لیا اور اپنی زبان
کہا، وہ غالباً یہ پوچھ رہے تھے کہ "دونوں میں سے جنید کس کا نام ہے؟" عباس نے میری
اشارہ کر دیا۔ ان میں سے ایک نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کھینچ کر چھکڑے کی طرف لے جانے
میں کوئی مزاحمت نہ کر سکا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ منگولوں کے نزدیک میری مزاحمت کا مط
بغاوت لیا جائے گا اور یہ میرا بدترین سنگین جرم قرار دیا جائے گا۔

جب میں سہما ہوا چھکڑے پر بیٹھ رہا تھا تو میں نے گویا آخری بار عباس کی طر
دیکھا اس نے مسکراتے ہوئے اس طرح ہاتھ ہلایا گویا وہ مجھے ہمیشہ کے لئے جدا کر رہ
ہمارے بیٹھتے ہی چھکڑے بان نے گھوڑوں کی لگامیں ڈھیلی چھوڑ دیں اور چھکڑ
کھاتا ہوا ایک طرف روانہ ہو گیا۔ ہم معمولی بیوقوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے شاندار یورتو
میں داخل ہو گئے اور مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ میں اسی راستے سے خاقان اوغدائی کے
تک پہنچا تھا۔ کچھ دیر بعد مجھے خاقان اعظم کا عظیم الشان یورت نظر آنے لگا۔ میرا
لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری موت کا فرشتہ چھکڑے پر میرے ساتھ ہی سفر کر رہا ہے۔

چھکڑا خاقان کے سنہرے یورت سے ذرا آگے جا کر ایک دو منزلہ شاندار یورت کے سامنے پہنچ
کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں منگول نیچے کود گئے اور ہاتھ پکڑ کر مجھے اتارا۔ وہ مجھے ساتھ لئے ہوئے خیمے
میں داخل ہوئے، یہ اندر سے بہت ہی شاندار تھا۔ مجھے ایک چھوٹی سی چوکی پر بٹھا دیا گیا، جس پر
قیمتی نمدا بچھا ہوا تھا۔ مجھے شبہ گزرا کہ یہ یورت خاقان کی حوالات ہو گا۔ جس میں مجرموں کو لا کر قید
کیا جاتا ہو گا۔ تھوڑی دیر بعد یورت کے اندرونی در کا پردہ ہلا اور اس میں سے دو بڑی حسین چینی
سالہ دبلا پتلا منگول نمودار ہوا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں کھڑا ہو گیا۔ اس
کے پیچھے ہی اترادی حسین لڑکی آ گئی منگول نے دونوں منگولوں کو چلے جانے کا اشارہ کیا، وہ باہر
چلے گئے۔ منگول نے مجھے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور خود بھی اپنی حسین محبوبہ کے ساتھ دوسری
چوکی پر میرے سامنے بیٹھ گیا۔

اب میری جان میں جان آئی۔ منگول نے لڑکی سے کچھ کہا۔ لڑکی مجھ سے مخاطب ہوئی۔
"غالباً تمہارا نام جنید ہے اور میرا جہری شوہر لوتے خان، خاقان اوغدائی خان کا بھتیجا بھی ہے
اور تومان باشی (فوجی دستے کا سردار) بھی۔ مجھے بہت چاہتا ہے۔"

میں نے کچھ بھی نہ کہا۔ "میں چاہتا تھا کہ پہلے میں اپنے بلائے جانے کی تقریب سے آگاہ
ہو جاؤں، اس کے بعد کچھ کہوں۔

لڑکی نے مزید کہا۔ "میرے منگول شوہر نے تمہیں بہت پسند کیا ہے، یہ کہتا ہے کہ تم
اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو لیکن دوسرے متمدن شہریوں کی طرح ذرا جھوٹے آدمی ہو۔"

میں نے گھبرا کر پوچھا۔ "میں جھوٹا آدمی نہیں ہوں، منگول سردار کو میرے جھوٹے ہونے
کا علم کس طرح ہوا؟"

لڑکی نے منگول کو ایک نظر دیکھا، پھر مجھ سے دریافت کیا۔ "کیا تم خوارزم شاہی خاندان
سے تعلق رکھتے ہو؟"

میرے پیر دلدل سے زمین نکل گئی۔ میں نے گھبراہٹ میں اس کی تردید کر دی۔ "یہ سراسر
غلط ہے، میرے خلاف سوچی سمجھی الزامی ہوئی افواہ ہے۔"

منگول نے مجھ سے کوئی سوال کیا۔ جس کی ترجمانی لڑکی نے کی۔ "میرا شوہر منگول یہ پوچھتا
ہے کہ تم یہاں کس لئے آئے ہو؟"

میں نے جواب دیا۔ "میں جو کچھ ہوں سب جانتے ہیں!"

لڑکی نے کہا۔ "میں تمہیں یہ مشورہ دوں گی کہ جو حقیقت ہے اسے صاف صاف
بتا دو کیونکہ سچ بول کر قتل ہو جانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ آدمی جھوٹ بول کر قتل ہو جائے
تم بھی ان منگولوں کی فطرت سے واقف نہیں ہو، یہ اذیتیں پہنچا کر تم سے سچ بلوا لیں گے!"

اس وقت میں عجیب مشکل میں تھا۔ اگر سچ بولتا تو میرا قتل کر دیا جانا یقینی تھا اور

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

اگر جھوٹ کا سہارا لیتا تھا تو تکلیف دہ اور اذیت ناک عمل تفتیش کا بھگتنا بھی شاید لازمی تھا۔ لڑکی نے میری مشکل آسان کر دی۔ "ہاں ہاں ڈرو مت، ہمت سے کام لو، جو کچھ حقیقت ہے سچ سچ بتا دو۔"

میں نے چاروں طرف سے محصور ہو جانے والے سپاہی کی طرح ہتھیار ڈال دیئے اور دروغ آمیز سچ بول دیا۔ "میرا خاوند شاہی خاندان سے بہت دور کا تعلق ہے لیکن میرے تجارتی ساتھی عباس کی بدقسمتی نے اسے میرے خلاف زہر اگلنے پر مجبور کر دیا اور یہاں میرے جو بھی الزامات ہیں ان کا منبع یہی عباس ہے۔"

لڑکی اپنے شوہر منگول کو کچھ سمجھاتی رہی اور پھر دونوں آپس میں بحث مباحثے الجھ گئے۔ میں بس اتنا ہی اندازہ کر سکا کہ منگول میرے خلاف تھا اور لڑکی میرا دفاع کر رہی تھی۔

یکایک لڑکی مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "تم بخارا اور سمرقند کے امرا اور شاہی خاندان کی خواتین کی بابت کچھ جاننا چاہتے تھے؟"

میں نے عاجز آ کر سوال کیا۔ "میں تمہارے ہر سوال کا صحیح صحیح جواب دوں گا لیکن پہلے مجھے یہ بتا دو کہ مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے۔"

لڑکی نے جواب دیا۔ "میرا شوہر تومان باشی ہے اور خاقان نے تمہارا معاملہ میرے سپرد کیا ہے۔ یہ اپنا تحقیقاتی جائزہ خاقان کی خدمت میں پیش کر دے گا اور خاقان تمہارے بارے میں فوراً ہی اپنا فیصلہ صادر کر دے گا۔"

منگول نے کچھ کہا اور یورت کے اندرونی حصے میں چلا گیا۔

لڑکی نے کہا۔ "افسوس کہ اب تم اس وقت تک میرے شوہر کی قید میں ہو جب تک تمہارے مقدمے کا فیصلہ نہ کر دے۔"

تھوڑی دیر بعد ان دونوں نے پھلوں اور شراب سے میری ضیافت کرنی چاہی لیکن میں نے انکار کر دیا۔ اس وقت مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ لڑکی نے کہا۔ "کھانے سے انکار نہ کرو اور نہ یہ منگول ناراض ہو جائے گا کیونکہ اسے یہ لوگ اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔"

میں نے کچھ پھل کھا لیے لیکن شراب نہیں پی۔

مجھے ملول دیکھ کر منگول نے لڑکی کے ذریعے تسلی دی کہ مجھے گھبرانا نہیں چاہیے۔ یہاں نپٹلے جا دو انی آسان کا انصاف قائم ہے کسی زیادتی کا امکان نہیں ہے اگر میں مجرم ثابت ہوا تو معاف نہ کیا جاؤں گا اور اگر بے گناہ نکلا تو سزا سے محفوظ رہوں گا۔ یہاں کسی کی سفارش نہیں نہ رشوت۔

مجھے اپنی قیام گاہ پر نہیں جانے دیا گیا۔ اسے خان تومان باشی کے خیمے میں زیر حراست رہنا۔ لڑکی کبھی کبھار آتی اور تسلی دلاسے دے کر چلی جاتی۔ اسی دوران مجھے لڑکی کا نام بھی معلوم ہوا۔ اس کا نام خرمائی تھا جو شاید شادمانی کا ہم معنی تھا۔ میں نے اپنے دکھوں کو بھول کر اس سے پوچھا۔ "خرمائی! کیا تم یہاں خوش ہو؟"

اس نے جواب دیا ــــــ "خوشی اور ناخوشی، اضافی اور عارضی چیزیں ہیں، ہمیں خود کو حالات اور مشکلات کے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے۔" پھر مجھ سے سوال کیا۔ "کیا تم اس تیر سے راست زندگی سے مطمئن ہو؟"

میں نے جواب دیا۔ "بالکل نہیں۔"

لڑکی نے کہا۔ "پھر اس زندگی کے خلاف کچھ کرو۔"

میں نے بے بسی سے جواب دیا۔ "میں مجبور ہوں، اپنے دفاع میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

"یہی حال ہم سب کا ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "ان حالات میں بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی خود کو حالات کے سانچے میں ڈھال لے۔"

مجھے خرمائی کی شکل کی طرح باتیں بھی بڑی پیاری لگ رہی تھیں، میں نے اس سے پوچھا۔ "خرمائی! اگر خاقان نے مجھے معاف کر دیا تو مستقبل کے لئے مجھے کیا فیصلہ کرنا چاہیے؟"

وہ میرا مطلب نہیں سمجھ سکی۔ پوچھا۔ "تم کیا پوچھنا چاہتے ہو، ذرا صاف بات کرو۔"

میں نے جواب دیا۔ "اس دنیا میں، میں بالکل تنہا ہوں، میں یہاں قراقرم میں رہوں یا بخارا میں میرے لئے دونوں ہی صورتیں یکساں ہیں، اگر میں یہیں رک جاؤں تو کیسا رہے گا؟"

لڑکی نے جواب دیا۔ "تم تاجر ہو، تمہیں تاجر ہی رہنا چاہیے، کسی ایک جگہ پتھر کی طرح پڑے رہنا کوئی اچھی بات تو نہیں۔"

میں نے ہمت سے وہ بات کہہ دی جس کا ابھی شاید وقت نہ تھا۔ "خرمائی! میں تمہارے لئے آ گیا ہوں، مجھے ایک رفیق کی ضرورت ہے، ایک خوبصورت اور عقلمند رفیق کی، جو بالکل تمہارے جیسا ہو، بالکل تمہاری طرح۔"

وہ ایک دم ناراض ہو گئی۔ "میں تو تمہیں عقلمند سمجھتی تھی لیکن تم احمق نکلے۔ میں تمہاری بات کا مطلب خوب سمجھتی ہوں۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ نکل چلوں گی؟ وہ بھی ایک ہی راہ، اگر تم مجھے دنیا کے آخری کنارے تک لے کر چلے جاؤ گے تو وہاں

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

بھی یہ منگول پہنچ جائیں گے ان سے جیتے جی مفر نہیں ہے، اور پھر یہ کہ میں یہاں خوش حال زندگی گزار رہی ہوں!"

میں نے بات بنائی۔ "میرا وہ مقصد ہرگز نہیں، جو غلطی سے تم سمجھ بیٹھی ہو، میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے تمہاری جیسی شکل وصورت اور عقل کا ساتھی درکار ہے!"

"باتیں مت بناؤ!" اس نے ترشی سے کہا۔ "تمہاری باتوں کا ایک ہی مطلب ہے، اور وہ مطلب وہی ہے، جو میں نے سمجھا ہے۔" پھر افسوس سے بولی۔ "افسوس تو یہی ہے تم یہ باتیں اس حالت میں کر رہے ہو کہ کچھ پتہ نہیں کل کی شام تمہیں دیکھنا نصیب بھی ہوگی یا نہیں، یہ لوگ رحم کرنا نہیں جانتے۔"

سنگول آیا اور ہم دونوں کی باتیں سن کر واپس چلا جاتا۔ اس غریب کو خرمانی نے یہ سمجھا دیا تھا کہ وہ مجھ سے وطن کی باتیں کر رہی ہے، اور تے خان کو قسرا قرم سے بڑی محبت تھی اور اس کے نزدیک یہ بات اس منصفانہ تھی کہ اس کی بیوی خرمانی بھی اپنے وطن سے محبت کرتی ہے۔

میں رات بھر نہیں سو سکا۔ میرا خیال تھا کہ منگولوں نے رات بھر میرے یورت کے پاس پہرا دیا ہوگا لیکن یہ محض میرا شبہ تھا کیونکہ صبح تک میں نے کئی بار باہر نکل کر دیکھا، وہاں کوئی بھی نہ تھا، جب اس سلسلے میں میں نے خرمانی سے پوچھا کہ "میں کیسا قیدی ہوں، جس کی پہرے داری تک نہیں کی گئی، میں چاہتا تو کسی وقت بھی فرار ہو سکتا تھا۔"

خرمانی نے بے دلی اور افسوس سے پوچھا۔ "بھاگ کر جاتے کہاں؟"

میں نے کہا۔ "کہیں بھی جا سکتا تھا کم از کم قسرا قرم کی حدود سے کوسوں دور نکل چکا ہوتا۔"

اس نے طنزیہ کہا۔ "تم عجیب سمجھ کے آدمی ہو، جو یہ سمجھتے ہو کہ منگولوں کی دست برد محض قسرا قرم کی حدود تک ہے، تم خاقان کے قیدی ہو، چین سے ماوراء النہر اور خوارزم تک تمہیں کوئی بھی پناہ نہ دیتا۔"

وہی زمین اور آسمان جو چند دن پہلے تک اچھے لگتے تھے، اب ویران و بیزار اجاڑ محسوس ہو رہے تھے، ماحول اور گرد و پیش کی ہر شے سوگوار اور ماتم گسار نظر آ رہی تھی۔

منگول توران ہاشی نے میرے سامنے پھل وغیرہ رکھ دیتے۔ میں نے کھانے میں نمک سے کام لیا تو وہ خرمانی کے ذریعے کہنے لگا۔ "ہم منگولوں میں یہ مثل مشہور ہے کہ ہر مہمان کو کھانا ضرور دو، اسے کھانے پینے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔" میں نے بیزار ہو کر کچھ پھل کھا لیے، اگلی بار کھانے سے فارغ نہ ہوا تھا کہ ہمارے یورت میں دو آدمی داخل ہوئے، ان میں سے

سلمان نظر آتا تھا اور دوسرا چینی۔ اس چینی کی لمبی لمبی مونچھیں اور لمبی داڑھی بڑی مضحکہ خیز آ رہی تھیں۔

خرمانی نے ان دونوں کا تعارف کرایا، مسلمان اجنبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "محمد یلوتہ ہے، خاقان کا مشیر اور وزیر۔" پھر چینی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اور یہ مشہور اور عاقل یو چت سائی ہے، جس کے مشوروں پر خان اعظم چنگیز خان بھی چلا کرتا تھا اور اب ہلاکو خان بھی اس کے مشوروں کو ٹالتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔"

میں نے ان دونوں کو مایوس نظروں سے دیکھا۔ یہ دونوں حضرات کسی اجنبی زبان میں باتیں کرنے لگے، اس کے بعد محمد یلوتہ نے مجھ سے دریافت کیا۔ "کیا تم واقعی خوارزم شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟"

میں نے خرمانی کے مشورے پر عمل کیا اور سچ بول دیا۔ "ہاں یہ درست ہے!"

محمد یلوتہ نے میرے جواب سے یو چت سائی کو مطلع کر دیا۔ چینی دانا نے کوئی مختصر سا جواب دیا۔ میں یلوتہ کی شکل دیکھنے لگا۔ خرمانی کا چہرہ اترگیا، محمد یلوتہ بھی اداس ہو گیا، اس نے دریافت کیا۔ "تم یہاں کس لیے آئے ہو؟"

میں نے مختصر سا جواب دیا۔ "تجارت کی غرض سے!"

محمد یلوتہ نے کہا۔ "تجارت کی غرض سے یا جاسوسی کرنے کے؟"

میں نے پوچھا۔ "میں جاسوسی کس کے لیے کروں گا؟"

محمد یلوتہ نے کہا۔ "خلافتِ عباسیہ کے لیے، بغداد اور مصر کی حکومتوں کے لیے!"

میں نے صاف انکار کر دیا۔ "میں صرف تاجر ہوں، اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔"

"افسوس کہ تم سے سخت غلطیاں ہوئی ہیں!" محمد یلوتہ نے کہا۔ "جب تم واقعی خاندانِ شاہی سے تعلق رکھتے تھے تو تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا اور جب یہاں آ گئے تھے تو بخارا اور سمرقند کے امراء خاندان کی خواتین کی بابت کوئی جستجو نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

میں خاموش رہا۔ یو چت سائی نے کچھ کہا، جسے میں نہیں سمجھ سکا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں چلے گئے لیکن مجھے اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔ خرمانی کا شوہر بھی ان کے ساتھ ہی چلا گیا۔ میں نے خرمانی سے پوچھا۔ "یہ چینی دانا کیا کہہ رہا تھا؟"

اس نے جواب دیا۔ "کہہ رہا تھا، اس نوجوان کا جرم سنگین اور وراثت ہے اس لیے سزا بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

میرا دل ڈوبنے لگا اور بینائی مدھم ہونے لگی۔ پھر دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

بھرائی آواز میں پوچھا۔ "خاقان تمہارے خیال میں مجھے کیا سزا دے گا؟"

خرمائی نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ "سزائے موت، یا سائیں جان سزا قتل ہے!"

میں چپ ہو رہا کیونکہ جو کچھ مقدر میں تھا پیش آتا جا رہا تھا اس سے بچ نکلنے کی کوئی طرح اپنے بس میں نہ تھا۔ یکایک خرمائی کی آواز سنائی دی۔ "تمہاری موت کا مجھے بہت افسوس ہوگا۔ میں خاقان کی بیوی تورکینہ کے پاس جاؤں گی اور اسے مجبور کروں گی کہ وہ اوغدائی خان سے تمہاری جاں بخشی کی سفارش کرے۔"

میں نے بالکل سکوت اختیار کر لیا کیونکہ اب مجھ میں بولنے کی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ خرمائی اب بھی کچھ کہہ رہی تھی۔ میں نے سادہ کہہ رہی تھی۔ لیکن اگرمیں اپنی کوششوں میں کامیاب رہی اور تمہیں قتل کر دیا گیا تو یہ خون خرابہ زیادہ دنوں تک نہیں چل سکے گا۔ لیوچت سائی جانتا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ وحشت اور جہالت، تہذیب و تمدن اور علم اور دانائی پر حکومت کریں۔ ہم مہذب لوگ منگول نہیں بن سکتے لیکن ان منگولوں کو مہذب ضرور بنا سکتے ہیں اور ایک دن ان وحشی فاتحین کو تہذیب ضرور فتح کر لے گی۔"

لیکن میرے لئے خرمائی کی ساری باتیں فضول تھیں کیونکہ میرے قتل ہو جانے کے بعد اگر یہ وحشی تہذیب اور تمدن کے ہاتھوں مفتوح ہو گئے تو مجھے کیا۔ میرے کس کام کے۔

دو پہر سے ذرا پہلے مجھے اوغدائی خان کے دربار میں لے جایا گیا۔ وہاں دو درجن پرتگالی اور تومان باشی بیٹھے ہوئے تھے اور دربار کے آخر میں اونچے تخت پر اوغدائی خان اپنی بیوی تورکینہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کے دائیں بائیں محمد یلوتا اور لیوچت سائی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اوغدائی خان کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ یہ ہماری پہلی گرم جوشی کا انسان تھا۔ لباس پہنے ہوئے تھا، سر کے بڑے بڑے بال دو چوٹیوں میں گوندھ دیئے گئے تھے۔ لیوچت سائی اور محمد یلوتا کے برابر پڑی ہوئی کرسیاں خالی تھیں، تھوڑی دیر بعد وہ بھی بھر گئیں۔

خاقان نے مجھ سے کوئی سوال کیا۔ میں نہیں سمجھ سکا تو محمد یلوتا نے خاقان کی طرف دیکھ کر اوغدائی خان نے مجھ سے پوچھا تھا کہ "مجھ پر جو الزام لگایا گیا ہے، کیا وہ صحیح ہے؟"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور آہستہ سے کہا۔ "درست ہے!"

لیوچت سائی کھڑا ہوا اور دیر تک کچھ کہتا رہا۔ یورت کے دربار پر سناٹا طاری رہا۔ جب وہ کہہ چکا تو اوغدائی نے محمد یلوتا سے کچھ کہا۔ اس نے مجھے مخاطب کیا۔ "جنید! خاقان کہتا ہے کہ مقدمے کی روداد سے میں تمہیں آگاہ کرتا رہوں کیونکہ یہاں نیلے آسمان کی چھت کے نیچے انصاف کی حکمرانی ہے۔ ابھی ابھی چینی دانا نے تمہاری سفارش کرتے ہوئے کہا تھا کہ اب چونکہ شاہی کا اس دنیا میں کوئی وجود نہیں اس لئے خاقان کو چاہیئے کہ تمہیں معاف کر دے۔ لیو

نے خاقان کے سامنے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ وہ تمہیں معاف کر کے ملازم رکھ کر تمہیں ل لے، اس طرح جاسوسی کے خدشے سے بھی نجات مل جائے گی اور ایک پڑھا لکھا نوجوان کی حکومت میں کارآمد پرزے کی طرح کام سے لگ جائے گا لیکن خاقان یہ کہتا ہے کہ اس ناانوی معاملات اس کے بڑے بھائی چغتائی خان کے ہاتھ میں ہیں، وہ چاہے تو معاف کر دے چاہے تو یاسا کے مطابق سزا دے دے۔"

لیوچت سائی کے برابر ہی چغتائی خان بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کھڑا ہو کر کچھ دیر تک تا رہا۔ محمد یلوتا نے مجھے بتایا کہ چغتائی خان کہہ رہا تھا کہ کسی جرم کو معافی دینے کا ال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس نے جاسوسی جیسے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے اس لئے اسے یل کر دینے گی۔"

اسی دوران اوغدائی کی چہیتی بیوی تورکینہ نے بھی کچھ کہا۔ جس کی بابت محمد یلوتا نے بتایا کہ تورکینہ میری سفارش کر رہی ہے لیکن چغتائی خان نے اسے بھی رد کر دیا

یکایک لوگوں کی نظریں یورت کے دروازے کی طرف اٹھ گئیں، میں بھی گھوم کر دیکھنے لگا۔ سامنے سے دو منگولوں کے ساتھ عباس چلا آ رہا تھا اور آ کر میرے قریب ہی کھڑا ہو گیا۔

محمد یلوتا نے اس سے سوال کیا۔ "کیا تم اس نوجوان سے واقف ہو؟"

عباس نے جواب دیا۔ "ہاں خوب اچھی طرح!"

محمد یلوتا نے سوال کیا۔ "یہ کون ہے؟"

عباس نے جواب دیا۔ "یہ ہمارے قافلے کے ساتھ تو ایک تاجر کی حیثیت سے آیا ہے ن دراصل یہ خوارزم شاہی خاندان کا ایک فرد ہے!"

چغتائی خان نے فوراً ہی اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "یاسا اس جرم کے لئے قتل کی سزا تجویز کرتا ہے اور غروب آفتاب سے پہلے پہلے تراقرم کے سب سے بلند ٹیلے پر نیلے جادوئی آسمان کی بارگاہ اس کی قربانی پیش کر دی جائے!"

فیصلہ ختم ہو چکا تھا لیوچت سائی اور محمد یلوتا سنجیدہ ہو کر بیٹھ گئے ——

فیصلے میں اندر چلی گئی اسے غالباً اس بات کا ملال تھا کہ اس کے شوہر نے اس کی سفارش میں مانی تھی۔

عباس نے محمد یلوتا کے ذریعے خاقان سے درخواست کی کہ اب چونکہ جنید کو سزائے موت دی جائے گی اس لئے خاقان کو چاہیئے کہ جملہ تجارتی اشیا پر اس کا حق ملکیت تسلیم کر لیا جائے۔" خاقان نے اس کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا کہا کہ "اپنے حق کو یہ شخص خود ہی کسی کے حوالے کر سکتا ہے۔"

میں نے خاقان سے درخواست کی کہ "میری چیزیں تومان باشی اوتے خان کے حوالے

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

کر دی جائیں۔"

خاقان نے میری درخواست منظور کر لی لیکن خود اوتے خان انہیں نہیں چاہتا تھا۔

مجھے پھر خرمانی کے پورت میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں خرمانی بھی بہت روئی، اس نے کہا کہ اوغدائی تو ذرا نرم پڑ گیا تھا لیکن اس کا بڑا بھائی چغتائی خان قطعی اس بات کے لئے تیار نہیں ہے کہ یاسا کے قوانین کی روگردانی کی جائے۔

میں نے خرمانی سے دل شکستہ لہجے میں کہا۔" میں نے خاقان سے یہ درخواست کی تھی کہ عباس کے پاس میرا جو سامان تجارت موجود ہے، اسے تمہارے حوالے کر دیا جائے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے شوہر نے اس کے لینے سے انکار کر دیا ہے اس لئے اب تم سے درخواست ہے کہ تم اس سے وہ سامان حاصل کر لو، بعد میں چاہے تم اسے لوگوں میں تقسیم کر دینا لیکن عباس سے میرا حصہ وصول ضرور کر لینا ہے۔"

خرمانی نے بھی کہا۔" عباس ذلیل انسان ہے، میں تمہارا حصہ اس سے حاصل کر لوں گی۔" پھر پوچھا۔" سزائے موت کا فیصلہ سن کر تم پر کیا بیتا، دل پر کیسی گزری؟"

میں نے جواب دیا۔" بس ذرا سی دیر کے لئے پریشانی ہوئی تھی لیکن اب سوچ سوچ کر خوش ہو رہا ہوں کہ میں شاید جلدی ہی اپنے مرحوم والد جاکی کی روح سے ملاقات کرنے جانے والا ہوں۔"

دن کے چوتھے پہر سے ذرا پہلے مشرق سے زبردست گرد و غبار کا طوفان اٹھا۔ میں نیلا آسمان سورج سمیت روپوش ہو گیا۔ میں پہاڑی کی طرف چلا جا رہا تھا، میری گرد کا ذخیرہ بھی خرمانی کے منگول شوہر کو انتظام دینا تھا مجھے ایک بلند و بالا ٹیلے پر لے جا کر کھڑا کر گیا۔ میرے جبڑ بان کے ہاتھ میں کھلی ہوئی غمیدہ تلوار چمک رہی تھی، بہت سارے منگول میرے کا تماشا دیکھنے جمع ہو گئے تھے۔ جب مشرق سے اٹھنے والی خوفناک آندھی نے نیلے آسمان کو نگل لیا اور اس کی جگہ ہمارے سروں پر گرد و غبار کا آسمان تن گیا تو منگولوں کے ہوش و حواس جاتے رہے تھوڑی دیر کے لئے گردن مارنے کی تقریب روک دی گئی کیونکہ منگولوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جب آسمان گرد و غبار میں اپنا منہ چھپا لے اور آندھی کے جھکڑ چلنے لگیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ نیلا آسمان اپنا جلال برسا رہا ہے، اوتے خان اور منگول اپنے اپنے سروں کو گھٹنوں میں دے کر رہ گئے اور گرد و غبار کے چھٹنے کا انتظار کرنے لگے۔ اسی عالم میں، میں نے ایک شخص کا بیسوا بڑھتے ہوئے دیکھا جو گرد و غبار کو چیرتا اور کانوں کو دونوں ہاتھوں سے چھپائے لڑکھڑاتا ہوا میری طرف چلا آ رہا تھا۔ جب وہ بالکل میرے قریب آ گیا تو میں نے اسے پہچان لیا یہ عباس تھا، وہ آتے ہی تقریباً میرے قدموں میں گر گیا اور زار و قطار روتا ہوا بولا۔" جنید!

بڑا افسوس ہے کہ تم قتل کر دیئے جاؤ گے میں تنہا واپس جا کر اپنے ہونے والے خسر کو کیا جواب دوں گا۔"

میں نے سوچا کہ اس قتل گاہ تک پہنچانے والا بھی یہی شخص ہے اور اب یہی شوشے بھی بھار رہا ہے، میرا خیال تھا کہ جب اس کے ضمیر نے پتے کے پر تہماتی میں غور کیا ہو گا تو ضرور شرمندہ ہوا ہو گا اور اب یہ سوچ سوچ کر گھبرا رہا ہو گا کہ اس کا ہونے والا خسر احمد میرے معاملے میں اس پر ضرور برہم ہو گا۔ سوچتے سوچتے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اب جبکہ میرا قتل کر دیا جانا مقدر ہو چکا ہے تو خطا کار لیکن شرمسار عباس کو معاف کیوں نہ کر دیا جائے۔

میں نے کہا۔" عباس! مجھے یہاں تک پہنچانے والے تم خود ہو، میرا خیال ہے تمہیں تمہارا ضمیر یقیناً کچوکے لگا رہا ہو گا۔"

"ہاں!" عباس کہنے لگا۔" میں بھی آدمی ہوں، مجھ سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میری وجہ سے تم یہاں تک پہنچے ہو تو میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔"

میرا گداز دل بھر آیا۔ میں نے کہا۔" میں تمہیں معاف کرتا ہوں، اور اگر تم (کاغذ) اور قلم دوات مہیا کر سکو تو میں اس سلسلے میں اپنی تحریر بھی دے سکتا ہوں۔"

عباس کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا اور اس نے جھک کر میری پنڈلیوں کو کئی بوسے دیئے، کہنے لگا۔" قلم دوات اور قاذی کی کوئی ضرورت نہیں، میں شیف الجبۃ منگول اوتے خان کو بلاتا ہوں، جو میں کہوں تم اس کے سامنے کہہ دو۔"

میں نے جواب دیا۔" لیکن وہ ہماری زبان نہیں سمجھتا۔"

عباس نے کہا۔" ہاں یہ بات تو ہے تو پھر تم ایسا کرو کہ کسی طرح محمد یلوتا کو بلوا لو اور جو میں کہوں تم اس کے سامنے کہہ دو۔"

"میں تیار ہوں لیکن تم مجھ سے کہلوانا کیا چاہتے ہو؟"

عباس نے چبا چبا کر کہا۔" یہی کہ تمہارے قتل میں میرا ہاتھ نہیں ہے اور تمہاری بعد تمہارے سامان کا میں وارث قرار پاؤں گا۔"

یکایک اتنی زور کا جھونکا آیا کہ عباس لڑکھڑا کر دور جا گرا۔ عباس کی آخری بات نے میرے دل میں اس کے خلاف نفرت اور غصے کی آگ دوبارہ بھڑکا دی، میں جانتا ہوں اور اسے سامان کی اپنے نام منتقلی کی فکر کھائے جا رہی ہے، جب وہ دوبارہ میرے قریب آیا تو میں نے اسے دھتکار دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ۔" او لالچی انسان! میں تجھے کسی قیمت پر بھی معاف نہ کروں گا، میں تیری کوششوں سے اس حال کو پہنچا ہوں اگر میں اس دنیا میں بدلہ نہ

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

لے سکا تو دوسری دنیا میں تیرا داس ضرور پکڑوں گا' تو یہ بات بھول جا کہ میں تجھے معاف بھی کر سکتا ہوں۔"

سائیں سائیں اور شاں شاں کرتے خوفناک جھکڑ کسی طرح تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ اسی عالم میں نشیب کے میدان سے بہت سارے گھوڑوں کی ٹاپیں گونجنے لگیں' ہواؤں کے جھونکے کبھی ان آوازوں کو دور کر دیتے کبھی نزدیک لے آتے' دیکھتے ہی دیکھتے ساٹھ ستر گھوڑے ٹیلے کے پرلے پار ہمارے قریب آ گئے۔ یہ لوگ ٹیلے پر ادھر ادھر پھیل گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہواؤں کو چیرتے ہوئے کوکڑوں میں چھپاتے چار گھڑ سوار میرے قریب آ گئے' ایک شخص ان کی رکاب میں پیدل آیا تھا۔ چار گھڑ سوار بھی اپنے اپنے گھوڑوں سے نیچے پڑے' میں نے ان کی جسامت ہی سے انہیں پہچان لیا' ان میں سے دو تو ادغدائی خان اور چغتائی خان تھے' چغتائی خان نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے گھوڑے کی آڑ میں لے کر اس طرح کھڑا ہو گیا کہ میں ہواؤں کے جھونکوں سے محفوظ ہو گیا۔ پھر ادغدائی خان بھی ہمارے پاس آ گیا۔ ان لوگوں نے ہوا کے جھکڑوں سے بچنے کی یہ عجیب ترکیب نکالی کہ اپنے ساٹھ ستر گھوڑوں کو دو قطاروں میں ہوا کے رخ پر کھڑا کر کے ان کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ انہی میں میں نے ادغدائی کی بیوی تودا کیسہ اور خرمانی کو اس حال میں دیکھا کہ ان کی آنکھوں پر سے سینے تک ایک سفید کپڑا پردے کی طرح ٹنگا ہوا تھا۔ ایک طرف لیوچت سائی اور محمد بیلوچ بھی موجود تھے۔ لیکن ان سب میں ایک ایسا شخص بھی تھا جسے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور جو اپنی صورت شکل اور لباس سے زنخا معلوم ہوتا تھا اس کی بڑی بڑی رنگیں مونچھیں بالکل عورتوں کی طرح تھیں' لباس بھی عورتوں ہی جیسا تھا اور داڑھی مونچھیں ندارد تھیں' زنخا اور مخبوط الحواس یا تیم یا گل۔

یہ بالکل اتفاقی امر تھا کہ ان سب کے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ہی آندھی کا زور ٹوٹنے لگا اور نیلے آسمان کا ایک گوشہ صاف نظر آنے لگا۔ خاقان اور اس کے کہنے کے سوا تمام منگول آسمان کے اس نیلے گوشے کی طرف سربسجود ہو گئے۔ پھر جب مطلع صاف ہو گیا تو مجھ پر یا یوں کہو کہ موت کے خوف نے پھر طبع کر لیا میرا خیال تھا کہ مجھے اس ہجوم کے سامنے قتل کیا جائے گا لیکن پھر میری توقع کے خلاف چغتائی خان نے مجھے مخاطب کر کے کچھ کہا ہے میں نہیں سمجھ سکا۔ پھر اس نے منگولوں کو مخاطب کیا۔ وہ دیر تک ان سے مخاطب رہا۔ اپنی تقریر کے دوران اس نے کئی بار میری طرف اشارے کیے اور کبھی کبھی وہ مخبوط الحواس زنخے کی طرف بھی اشارے کر دیتا تھا۔ جب وہ تقریر ختم کر چکا تو میں نے دیکھا کہ خرمانی کی آنکھیں ڈبڈبا آئی ہیں' اس نے انہیں نہایت ہوشیاری سے چہرے پر پڑے ہوئے رومال سے پونچھ ڈالا۔

چغتائی کے بعد ادغدائی خان نے کچھ کہا اور پھر خاقان اعظم کے اشارے پر محمد بیلوچ

میرے قریب آیا اور کہنے لگا۔

"جنید! تم بڑے خوش قسمت انسان ہو جو کام تودا کیسہ کی سفارش اور لیوچت سائی کی انتھک کوشش نہ کر سکی تھی' اسے آندھی اور اس شامان نے انجام دے دیا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے مخبوط الحواس زنخے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کہتا رہا۔ "یہ یہاں کا شامان ہے' قراقرم کا ساحر یہ شخص کبھی ان آوازوں کو دور کر دیتے کبھی نزدیک لے آتے' دیکھتے ہی دیکھتے ساٹھ ستر گھوڑے ٹیلے کے پرلے پار ہمارے قریب آ گئے۔ ایک شخص ان کی رکاب میں پیدل آیا تھا۔ چار گھڑ سوار بھی اپنے اپنے گھوڑوں سے نیچے پڑے' میں نے ان کی جسامت ہی سے انہیں پہچان لیا' ان میں سے دو تو ادغدائی خان اور چغتائی خان تھے' چغتائی خان نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے گھوڑے کی آڑ میں لے کر اس طرح کھڑا ہو گیا کہ میں ہواؤں کے جھونکوں سے محفوظ ہو گیا۔ پھر ادغدائی خان بھی ہمارے پاس آ گیا۔ ان لوگوں نے ہوا کے جھکڑوں سے بچنے کی یہ عجیب ترکیب نکالی کہ اپنے ساٹھ ستر گھوڑوں کو دو قطاروں میں ہوا کے رخ پر کھڑا کر کے ان کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ انہی میں میں نے ادغدائی کی بیوی تودا کیسہ اور خرمانی کو اس حال میں دیکھا کہ ان کی آنکھوں پر سے سینے تک ایک سفید کپڑا پردے کی طرح ٹنگا ہوا تھا۔ ایک طرف لیوچت سائی اور محمد بیلوچ بھی موجود تھے۔ لیکن ان سب میں ایک ایسا شخص بھی تھا جسے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور جو اپنی صورت شکل اور لباس سے زنخا معلوم ہوتا تھا اس کی بڑی بڑی رنگیں مونچھیں بالکل عورتوں کی طرح تھیں' لباس بھی عورتوں ہی جیسا تھا اور داڑھی مونچھیں ندارد تھیں' زنخا اور مخبوط الحواس یا تیم یا گل۔

یہ بالکل اتفاقی امر تھا کہ ان سب کے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ہی آندھی کا زور ٹوٹنے لگا اور نیلے آسمان کا ایک گوشہ صاف نظر آنے لگا۔ خاقان اور اس کے کہنے کے سوا تمام منگول آسمان کے اس نیلے گوشے کی طرف سربسجود ہو گئے۔ پھر جب مطلع صاف ہو گیا تو مجھ پر یا یوں کہو کہ موت کے خوف نے پھر طبع کر لیا میرا خیال تھا کہ مجھے اس ہجوم کے سامنے قتل کیا جائے گا لیکن پھر میری توقع کے خلاف چغتائی خان نے مجھے مخاطب کر کے کچھ کہا ہے میں نہیں سمجھ سکا۔ پھر اس نے منگولوں کو مخاطب کیا۔ وہ دیر تک ان سے مخاطب رہا۔ اپنی تقریر کے دوران اس نے کئی بار میری طرف اشارے کیے اور کبھی کبھی وہ مخبوط الحواس زنخے کی طرف بھی اشارے کر دیتا تھا۔ جب وہ تقریر ختم کر چکا تو میں نے دیکھا کہ خرمانی کی آنکھیں ڈبڈبا آئی ہیں' اس نے انہیں نہایت ہوشیاری سے چہرے پر پڑے ہوئے رومال سے پونچھ ڈالا۔

چغتائی کے بعد ادغدائی خان نے کچھ کہا اور پھر خاقان اعظم کے اشارے پر محمد بیلوچ

اب میں نے پہلا کام یہ کیا کہ عباس سے علیحدگی اختیار کر لی' میں نے نہایت بے دردی اور بے مروتی سے اپنا حصہ الگ کر لیا۔ اب عباس بھیگی بلی بن چکا تھا۔ خرمانی کا شوہر ادغدائی خان قدم قدم پر میری مدد کر رہا تھا اس نے میرے لئے ایک یورت کا انتظام کر دیا۔ میں اپنے سامان کے ساتھ اس میں منتقل ہو گیا۔ میں چاہتا تھا کہ مجھے بھی خاقان اعظم کی طرف سے پروانۂ چاکری مل جاتے لیکن اس کا ابھی وقت نہیں آیا تھا' دوسرے یہ کہ خرمانی بھی ایسا کرنے سے منع کر رہی تھی وہ کہتی تھی کہ میں باستور نجابت کتابت رہوں اور قراقرم میں مستقل قیام کا خیال ذہن سے نکال دوں' اور یہ بات طے تھی کہ میں خرمانی کا کہنا نہیں ٹال سکتا تھا' وہ روز بروز میرے ذہن پر قابض ہوتی جا رہی تھی۔ میرے دل و دماغ اس کے قبضے میں جا چکے تھے۔

مجھے قراقرم میں رہتے ہوئے چار ماہ گزر چکے تھے۔ اس عرصے میں خرمانی سے بہت زیادہ قریب ہو چکا تھا اور بہت زیادہ باتیں کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ گیا تھا کہ خرمانی اپنے حالات اور ماحول سے کچھ زیادہ دل برداشتہ نہیں ہے اور مجھے ایک ناتجربہ کار' جذباتی اور فیاض اندلسی نوجوان سمجھتی ہے اور یہ انکشاف بھی ہو چکا ہے کہ تودا کیسہ کی مصاحبت حاصل ہے اور وہ قراقرم کے بہت سے رازوں سے واقف ہے۔

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

بیشتر تاجر اپنا سامان فروخت کر چکے تھے اور اب واپسی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ عباس مجھ سے ملنے آیا۔ میں یہ سمجھا کہ مجھ سے واپسی کے لئے کہے گا۔ لیکن اس نے کچھ دیر باتیں کیں، اس نے پوچھا "کیا تم واپسی کی تیاریاں کر چکے ہو؟"

میں نے جواب دیا۔ "ابھی نہیں، کیوں؟"

کہنے لگا۔ "سردست میں خود نہیں جا رہا، میں ابھی کچھ دن اور یہاں رہوں گا۔ میرا ہے تم اپنا سامان فروخت کر چکے ہو اور تمہیں واپس چلا جانا چاہیئے۔"

میں نے بے رخی سے جواب دیا۔ "میں واپسی کا ارادہ ہی نہیں رکھتا، میں یہ رہ جانا چاہتا ہوں۔"

عباس نے حیرت سے پوچھا۔ "رہ کیوں؟"

میں نے جواب دیا۔ "مجھ جیسے آوارہ دیے خاتمان کے لیئے ہرات اور قراقرم کوئی فرق نہیں۔"

اس نے مجھے تعجب سے دیکھا اور کہنے لگا۔ "تب پھر مجھے اپنا پیغام کسی اور کے ذریعہ کرنا ہوگا۔"

دراصل وہ اپنے ہونے والے خسر احمد کو یہ پیغام بھیجنا چاہتا تھا کہ وہ کسی وجہ ابھی سال ڈیڑھ سال قراقرم میں اور ٹھیرے گا۔ کیوں ٹھیرے گا کچھ پتہ نہ تھا۔ میں بھی حیران تھا کہ عباس جیسا کاروباری مزاج انسان یہاں اتنا وقت کیوں ضائع کرنا چاہتا ہے۔

ایک دن مجھے یہ خبر ملی کہ اوتے خان کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ بھاگا ہوا اس کے یورت پہنچا۔ اس دن اس یورت کا منظر ہی کچھ اور تھا۔ ایک تخت پر مخملیہ تکیے کے بستر پر اوتے خان آنکھیں بند کئے پڑا ہوا تھا اور اس کے آس پاس بیسیوں باندیاں عورتیں اور لڑکیاں سوگوار بیٹھی تھیں اور وہی شامان جس نے میری جان بچائی تھی سر بیٹھا بدبدر کچھ پڑھ رہا تھا۔ خرمانی بھی بہت اداس تھی۔ اس نے مجھے یورت کے دروازے میں بٹھا دیا۔

میں نے اس سے دریافت کیا۔ "یہ اوتے خان کو ہو کیا گیا آخر؟"

خرمانی نے جواب دیا۔ "شراب اور عیاشی نے اس کا وقت سے پہلے ہی کام تمام کر دیا ہے۔"

میں نے حیرت سے سوال کیا۔ "کیا تمہارے علاوہ بھی اوتے خان کی بیویاں ہیں؟"

خرمانی نے دکھ سے جواب دیا۔ "کوئی ایک دو! میرے علاوہ اس کی بیس بیویاں اور ہیں، یہ ساری عورتیں اور لڑکیاں جو اس کے آس پاس جمع ہیں، اس کی بیویاں

اور بیس چین اور سمرقند و بخارا کے درمیانی تمام ملکوں کی عورتیں موجود ہیں!"

میرے دل میں کچھ امیدیں گھر کرنے لگیں، میں نے پوچھا۔ "یہ شامان کیا کر رہا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "علاج؟"

"کیا یہ معالج بھی ہوتا ہے؟"

"ہاں۔ یہ بخاری، طبیب، ساحر اور نیلے جادو والی آسمان سے ہم کلام ہونے والا پاری گر یہ بھی کچھ ہوتا ہے۔"

"کیا یہ اوتے خان کو اچھا کر لے گا۔"

"کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔"

"لیکن اس نے مجھے تو بچا ہی لیا تھا۔"

"ہاں!" وہ کہنے لگی۔ "اگر میں اسے لعل رشوت نہ دیتی تو یہ کبھی بھی نہیں بچا سکتا۔"

"تم نے میری خاطر اسے رشوت دی تھی!" میں چونک پڑا۔ "یہ بات تم نے مجھے پہلے تو نہیں بتائی تھی؟"

"اس وقت بھی نہ بتائی، بس زبان سے نکل گئی یہ بات، لیکن تم وعدہ کرو کہ اس کا ذکر کسی اور سے نہیں کرو گے!"

"وعدہ!" میں نے جواب دیا، میرے دل میں خرمانی کے لئے امید کا چراغ روشن ہو گیا۔ میں نے پھر سوال کیا۔ "کیا اوتے خان جانبر ہو جائے گا؟"

"شاید نہیں!" اس نے دکھ سے جواب دیا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے ایک ایسا سوال کر دیا جو اس نازک اور سوگوار لمحے میں ہرگز جائز قرار دیا جا سکتا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "اگر خدانخواستہ اوتے خان نہ بچ سکا تو اس کے بعد تمہارا کیا منصوبہ ہوگا؟"

اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "کچھ معلوم نہیں، یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔"

اور اسی دن شام تک اوتے خان کا انتقال ہو گیا۔

میں کئی دن تک خرمانی سے نہیں ملا، مجھے نہیں معلوم تھا کہ اوتے خان کے بعد اس کے یورت میں جانا منگول خواتین کی رسم کیسا تھا؟ لیکن ایک دن میں خیمیں کے چند ٹکڑے لے کر پہنچ گیا۔ میں نے یہ ٹکڑے اس کے حوالے کیئے اور اس سے کہا کہ "انہیں پانی کی صراحیوں پر لپیٹ دو پان ٹھنڈا رہے گا۔"

وہ مجھ سے اس طرح ملی جیسے میرا انتظار کر رہی ہو، میں نے اسے ٹٹولنے کی خاطر جھوٹی خبر سنائی۔ "خرمانی! اب میرا کام یہاں ختم ہو چکا ہے ہرات واپس جانا چاہتا ہوں!"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

اس کی ویران نظریں میرے چہرے پر ٹک گئیں، پوچھا۔ "کب واپس جا رہے ہو؟"

میں نے جواب دیا۔ "یہی کوئی پانچ سات دنوں اور یہاں ہوں!"

وہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "اچھا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ دو چار دن اور رک جاؤ؟"

میں نے کہا۔ "رک تو سکتا ہوں لیکن فائدہ؟ مقصد؟"

وہ کچھ یاد کرتی ہوئی بولی۔ "لیکن ایک بار تم نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ تم یہاں مستقلاً رہنا چاہتے ہو، لیکن اب جب کہ میں بہت غمزدہ ہوں، تم مجھے چھوڑ کر بھاگ جانا چاہتے ہو؟"

میں نے سوچا کہ اب بات صاف صاف ہی کر لینا چاہیے، حلق میں خشکی دور جانے سے خراش سی محسوس ہو رہی تھی، ہمت مجتمع کرتا ہوا بولا۔ "اس وقت تمہیں دیکھ کر قراقرم میں کچھ حسن محسوس کرنے لگا تھا۔"

اس نے بات کاٹ دی، کہنے لگی۔ "لیکن اب میں کہاں چلی گئی ہوں اب بھی تو یہیں موجود ہوں!"

میں نے جواب دیا۔ "معلوم نہیں کیوں، تم میری بات کیوں نہیں سمجھ رہی ہو تم اتنی نادان تو نہیں ہو!"

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور پورٹ کے اندرونی در پر جا کر بیٹھ گئی اور مجھے بھی اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے مجھے اپنی داہنی جانب کی چوکی پر بٹھا دیا اور خود میرے بائیں طرف تقریباً میرے قدموں میں بیٹھ گئی۔ میں نے اس بات کی کوشش کی کہ وہ بھی سامنے چوکی پر، میرے مقابل بیٹھ جاتے لیکن وہ بدستور میرے قدموں ہی میں بیٹھی رہی، کہنے لگی۔ "ہاں اب وہ باتیں کرو جو ابھی کر رہے تھے۔"

میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ "خرمانی تم جانتی ہو کہ میں کیا چاہتا ہوں، لیکن ہم دونوں کے حالات کچھ ایسے مختلف اور متضاد ہیں کہ شاید ایک نہ ہو سکیں۔"

خرمانی نے کہا۔ "بات یہ نہیں ہے، میں اگر چاہوں تو تمہیں اپنے ساتھ رکھ سکتی ہوں، اب مجھ پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ اوغدائی کہتا تھا کہ میں دوسری شادی کر لوں لیکن میں نے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ میں اب شادی نہیں کروں گی اپنے بچے کی تعلیم و تربیت پر وقت صرف کروں گی۔"

"تمہارا کوئی بچہ بھی ہے؟"

"ہاں، تین سال کا!"

"وہ کہاں ہے؟"

"وہ اپنی دادی دادا کے پاس رہتا ہے، وہ اسے قبائلی تربیت دے کر جنگجو بنانا چاہتے ہیں۔"

"اچھا!" اس انکشاف سے میں خوش نہ ہوا۔ "تمہارے جواب پر اوغدائی نے کیا کہا؟"

"وہ بہت خوش ہوا اور بہت جذبہ ایثار کو سراہنے لگا۔ اس نے مجھ سے کہہ دیا ہے کہ میں اپنی مرضی کی مالک ہوں جو چاہوں کروں۔"

"میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"تم (ابھی) یہیں رہو اور وقت کا انتظار کرو!"

"کس وقت کا انتظار؟ کیا اب بھی کوئی وقت آ سکتا ہے؟"

"بالکل آ سکتا ہے۔" وہ کہنے لگی۔ "یہاں منگولوں میں یہ رسم ہے کہ عورتیں یورتوں کے در پر اس طرح بیٹھا کرتی ہیں کہ ان کا شوہر چوکی پر بیٹھتا ہے اور بیوی اس کے بائیں طرف، شوہر کے قدموں میں، منگولوں کا اعتقاد ہے کہ دل چونکہ بائیں طرف ہوتا ہے اس لیے آدمی کو جس سے بہت زیادہ محبت ہوتا ہے اس کے قدموں میں دل کے قریب ہی بیٹھنا چاہتے۔" یہ کہتے کہتے وہ شرما گئی اور گردن جھکا لی۔

خرمانی کو اپنی بات جو کچھ کہنا تھا، بہت خوبی کہہ چکی تھی۔

میں نے پوچھا۔ "تب پھر مجھے کب تک انتظار کرنا پڑے گا؟"

"ابھی کچھ بھی معلوم نہیں!" اس نے دو ٹوک جواب دیا۔ "صرف اتنا تم خاقان کی جاگیر کر لو، میرے سامنے چند مقاصد ہیں یا یوں سمجھو کہ چند کام ہیں، میں انہیں دور کیے بغیر تم سے کوئی عہد نہیں کر سکتی۔"

میں نے کہا۔ "ان رکاوٹوں کی بابت کچھ مجھے بتاؤ شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں!"

"تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔" وہ کہنے لگی۔ "ویسے میں یہ تمہیں بتا دیتی ہوں کہ مجھے ان منگولوں سے کوئی دلچسپی نہیں، ان کے جھگڑوں سے معلوم نہیں کیسی بو آتی رہتی ہے اگر میرے بچے کا مستقبل ان لوگوں سے وابستہ نہ ہوتا تو میں کسی بھی طرح یہاں سے فرار ہو چکی ہوتی۔"

اوغدائی اس بات سے بہت خوش ہوا کہ میں قراقرم کو امن و انصاف کی سرزمین بنا کر مستقلاً یہیں بس جانا چاہتا ہوں، تورا کینہ نے میرے سپرد یہ خدمت کی کہ میں خانان کے بچوں کو پڑھا لکھا دیا کروں، محمد بلوچ اور لوچت مانی، دونوں نے تقریباً یکساں زبان و کتابت

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

کرلا تمہیں اپنی خدمت نہایت، محنت اور ہوشیاری سے انجام دینی چاہیئں، اور اس مقصد کو ذہن میں رکھ کر منگول بچوں کی تعلیم کرو کہ جہالت اور وحشت کو آخرکار تہذیب و تمدن کے ہاتھوں مفتوح ہونا ہے، وہ منگول جو رحم کا نام تک نہیں جانتے تھے اب رحم اور ہمدردی کی طرف مائل نظر آنے لگے ہیں۔"

خانوں کے بچوں کو پڑھانے کے سلسلے میں مجھے ان کے پورتوں میں جانے کا موقع ملا۔ یہ عجیب جنگلی لوگ تھے، بات بات پر آگ بگولا ہو جانا ان کی فطرت میں داخل تھا۔ میں جلد ہی ان سے عاجز آگیا، اگر خرمانی کی طرح نہ ہوتی تو میں انہیں کب کا چھوڑ چکا ہوتا۔ خرمانی سے میں بار بار یہ پوچھتا رہا کہ آخر وہ وقت کب آئے گا جس کا میں انتظار کر رہا ہوں۔ وہ کہتی "کچھ دن اور۔"

اسی طرح ایک سال گزر گیا اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ خرمانی نے جن مکانوں کا ذکر کیا تھا ان کا کہیں کوئی وجود نہ تھا، دراصل وہ تذبذب کا شکار تھی۔ ایک طرف قسمت تھا، دوسری طرف بچہ تھا۔ اس کے دل میں معلوم نہیں کس طرح یہ موہوم سی امید پیدا ہو گئی تھی کہ اس کا بچہ بھی بڑا ہو کر چنگیز بنے گا اور قبائلی رسم و رواج شاید اس کی غیر معمولی صفات کے پیش نظر اسے بھی خانوں یا اس سے کوئی کمتر منصب عطا فرما دیں کیونکہ بچے کے دادا دادی جس غیر معمولی طاقت سے اس کی پرورش کر رہے تھے اس سے کچھ بعید نہ تھا۔ میں نے کچھ یہ سوچا یہ تو سات کے پیٹے میں بھائی والی عورت ہے، میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ اب اس کے چہرے پر زیادہ نکھار آگیا جاتا تھا میں نے اس کے پاس آمد و رفت کم کر دی کیونکہ قسمت قرقم میں یا سا کا قانون رائج تھا، جس میں بدکاری کے مرتکب کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ خرمانی کے پاس زیادہ آنے جانے سے سنگیں لغزش کا ہر وقت امکان موجود رہتا تھا لیکن خرمانی یہ چاہتی تھی کہ میں روزانہ ہی اس سے ملتا رہوں۔

پھر قدرت نے مجھے ایک ایسا موقع عطا کیا کہ میں نے خرمانی کو بھی اسی کرب اور اذیت میں مبتلا کر دیا، جس کا میں خود شکار تھا۔ ایک دن صبح ہی صبح اوغدائی نے ایک منگول سپاہی کے ذریعے مجھے اپنے پورت میں طلب کیا۔ یہ لوگ اکھڑ اور اجڈ تو ہوتے ہی ہیں، اس منگول سپاہی نے اوغدائی کے مجھے میں حاضر ہونے کا حکم جس طرح سنایا اس سے مجھے یہ شبہ گزرا کہ ضرور کوئی مصیبت کھڑی ہونے والی ہے۔

جب میں اوغدائی کے پورت میں داخل ہوا تو وہاں اوغدائی کے علاوہ چینی دانا لیوچت سائی بھی موجود تھا۔

اوغدائی نے مجھے اپنے قریب بلایا اور چوکی پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ میرا دل دھک دھک

کر رہا تھا۔ وہ بڑا مردم شناس تھا۔ کہنے لگا "تو پریشان کیوں ہے؟ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ ہم نے تجھے یہاں قتل یا بخشش میں طلب کیا ہے؟"

میں نے ادب سے عرض کیا۔ "مجھے جادوانی نیلے آسمان نے معافی دی ہوا سے خاقان اس طرح دکھ یا اذیت پہنچا سکتا ہے؟"

اوغدائی میرے جواب سے بہت خوش ہوا۔ لیوچت سائی سے کہنے لگا۔ "دیکھ یہ کیسی عقل کی باتیں کرتا ہے!"

چینی دانا نے جواب دیا۔ "یہ عالم ہے اور علم عقل کو جلا دیتا ہے، اسی لئے تو میں چاہتا ہوں کہ یہاں مدت سے ہونے چاہئیں تاکہ خانوں کے بچے فاتح اور منگولوں میں بے مثال ہونے کے ساتھ ساتھ عقل و دانش اور علم و ادراک میں بھی دوسروں پر سبقت لے جائیں۔"

اوغدائی نے کہا۔ "ایسا ہوگا" ایسا ہی ہوگا لیکن میرا عظیم اور فاتح عالم باپ کہا کرتا تھا کہ پکے مکانوں اور خانقاہوں میں رہنے والے فطرتاً نرم، کمزور اور بزدل ہو جاتے ہیں صرف شہر اور مہیب لوگ ہی دوسروں پر حکومت کر سکتے ہیں، کیا تو یہ چاہتا ہے کہ خانوں کے بچے پڑھ لکھ کر چینیوں اور مسلمانوں کی طرح ہو جائیں؟"

لیوچت سائی کہنے لگا۔ "ملکوں کو فتح کر لینا الگ بات ہے اور ان پر انصاف اور دانائی سے حکومت کرنا الگ بات، خاقان انصاف کرنے کے لئے ہر جگہ تو پہنچ نہیں سکتا، جہاں نہیں پہنچ سکتا، وہاں اس کے مقرر کئے ہوئے عالم اور دانا حضرات اس کا کام چلاتے ہیں۔"

اوغدائی ان باتوں سے اکتا گیا اور اچانک ایک عجیب سوال کر دیا۔ مجھ سے پوچھا "تیرے بادشاہ اپنے محلوں میں کتنی عورتیں رکھتے ہیں؟"

جھوٹ بولنے کی مجھ میں ہمت نہ تھی میں نے صاف صاف کہہ دیا۔ "بہت زیادہ، کبھی کبھی ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ جاتی ہے، لیکن از روئے اسلام یہ جائز نہیں ہے۔"

میں نے آخری بات اس لئے کہی تھی کہ اگر میرے منہ میں کوئی بات اوغدائی کی مرضی کے خلاف ہوتی تو جملے کا آخری فقرہ اس کی تلافی کر سکے۔

اوغدائی میرے جواب سے بہت خوش ہوا۔ لیوچت سائی سے کہنے لگا۔ "اور تو مجھے صرف اٹھائیس عورتوں کا پابند رکھنا چاہتا ہے، میں کہتا ہوں کہ میرے لئے اتنی ہی عورتوں کا انتظام اور کمرا اور یہ تیری ذمے داری ہے کہ تو ہر سال میرے لئے حسین ترین عورتیں مہیا کر دیا کرے۔"

لیوچت سائی نے جھک کر جواب دیا۔ "میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

خاقان کا بھی وہی حشر ہو جو اس کے بھتیجے بوتے خان کا ہوا ہے۔"

ابھی یہ بحث جاری تھی کہ ایک منگول خادمہ گھبرائے اندر آ کر یہ خبر سنائی کہ "اوغدائی قبیلے نے اس کے حکم کے خلاف قدم اٹھایا ہے اور اپنی لڑکیوں کی شادیاں خاموشی سے پہلے ہی کے نوجوانوں سے کر دی ہیں۔"

اوغدائی کا چہرہ غصے میں نہایت بھیانک ہو گیا۔ اس نے حکم دیا۔ "اوغدائی والوں کو حکم دو کہ وہ اسی وقت اپنی سات سال سے اوپر کی لڑکیوں اور نئی شادی شدہ دلہنوں کو لے کر آبادی کے باہر میدان میں جمع ہو جائیں۔ یہ میرا حکم ہے۔ اوغدائی کا جو بوگدو (شہزادہ) کا جانشین ہے۔"

ایک تہلکا مچ گیا۔ آناً فاناً منگول شہ سوار دوان دوان نظر آنے لگے جو خاقان اعظم کے حکم کی تعمیل کرانے کی غرض سے اوغدائی قبیلے کی طرف پھلگے چلے جا رہے تھے۔

بات صرف اتنی سی تھی کہ خاقان اوغدائی قبیلے کی لڑکیوں کی شادیاں کہیں اور کرنا چاہتا تھا جب قبیلے والوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی لڑکیوں کی شادیاں چپ چپاتے قبیلے ہی کے نوجوانوں سے کر دیں اور جب خاقان کو اس سرتابی کی خبر ملی تو وہ آپے سے باہر ہو گیا میں واپس جانے کا خواہشمند تھا لیکن خاقان نے مجھے روک لیا۔

جب ہم خاقان اور لیوچت سائی کے ساتھ اس میدان میں پہنچے جہاں اوغدائی قبیلے والے اپنی لڑکیوں اور نئی شادی شدہ دلہنوں کے ساتھ میدان میں جمع ہو چکے تھے۔ سے پہلے ہی منگولوں کا عظیم الشان اجتماع ہو چکا تھا۔ یہ لوگ یہ دیکھنے آئے تھے کہ خاقان انہیں سزا دیتا ہے۔

میدان میں چار ہزار لڑکیاں اور دلہنیں جمع تھیں۔ ان کے پیچھے قبیلے کے مرد ہراساں خوف کے عالم میں خاقان کے فیصلے کے منتظر تھے۔ اوغدائی نے اردو (لشکر) کے افسروں کو دیا۔ "لڑکیوں اور دلہنوں کو دو قطاروں میں کھڑا کیا جائے۔"

حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ خاقان لیوچت سائی اور مجھے لے کر قطاروں کے درمیان داخل ہو گیا۔ اور دونوں قطاروں کی لڑکیوں اور دلہنوں میں سے اپنی پسند کی الگ کرنے لگا۔ لڑکیاں اس کے انتخاب میں آ چکی تھیں اس کے بعد اس نے اپنی فوج کے سرداروں کو حکم دیا وہ بھی اپنی اپنی پسند کی لڑکیاں چن لیں۔

پھر وہ میری طرف گھوما اور کہنے لگا۔ "تو کیا دیکھتا ہے، تو بھی اپنی پسند کی ایک حاصل کر سکتا ہے۔"

مجھے معلوم تھا کہ خاقان کے حکم کی تعمیل نہ کرنے کا کیا مطلب تھا۔ میں نے بھی ایک لڑکی اپنے لیے الگ کر لی۔ سب سے آخر میں اوغدائی نے فوج کے عام سپاہیوں کو حکم دیا کہ "جسے جو بھی پسند آئے اپنے ساتھ لے جائے۔"

دیکھتے ہی دیکھتے ساری لڑکیاں میدان سے غائب ہو گئیں۔

خاقان نے بے بہرت دیا اور مظلوم و مجبور اور ترائی مردوں کی طرف دیکھا اور درشت لہجے میں چیخ کر کہا۔ "میں نے خاقان کی حکم عدولی کی سزا تمہیں معاف کیا جاتا ہے تم سب اپنے قبیلے میں واپس جاؤ۔"

جب خاقان کی پسندیدہ لڑکیوں اور دلہنوں کا گلہ اس کے یورت کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو ان خوش و خرم منگولوں میں لیوچت سائی تنہا وہ شخص تھا جو بہت اداس تھا۔

خاقان نے مسکراتے ہوئے اس چینی دانا کو دیکھا اور کہنے لگا۔ "اس سال تو میں نے خود ہی اپنے لیے عورتوں کا انتظام کر لیا ہے لیکن آئندہ سال سے یہ کام تجھے انجام دینا ہوگا۔"

لیوچت سائی نے خفگی سے جواب دیا۔ "جب گڈریا خود ہی بھیڑیا بن جائے تو اس کے گلے کی حفاظت کون کر سکتا ہے۔ میں بار بار یہی کہوں گا کہ خاقان کو اس میٹھے زہر سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ یہ زہر تو ہڈیوں کے گودے تک میں اتر جاتا ہے اور اسے کھوکھلا کر کے ہلاک کر دیتا ہے۔"

اوغدائی اس طرح ہنسا گویا آج اس نے لیوچت سائی کو شکست دے دی تھی۔

جب میں لڑکی کو لے کر اپنے یورت میں داخل ہوا تو اس وقت میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ یہ خبر کسی طرح خیرمانی کو ہو جائے اور وہ دوڑی دوڑی میرے پاس آ جائے۔ میں اس کے قبلی تاثرات کا اس کے چہرے سے اندازہ لگانا چاہتا تھا۔

میری توقع کے مطابق خبر سنتے ہی وہ بھاگی ہوئی میرے یورت میں آئی اور لڑکی کو سر سے پیر تک نہایت غور سے دیکھا مگر خیرمانی کے حسن سے اس کا کوئی مقابلہ نہ تھا لیکن یہ خیرمانی سے کم عمر ضرور تھی۔ میں نے دیکھا وہ لڑکی کو دیکھ کر بہت جل رہی تھی۔

اس نے کہا۔ "چنید! اس لڑکی کو تم اوغدائی والوں میں واپس بھیج دو۔"

میں نے کہا۔ "واہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے، یہ خاقان کا تحفہ ہے جو اس نے مجھے عطا کیا

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

ہے، میں خاقان کی بے حرمتی کس طرح کر سکتا ہوں۔"

خرمانی جیسے اپنے ہوش میں نہ تھی، بولی۔ "کیا تم مجھے میرے وعدے سے واپس لوٹا رہے ہو؟"

"نہیں تو!" میں نے اسے چھیڑا۔ "میں اب بھی اس وقت کا انتظار کروں گا جس تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔"

وہ کہنے لگی۔ "اگر تم مجھے چاہتے ہو تو تمہیں اس لڑکی سے پرہیز کرنا پڑے گا۔"

"یہ کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا تم دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں؟"

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

میں نے سوچا خرمانی سے اب بآسانی معاملہ ہو سکتا ہے، میں نے دریافت کیا۔ "کیا میرے ساتھ ہرات چلنے پر آمادہ ہو؟"

"نہیں۔"

"یہاں رہ کر میں خاقان کے تحفے کو اپنے پاس رکھنے پر مجبور ہوں!"

معلوم نہیں کیا سوچ کر بولی۔ "اچھا، کچھ سوچنے کا مجھے وقت دو۔" پھر پوچھا۔ "صبح شام کا کھانا میرے یورت میں کھانا پسند کرو گے؟"

"کیوں نہیں، میں تمہاری دعوت کس طرح ٹال سکتا ہوں؟"

اس نے کہا۔ "ہاں آنا ضرور، کھانے کے بعد تفصیلی باتیں کروں گی اور شاید کچھ اور بھی۔"

وہ چلی گئی، اور میں اس وقت یوں بہت خوش تھا کہ میں نے اس سرکش، مذہب اور چالاک لڑکی کو بہت زیادہ سنا لیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اب وہ میرے قابو آ کر رہے گی۔

شام کو جب میں اس کے یورت میں داخل ہوا تو پتہ چلا کہ وہاں کچھ اور مہمان بھی آئے ہوئے ہیں، یورت میں پچاس قندیلوں والا فانوس روشن تھا اور یورت میں دن جیسی روشنی پھیلی ہوئی تھی، اس وقت خرمانی بہت خوش تھی، اور اس کے انگ انگ سے شادمانی کا اظہار ہو رہا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی اور دیکھتے دیکھتے عورتوں اور مردوں کا ایک اچھا خاصا اجتماع ہو گیا۔ یورت میں مختلف رنگ و نسل کے مہمان جمع تھے، میرا ان سے تعارف کرایا گیا۔ یورت کے مغربی گوشے میں جو جوڑا بیٹھا تھا وہ میری توجہ کا خاص مرکز بن گیا،

تو منگول تھا لیکن لڑکی اپنی طرف کے خدوخال رکھتی تھی، مجھے شبہ ہوتا تھا کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے، لڑکی بھی مجھے بار بار [illegible] تھی، خرمانی نے اس جوڑے سے میرا تعارف نہیں کرایا تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا۔ "خرمانی! تم نے اس جوڑے کا تعارف نہیں کرایا؟"

کہنے لگی۔ "پہچانو۔ ان کا تعارف غائبانہ کراؤں گی، وہ بھی اس وقت نہیں، کل صبح تمہیں اس یورت میں آنے کی زحمت ایک بار اور گوارا کرنا پڑے گی!"

پھر میرا دم گھٹنے لگا۔ سر چکرا گیا۔ میں نے اس لڑکی کو پہچان لیا تھا، یہ روشنک تھی میری چچازاد بہن، میری منگیتر، وہ بار بار مجھے دیکھ رہی تھی، شاید اس نے بھی مجھے پہچان لیا تھا یا پھر پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی، اس وقت میں اپنے قابو میں نہ تھا۔ میں کسی سے کچھ کہے سنے بغیر یورت کے باہر چلا گیا۔ باہر اندھیرا پھیل چکا تھا لیکن تاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں، کچھ دیر بعد بہت کچھ نظر آنے لگا۔ اتنے میں ایک شخص یورت کے اندر جھانکتا ہوا پاس سے گزرا، میں نے اسے پکڑ لیا کیونکہ بغیر اجازت چوروں کی طرح یورت میں جھانکنا، یاسا میں جرم قرار دیا گیا تھا جب اس شخص کا چہرہ سامنے آیا اور اس کے منہ سے بے ساختہ "کون ہے؟" کی آواز نکلی تو میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ عباس تھا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا اور جب یہ پوچھا کہ "وہ اندر کیوں جھانک رہا تھا؟" تو وہ جواب دیئے بغیر ہی فرار ہو گیا۔

میں اس وقت تک باہر ہی رہا جب تک کہ مہمان کھانا کر رخصت نہ ہو گئے اور مجھے اس بات کی حیرت تھی کہ خرمانی مجھے بلانے بھی نہ آئی، وہ گویا میری موجودگی فراموش کر چکی تھی، اسے اپنی ہتک تصور کرتے ہوئے میں اپنے یورت چلا گیا اور پوری رات میں نے کرب و اضطراب میں گزار دی، وہ کسی طرح بھی خرمانی سے کم حسین نہ تھی، میں دل ہی دل میں رات بھر یہ دعا مانگتا رہا کہ خدا کرے اس کے ساتھ والا منگول اس کا جبری شوہر نہ ہو۔ پھر میرے کانوں میں خرمانی کی یہ آواز گونجی کہ "پہچانو۔" میں نے سوچا کہ "کیا خرمانی، روشنک اور میرے تعلق سے آگاہ ہے؟" وہ رات قیامت کی رات تھی، صبح جب فجر کی اذان ہوئی، میں جاگ رہا تھا۔

دھوپ چاروں طرف پھیل گئی تھی، میں بے چینی سے خرمانی کا انتظار کر رہا تھا۔ اللہ اللہ کر کے خرمانی آئی تو فوراً یہ سوال کیا۔ "کل رات تم کہاں چلے گئے تھے؟"

میں نے جواب دیا۔ "گھر چلا آیا تھا۔" اس کے بعد میں نے پوچھا۔ "خرمانی! میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، کیا تم اس کا صحیح صحیح جواب دو گی؟"

"پوچھو، کیا پوچھنا چاہتے ہو، لیکن شاید جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو، میں جانتی ہوں!"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

"تم کیا جانتی ہو؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

"یہی کہ تم روشنک کی بابت کچھ پوچھو گے جو کبھی تمہاری منگیتر تھی لیکن اب وہ ایک معزز منگول کی بیوی ہے!"

میری آنکھوں تلے اندھیرا پھیل گیا لیکن خرمانی کی آواز بدستور سنائی دیتی رہی۔ "مجھے تمہاری بابت بہت پہلے ہی سب کچھ معلوم ہو چکا ہے جب میں نے روشنک سے تمہارا ذکر کیا تھا تو وہ تمہارا نام سنتے ہی تمہیں پہچان گئی تھی، کئی بار میرے جی میں آئی کہ تمہیں اس راز سے آگاہ کر دوں لیکن یہ سوچ کر خوفزدہ ہو گئی کہ تم ذرا بے صبرے نوجوان ہو فوراً کوئی ایسی ویسی حرکت کر گزرو گے، جس سے تم دونوں کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ تم مجھ سے عشق کرتے رہے اور میں بھی تمہارے مصنوعی عشق میں مبتلا رہی۔" کچھ دیر کے لئے وہ چپ ہو گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اب وہ جو باتیں کہنا چاہتی ہے، خدا احتیاط اور سوچ سمجھ کے بعد کہنا چاہتی ہے۔

میں نے دکھ بھری آواز میں کہا۔ "تم چپ کیوں ہو گئیں، سب کچھ صاف صاف کہہ دو خرمانی۔"

وہ کہنے لگی۔ "اس درمیان میں اس کوشش میں لگی رہی کہ کسی طرح روشنک کو یہاں سے فرار کرا دوں لیکن یہ بڑا دشوار کام تھا اسی لئے میں نے تمہیں روک رکھا تھا جب وہ چلی جاتی تو میں تمہیں بھی یہاں سے رخصت کر دیتی لیکن میں آج تک اپنے اس منصوبے میں ناکام ہوں۔"

میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ "روشنک کے ساتھ اس کی ماں بھی تو یہاں آئی تھیں؟"

"ہاں، وہ یہاں آنے کے ایک سال بعد ہی انتقال کر گئیں، وہ خود کو اس ماحول کا عادی نہ بنا سکیں۔"

میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، میں نے اوپر نظر جو اٹھائی تو پتہ چلا کہ خرمانی بھی رو رہی ہے۔

میں نے پوچھا۔ "تم کیوں رو رہی ہو خرمانی؟"

اس نے اپنی حالت پر قابو پانے کی ناکام کوشش کی، بولی۔ "یہ خوشی کے آنسو ہیں!" پھر رک کر بولی۔ "میں نہیں چاہتی تھی کہ روشنک کے ہوتے ہوئے تم اور ترات لڑکی کو اپنے ساتھ رکھو۔"

مجھے اس بے مثل کردار کی لڑکی سے بہت زیادہ محبت محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے اچانک ایک عجیب سوال کیا۔ "کہو! اب تم خرمانی کے لئے کیا فیصلہ کرو گے؟ کیا تمہیں اب بھی مجھ سے محبت ہے؟"

اس کا جواب بہت مشکل تھا۔ پھر بھی آنکھیں بند کر کے منہ کھول دیا۔ "مجھے تم سے بھی محبت ہے خرمانی!"

"پاگل، احمق، بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ تم ایک وقت میں دو لڑکیوں سے محبت کرو۔"

میں نے جواب دیا۔ "یہ بات ممکن ہو یا ناممکن، لیکن سچ ضرور ہے اب میں تمہیں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

خرمانی نے کہا۔ "بکواس، فضول باتیں۔ اب تمہیں فوراً ہی یہاں سے چلا جانا ہے۔"

"کہاں؟"

"ہرات!"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ اب یہاں مزید رکنا بے کار اور خطرناک ہے میں تم پر اعتبار نہیں کر سکتی، تم بے احتیاطی میں ضرور کوئی ایسا قدم اٹھا سکتے ہو جس سے تمہاری اور روشنک کی جانیں ہلاکت میں پڑ جائیں!"

میں نے اسے لاکھ اپنی احتیاط پسندی اور محتاط روی کا یقین دلانے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں مانی۔ میں اسے یہ بات کس طرح بتاتا کہ اب میرے دل میں روشنک سے زیادہ خود اس کی محبت کارفرما تھی۔

اس نے کہا۔ "تم فکر نہ کرنا، تم ہرات میں روشنک کا انتظار کرنا، میں اس کو کسی بھی طرح بھیج دوں گی!"

میں نے جواب دیا۔ "لیکن یہاں سے جا ہی کون رہا ہے، میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ اپنی پوری زندگی یہیں قراقرم میں گزار دوں گا۔"

"ابھی تم یہاں کے رسم و رواج سے اچھی طرح واقف نہیں ہوئے، بس یہ سمجھ لو کہ کسی وقت اور کسی بھی لمحے تم یہاں کسی مصیبت میں گرفتار ہو سکتے ہو۔"

لیکن اس وقت میری سمجھ میں اس کی باتیں نہیں آئیں۔

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

میں برابر اس کوشش میں رہا کہ کسی بھی طرح ایک بار میں روشنک کو اور دیکھ لوں لیکن خرمانی نے میری درخواست مسترد کر دی اور یہی ضد کرتی رہی کہ میں قراقرم سے جلد از جلد نکل جاؤں۔

ایک دن اس نے اپنے بچے سے بھی میری ملاقات کرادی، وہ بالکل منگول تھا۔ آنکھیں بھینچے، کان اور سر سب کچھ منگولوں ہی جیسا تھا۔ اسے سینے سے چمٹا کر کہنے لگی "اب تو میں اس کے سہارے زندہ ہوں، صرف اس کے لئے، یہ امتاً بڑا ہو کر بڑا فرد بنے گا، یہ میرا دل کہتا ہے، اسی لئے میں اس کو قراقرم میں رکھنا چاہتی ہوں، یہ خاتین کی بستی ہے، اس بستی کے سوا جو کچھ ہے مفتوحین کا ہے۔"

اس دن مجھے اس کا صحیح اندازہ ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کو کس قدر چاہتی ہے۔

بڑی دیر سے بادل گھر گھر کر آ رہے تھے، میں بارش سے پہلے ہی اپنے یورت میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ یورت میں اور مرات لڑکی تنہا تھی، لیکن خرمانی نے مجھے روک رکھا تھا کہ بارش ہونے ہی والی ہے، جب یہ ہو چکے، میں چلا جاؤں، اور ذرا دیر بعد واقعی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی بارش کے ساتھ دم بدم زور زور سے بجلی چمکتی اور بار بار اس کا کڑکا ہوتا۔ منگولوں کا بہت برا حال ہوگا، کیونکہ میں نے سن رکھا تھا کہ وہ بجلی اور اس کے کڑکے سے بہت ڈرتے ہیں تقریباً نصف ساعت زور کی بارش ہوتی رہی، ایک بات اتنی زور سے بجلی کڑکی کہ خرمانی نے بچے کو اپنے سینے سے لگا کے انگلیاں کانوں میں دے لیں۔ میں نے بجلی کو زمین کی طرف آتے دیکھا تھا اور مجھے یقین تھا کہ بجلی کہیں قریب ہی گری ضرور ہے۔

جب پانی رکا اور بادلوں کا گرجنا اور بجلی کا چمکنا موقوف ہوا تو شاید سارے ہی منگول اپنے اپنے یورتوں سے باہر آ گئے اور اس سمت چل پڑے جدھر بجلی گری تھی۔

خرمانی نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ "معلوم نہیں وہ کون بدقسمت ہے جس پر جادوانی نیلے آسمان کا یہ قہر نازل ہوا ہے!"

میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔ اس نے پوچھا۔ "بجلی کدھر گری تھی؟"

میں نے اس طرف اشارہ کر دیا۔ ادھر ہی میرا یورت بھی تھا۔ بولی "خدا نہ کرے، تمہارا یورت بھی تو اسی طرف ہے!"

"ہاں مگر کیوں؟"

وہ کہنے لگی۔ "بجلی جس یورت پر بھی گری ہوگی وہ رانڈہ درگاہ قرار پائے گا، یہ منگول اس شخص یا خاندان کو نہایت منحوس سمجھتے ہیں، جس پر یہ آسمانی قہر نازل ہو۔"

اب تو میں بھی سہم گیا اور ڈرا کہ کہیں وہ میرے ہی یورت پر نہ گری ہو۔

دھڑکتے دل اور لرزتے قدموں سے جب میں اپنے یورت کے قریب پہنچا تو پتہ چلا کہ وہ بہت سارے منگولوں کے محاصرے میں ہے، بجلی اسی پر گری تھی، میں نے لوگوں کو باتوں سے ادھر ادھر ہٹانا چاہا تو ان میں سے کچھ نے مجھے پہچان لیا اور بدک کر دور ہو گئے پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہر شخص مجھ سے دور بھاگنے لگا۔ میں ان کی نظر میں منحوس انسان تھا۔ ایسا منحوس انسان، جس پر نیلے آسمان کی جادوانی قوت نے اپنا جلال بھیجا تھا۔

میں ڈرا سہما یورت میں داخل ہوا۔ مجھے امرات لڑکی کا خیال آیا تھا۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ میں نے کس طرح روشنی حاصل کی، یہ کچھ میرا ہی دل جانتا ہے کیونکہ وہاں کا ہر شخص مجھ سے نفور اور خوفزدہ تھا۔ جب میں موم بتی لے کر اندر داخل ہوا تو وہاں ایک چوکی پر بھجلسی ہوئی امرات لڑکی دکھائی دی، میرے منہ سے چیخ نکل گئی اور میں اس کے سرھانے بیٹھ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔

علی الصباح خاقان کا آدمی آیا اور مجھے بلا لے گیا۔ اس دن مجھے خاقان کے یورت میں داخلے کی اجازت بھی نہ مل سکی، خاقان چند ترکمان یا شیوں اور ترخانوں کے ساتھ یورت کے دروازے پر تو رونق ہوا اور افسوسناک لہجے میں بولا۔ "افسوس کہ تو نے خانوں کے بچوں کو پڑھایا لکھایا ہے اور تو وہی ہے جسے ایک بار نیلے آسمان کی جادوانی قوت نے موت کے منہ سے بچایا تھا لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ اب آسمانی دیوتا تجھ سے ناراض ہو چکے ہیں اور رات تیرا یورت جلال آسمانی سے جھلس گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ ابھی ہمیں نہیں معلوم، لیکن میں نے سنا ہے کہ تو نے خان کی بیوی سے دوستی کر رکھی ہے، میرے آدمی تحقیقات کر رہے ہیں اگر کوئی ایسی ویسی بات ثابت ہو گئی تو تو خرمانی کے ساتھ ہی ہلاک کر دیا جائے گا۔ ورنہ تجھے دو دن کے اندر ہی یہاں سے چلا جانا ہے۔"

میں خاموش رہا۔ اوغدائی نے چبھ رہ کر میرے جواب کا انتظار کیا، پھر پوچھا۔ "تجھے کچھ کہنا ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "خاقان کے حکم کی تعمیل مجھ پر واجب ہے، میں دو دن کے اندر ہی قراقرم سے چلا جاؤں گا۔"

اوغدائی نے پوچھا۔ "تجھے کسی چیز کی ضرورت ہے؟"

میں نے نفی میں گردن ہلا دی، لیکن خاقان نے میرے انکار کے باوجود سونے کی بیس

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

سلامتیں مجھے عنایت کیں، اور کہا۔ "تو عزیب تاجر ہے یہ سلامتیں تجھے اس لئے دی جارہی ہیں تاکہ اپنے وطن جاکر یہ نہ کہہ سکے کہ خاقان بخیل تھا اور اس کے گھر میں تاجروں کی قدردانی نہیں ہوتی۔"

اب میں خرمانی سے کس طرح مل سکتا تھا۔ میں نے اپنا سامان سمیٹا۔ عباس سے آیا اور پیش آنے والے سانحے پر افسوس کا اظہار کیا۔ میں نے پوچھا۔ "تم کب چلو گے کہنے لگا۔ "میں ابھی رہوں گا!"

میں سمجھ گیا کہ یہ ضرور کسی چکر میں پڑ چکا ہے اور کسی نہ کسی دن میری ہی طرح ذلیل کر کے نکالا جائے گا۔

خاقان کے آدمیوں نے خرمانی اور میرے معاملے کی تحقیقات کی اور ہمیں بے گناہ قرار دیا۔

جب میں قراقرم سے رخصت ہوا تو خرمانی کے سوا کوئی بھی میرے پاس نہ آیا۔

خرمانی نے کہا۔ "چندا! میری بات یاد رکھنا، تم شادی میں عجلت سے کام نہ لینا۔ ہو سکے تو تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ روشک کو ضرور بھیج دوں گی۔"

میں نے نہ سمجھی ہوئی آواز میں کہا۔ "خرمانی! اب مجھے روشک سے زیادہ تمہاری ضرورت ہے، تم معلوم نہیں کیوں میری بات نہیں سمجھتیں!"

"کیوں اتم پاگل ہو گئے ہو، ہاں تو وعدہ کرو کہ تم شادی میں عجلت سے کام نہ لوگے؟"

میں نے وعدہ کر لیا۔ تب کہیں اس نے جانے کی اجازت دی۔

ایک چھوٹا سا قافلہ قرہ غطائی کی طرف جا رہا تھا، میں بھی اسی میں شامل ہو گیا۔ میں نے کئی بار پلٹ پلٹ کر دیکھا، خرمانی آنکھوں پر ہاتھ رکھے مجھے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

اس وقت میں تاجر تھا۔ جب میں نے اپنے نفع نقصان پر غور کیا تو پتہ چلا خسارے کے سوا کچھ بھی نہیں ملا۔

قرہ غطائی سے ذرا پہلے شاہراہ ریشم کے آس پاس اوغدائی کا چھوٹا بھائی تولی اپنے عظیم لاؤ لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ وہ کسی علاقے کو فتح کر کے آرہا تھا۔ میرے پاس پانی کم پڑ گیا۔ میں ان کے لشکر میں پہنچا اور بے تکلفی سے پانی مانگنے لگا۔ میں نے جس

شخص سے پانی مانگا تھا وہ اپنے تھیلے الٹ کر کسی شے کی گنتی کر رہا تھا۔ میں اس کے اور زیادہ قریب پہنچ گیا، وہ حقیقتاً انسانوں کے کٹے ہوئے کانوں کا ڈھیر لگا رہا تھا۔ میں پانی مانگنا بھول گیا۔ اس سے پوچھا۔ "یہ کان کس کے ہیں؟" "دشمن کے!" یہ کہہ کر وہ کانوں کی گنتی کرنے لگا۔

جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو اس نے کہا۔ "دراصل ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ ہماری قوم جب دشمنوں پر فتح حاصل کرتی ہے، اور ہم ان کے مقتولوں کی گنتی کرنا چاہتے ہیں تو ہم لوگ ان کے داہنے کان کاٹ لیتے ہیں پھر اطمینان سے ان کی گنتی کرتے رہتے ہیں۔"

میں نے کسی نہ کسی طرح اس سے پانی لیا اور وہاں سے چلا آیا۔

جب میں سرائے میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا، احمد تاجر آنے والے تاجروں میں مجھے اور عباس کو تلاش کرتا پھر رہا ہے، میں اس سے چمٹ کر بہت رویا۔

اس نے عباس کی بابت سوالات کئے۔ میں نے احمد تاجر کو پورا واقعہ سنا کے کہا۔ "اس نے تو میری جان لینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی لیکن قسمت تھی جو بچ گیا۔"

احمد تاجر نے بے چینی سے پوچھا۔ "لیکن وہ واپس کیوں نہیں آیا؟"

میں نے جواب دیا۔ "کسی چکر دل لگا بیٹھا ہوگا۔"

تاجر نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "ہاں تیری بات درست ہی ہوگی، کچھ اور لوگوں نے بھی مجھے یہی بات بتائی تھی۔" اس کے بعد اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بولا "بس خدا بیٹی کا خیال تھا، اگر وہ نہیں آتا تو نہ آئے مجھے بھی اس کی کوئی پرواہ نہیں، یہ کیا کم ہے کہ تم لوگ آگئے۔ اب تم ہی میرے لئے سب کچھ ہو!"

میں خاموش رہا۔ میں اس سے یہ کہہ سکتا تھا کہ للہ مجھ سے کوئی غلط توقع نہ لگانا کیونکہ میں بھی کسی کا پابند ہوں اور مجھے بھی کسی کا انتظار کرنا ہے۔ لیکن کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

میں نے اس وقت تک سرائے ہی میں رہنے کا منصوبہ بنایا جب تک روشک آ نہیں جاتی تاجر دن کے قافلے ادھر ادھر آتے جاتے رہتے لیکن میں پتھر کی طرح سرائے ہی میں پڑا رہا۔ میں نے بتدریج احمد سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ وہ اس تبدیلی پر حیران تھا، وہ پوچھتا تھا کہ آخر مجھے ہو کیا گیا ہے۔

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

میں جب بھی یہ خبر پاتا کہ چین کی عظیم تجارتی سڑک، شاہراہِ ریشم سے کوئی قافلہ آ رہا ہے، میں پڑاؤ پہنچ جاتا اور روشنک کو تلاش کرتا رہتا لیکن پھر ناکام واپس آتا۔ اسی طرح تین آٹھ ماہ گزر گئے۔ ایک دن مغرب سے ذرا پہلے ہرات کی سرائے کا آدمی میرے پاس آیا اور کہا کہ چین کے شمال سے ایک عورت آئی ہوئی ہے اور مجھ سے ملنا چاہتی ہے، میں سمجھ گیا کہ روشنک ہی ہوگی، فرطِ خوشی میں بھاگا ہوا سرائے پہنچا۔ جب میں سرائے کی کوٹھری میں داخل ہوا تو تھوڑی دیر کے لئے مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ سامنے روشنک کی جگہ خرمانی بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"خرمانی یہ تم؟"

وہ بہت افسردہ اور ملول تھی، صحت بھی گر چکی تھی۔ تھوڑی دیر تک ڈبڈبائی آنکھوں سے اس نے مجھے دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر مجھ سے چمٹ گئی۔ "انہوں نے میرا بچہ چھین کر مجھے نکال دیا جنید!"

میں نے بھی اسے پوری طاقت سے چمٹا لیا اور آہستہ آہستہ اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ میں نے کہا۔ "تم مت رو خرمانی، مجھے تمہاری ہی ضرورت تھی، مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔ آج میں بہت خوش ہوں۔"

ہم دونوں اس طرح کچھ دیر تک ہم آغوش روتے رہے، اس کے بعد میں اسے اپنے گھر لے آیا۔ پہلے میں اپنے گھر میں تنہا تھا اور گھر بھائیں بھائیں کرتا تھا، خرمانی کے آتے ہی وہ آباد ہو گیا اور اس کے در و دیوار مسکرانے لگے۔

رات دیر تک ہم دونوں باتیں کرتے رہے، خرمانی نے مجھے جو داستان سنائی وہ بڑی افسوسناک تھی، خسرمانی کو اس جرم میں کہ وہ آسمانی جلال کے معتوب انسان کو پناہ دینے کے بعد تک رخصت کرنے کیوں گئی، بڑی اذیتیں دی گئیں، اس کا سماجی قطع تعلق ہوا، اس کے بچے کو، اس سے دور رکھا گیا اور آخر اسے مجبور کیا کہ وہ قراقرم چھوڑ کر کہیں بھی چلی جائے، اسے اس مصیبت میں، میں یاد آیا۔

میں نے پوچھا۔ "روشنک کا کیا حال ہے؟"

خرمانی نے جواب دیا۔ "اس نے وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی لیکن پکڑی گئی اور اس کے سر میں کیلوں سے لاتعداد سوراخ کر کے جھیل میں ڈبو دیا گیا۔"

مجھے جھرجھری آ گئی اور معلوم نہیں کیوں، مجھے اس خبر سے صدمہ نہیں پہنچا۔

میں نے عباس کی خیریت پوچھی تو کہنے لگی۔ "یہ بات میں اب تمہیں بتاتی ہوں کہ

روشنک ہی تو تھی جس کی وجہ سے عباس وہاں رکا ہوا تھا۔ سامانِ تجارت کی خریداری کے دوران ایک کا دوسرے سے سامنا ہو گیا تھا۔ پھر عباس اس کے گرد چکر لگاتا رہا۔ لیکن یہ میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ خود روشنک عباس پر ملتفت نہ تھی، وہ عباس کے ساتھ فرار ہو کر اس ماحول سے نکلنا ضرور چاہتی تھی، چنانچہ روشنک کے ساتھ عباس کو بھی موت کی سزا بھگتنا پڑی۔"

اسی لمحے مجھے یاد آیا کہ جس رات میں نے روشنک کو خرمانی کے ہاں دعوت میں دیکھا تھا عباس کو بھی بلورت کے باہر ٹہلتے ہوئے پایا تھا۔

میں نے خرمانی سے شادی کر تو ضرور لی لیکن اس کے بعد مجھے جن اذیتوں اور دکھوں کا سامنا کرنا پڑا وہ بڑا ہولناک ہے، وہ ہر وقت اپنے بچے کو یاد کرتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی تو یہاں تک پاگل پنے کا دورہ پڑتا ہے کہ غصے میں یہ کہنے لگتی ہے کہ تمہارے پہنچنے سے پہلے میں کتنی خوش تھی لیکن یہ تم ہو جس نے مجھے اپنے بچے سے جدا کر دیا اور یہ تم ہو جس نے مجھ سے قراقرم چھڑوا دیا۔ مجھے گھر سے بے گھر کیا۔"

میں اسے ہر طرح یہ سمجھانے کی کوشش کرتا رہتا ہوں کہ تمہارا گھر قراقرم میں نہیں، خوارزم اور لہریافارس میں ہو سکتا ہے۔"

لیکن وہ میری کوئی بات نہیں مانتی، میں نے سوچا تھا کہ جب اس کے ایک [illegible] ہو جائے گا تو اس کی طبیعت میں ٹھہراؤ آ جائے گا لیکن اب جبکہ وہ ایک لڑکی اور ایک لڑکا پیدا کر چکی ہے، اپنے منگول بچے کو برابر یاد کرتی رہتی ہے اور اس کے دل میں یہ بات پتھر کی لکیر کی طرح جم گئی ہے کہ اس کا بیٹا جوان ہو کر خاقان ضرور بنے گا اور ایک نہ ایک دن وہ سارا لاؤ لشکر، جو منگولوں کی فتوحات سے بچا ہوا ہے، اس کا خاقان بیٹا اسے بھی فتح کرے گا اور اس وقت وہ ایک بار پھر قراقرم واپس جائے گی، خرمانی کی حیثیت سے نہیں، خاقان کی ماں کی حیثیت سے، جس کی پوری اردو تومان باشی، ترخان، ارخان اور شامان وغیرہ عزت و تکریم کریں گے۔"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

بزورِ شمشیر

شہر کے نامی گرامی ادباشوں اور لفنگوں نے نوعمر اور ناتجربہ کار شہزادے میراحمین کو پیشنے میں اتار لیا۔ یہ شہزادہ احمد نگر کے حکمراں مرتضیٰ نظام شاہ کا بیٹا اور جھانبازی کا بھتیجا تھا خود اعتمادی سے محروم شکی اور حسابیے اور جیون کی حد تک مذہب کا دل دادہ مرتضیٰ نظام شہزادے کی تعلیم و تربیت پر کوئی توجہ نہ دے سکا تھا اور شہر کے جہاں دیدہ اوباشوں کو یہ معلوم تھا کہ احمد نگر کے مستقبل کی حکمرانی میراحمین کی تقدیر میں لکھی جا چکی ہے اس لئے انھوں نے اپنی چکنی چپڑی باتوں اور اعلیٰ رہنے کے مصاحب کے منصب شہزادے کا اعتماد حاصل کر لیا۔ اب شہزادے کا عزیز ترین مشغلہ یہ تھا کہ منصب و مرتبہ کا امتیاز کئے بغیر وہ ہمجولیوں سے لیس ہو کر شہر کی محلے سے نکلتا اور اپنے اوباش ساتھیوں کے ہمراہ کمزوروں کو نشانہ بنا کر تیر چلاتا جسے چاہتا تیر سے چھید کر خاک میں ملا دیتا اور کسی راہ گیر کی شامت آجاتی تو شہزادہ تلوار کے ایک ہی وار سے اسے زمین پر لٹا دیتا، لوگ اس سے اتنے زیادہ دہشت زدہ ہوئے کہ وہ جس راہ سے گذرتا دور دور آدمیوں کا پتہ نہ چلتا، وہ جائے بے دوراں کی حسرت آبادی میں ڈھنڈورا پھرتا اور ویرانی اور سنسانی ہر قدم پر اس کی پیشوائی کو حاضر رہتی۔

باغ نظام گے۔ باہر کالے چبوترے پر اوباشوں کا مجمع تھا اور سامنے کے میدان میں شہزادہ اپنے ہم نشینوں کے ساتھ چوگان بازی میں مشغول تھا۔ وہ اپنے مشکی رنگ کے گھوڑے پر پانچ بار کوشش کر چکا تھا لیکن نشانے کی ٹھوکری کو تیزی سے اچھالنے میں ناکام رہا۔ چہرہ گرد و غبار اور ناکامی کے تکدر سے دھندلا گیا تھا اس کے اوباش مصاحب تماشائی ناکامی کی صورت میں بھی داد دینے دیر تک تمسخر اڑانے میں مصروف تھے اور پکار رہے تھے کہ اللہ نے چاہا تو حضور اس بار ضرور کامیاب ہوں گے!" شہزادہ مسلسل ناکامیوں سے تنگ آ کے سامنے کی جانب کالے چبوترے پر آن بیٹھا۔ نگاہ دور کر کے تھوڑی دیر بعد وہ پھر گھوڑے کی پشت پر پہنچ گیا اور نیزے کی نوک سے نشانے کی مٹی اکھاڑنے میں مشغول ہو گیا اس بار اسے مسلسل سات بار نیزہ اچھالنا پڑا۔ آٹھویں بار اس نے پھر کوشش کی لیکن ناکام گھوڑا دوڑاتے آگے بڑھتا چلا گیا۔ اسی وقت اس کے سامنے سے ایک نوجوان نے بھاگنے کی کوشش کی، وہ کہیں جا رہا تھا اور شہزادے کو سرپٹ گھوڑا

بھگاتے دیکھا تو ایک طرف بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کی، شہزادے کے گالوں پر خوشی

کی سرخی دوڑ گئی، اس نے بھاگتے ہوئے نوجوان کا تعاقب کیا اور آخر کار کے بجائے اس نوجوان کی پشت میں تیر پیوست کر دیا۔ نوجوان چیخ مار کے گر گیا، شہزادے کے ہاتھ سے نیزہ چھوٹ گیا اور اس کا توازن بگڑ گیا۔ کچھ دور جا کے وہ خود بھی گھوڑے سے گرا، مصاحبین آہ و واویلا کرتے دوڑ پڑے اور شہزادے کو ہاتھوں پر اٹھا لیا گیا کالے چبوترے پر لاتے اور دائیوں سے ہوا دے کر ہوش و حواس میں لانے کی کوشش کرنے لگے کسی مصاحب نے خوشامد از کہا، شہزادے! مبارک ہو آخری بار نشانہ صحیح بیٹھا!"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

شہزادے کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا۔ آہستہ سے کہا: "تم لوگ میرے شکار کو میرے پاس لاؤ۔ میں خوش قسمت کو دیکھنا چاہتا ہوں جس نے مجھے کامیاب اور کامراں کیا!"

مصاحبین تیر کی طرح جنگ کے اس زخمی کو لئے ہوئے شہزادے کے پاس سے آئے۔ اس کی مسیں بھیگ چلی تھیں، خوبصورت اور قیمتی ملکشی کا مالک نوجوان جاں کنی کا عذاب جھیل رہا تھا۔ سخت دل شہزادے نے مسکراتے ہوئے پوچھا: "تمہاری کوئی آخری خواہش؟"

دم توڑتے نوجوان نے اٹک اٹک کے بدقت تمام جواب دیا: "میں چنگیز خان کا بیٹا ہوں، وہ چنگیز خان جو میرے بادشاہ کا مقرب خاص اور اس کے سیاہ و سفید کا مالک ہوا کرتا تھا اور جس کے بادشاہ کی رضا حاصل کرنے کی خاطر جانتے بوجھتے سمرقند کی طرح زہر کا پیالہ پی کے خود کو ہلاک کر دیا تھا۔"

"اچھا!" شہزادہ کھلکھلا کے ہنس دیا: "تمہارے باپ نے میرے باپ کی خاطر جان دے دی اور میری خوشنودی پر جان دے رہے ہو، خوب! اقبال مند بادشاہوں کے نمک خوار ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ پھر ذرا رک کے پوچھا: "کوئی آخری خواہش؟"

جان بہ لب نوجوان نے کراہتے ہوئے کہا: "پہلے اس تیر کو میری پشت سے نکال لیں!"

شہزادے نے بڑی بڑی مونچھوں اور پکے گاؤں والے پستہ قامت مصاحب کو حکم دیا۔ اس کو کھینچ کر نکال دیا جائے!"

مصاحب نے آگے بڑھ کے اوندھے منہ لیٹے ہوئے نوجوان کی پشت پہ اپنا پیر رکھ کر دونوں ہاتھوں کو زور لگا کے تیر کھینچ لیا۔ خون کا فوارہ چھوٹا اور ایک دلدوز چیخ سے میدان گونج گیا۔ نوجوان بے ہوش ہو گیا۔

شہزادے نے مصاحبین کو حکم دیا: "تھوڑی دیر بعد، جب یہ مر جائے تو اس کی لاش اس کے گھر پہنچا دی جائے۔ اس کے بعد میں خود اس کے گھر جاؤں گا اور اس کے ورثا کو کچھ دے دلا کے خوش کرنے کی کوشش کروں گا۔"

پستہ قامت مصاحب نے تقریباً کان میں سرگوشی سے عرض کیا: "حضور والا! یہ خاکسار نے دل کے ورثا سے خوب اچھی طرح واقف ہے۔ ان میں ایک سارہ بھی ہے، یعنی اس نوجوان کی بہن اس کے خون کا بدلہ چاہے۔ اگر حضور وہاں تشریف لے جائیں تو جیب میں مردار مکھی کی ایک تسبیح ضرور لیتے جائیں اور اس کا ورد فرماتے رہیں!"

شہزادے کے دل میں گدگدی سی ہوئی۔ چیں بہ چیں ہو کے ادباشوں کے لہجے میں کہا: "یہ مکھی درد میں کیوں کمی کرتی ہے؟ اگر وہ سارہ ہے تو میں سارہ سے ہی اس سے بچنا چاہتا ہوں اور نہ وہ مجھے ڈس سکتی ہے۔"

شہزادہ میراں حسین دوپہر تک اپنے اوباش مصاحبین کے ہمراہ ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا۔ اس دوران شہزادے نے کسی راہ گیر کو مکا مار دیا، کسی کے کان کھینچ لئے، کسی کی ناک تاک دی، کسی

پشت میں نیزے کی انی چبھو دی اور اپنی ہر حرکت پر زور زور سے قہقہے لگاتا رہا۔ ان قہقہوں میں مصاحبین بھی شریک تھے۔ جب دوپہر کے کھانے میں مصاحبین بھی شریک طعام ہوئے۔ کھانے کے دوران ہی بادشاہ کا منتقم نظام کا مصاحب خاص صاحب خان حاضر ہوا اور ایک متکبرانہ شان سے کھڑا ہو گیا۔ شہزادے کے ایک مصاحب نے کنکھیوں سے صاحب خان کو دیکھا اور آہستہ سے شہزادے کو آگاہ کیا۔ "دل میں کچھ کالا ہے۔"

شہزادے نے نوالہ چباتے ہوئے سر اوپر اٹھایا اور صاحب خان سے پوچھا: "اس بے وقت حاضری کا مقصد؟"

صاحب خان نے مٹھی میں دبیز موٹے کاغذ کی جھلک دکھاتے عرض کیا: "غلام نے اسے بادشاہ تک نہیں پہنچنے دیا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو قیامت آ جاتی اور بادشاہ حضور کے ساتھ معلوم نہیں کیا سلوک کرتے!"

چالاک شہزادہ سب کچھ سمجھ گیا۔ کھڑے ہوئے مصاحبین سے کہا: "تم لوگ کھانے کرو، میں صاحب خان سے کچھ ضروری باتیں کرتا ہوں!"

مصاحبین نے قدرے جھجک کا اظہار کیا لیکن پھر کھانے میں مشغول ہو گئے۔ صاحب خان شہزادے کے ایک کونے میں لے گیا اور مٹھی کا کاغذ شہزادے کے حوالے کرتے ہوئے کہا: "ناچیز نے اسے آگے نہیں جانے دیا۔ اب آپ جانیں اور آپ کا کام!"

شہزادے نے کاغذ پڑھا۔ یہ چنگیز خان کی بیوہ کا زیادہ نامہ تھا جو جوان بیٹے کی موت پہ بادشاہ کے نام شکایت لکھ گئی تھا۔ پڑھ کے شہزادے نے اسے پھاڑ دیا اور کہا: "صاحب خان! میں مغرور کا جانشین ہوں اور ایک ولی عہد کو کیا اپنی دعایا کے جان و مال پر تصرف کا کوئی حق نہیں ہوتا؟"

صاحب خان نے جواب دیا: "بالکل ہوتا ہے لیکن حضور کو تو معلوم ہی ہے کہ بادشاہ سلامت عالم بالا نشین ہیں اور وہ معاملات حکومت میں دخل نہیں دینا چاہتے!"

شہزادے نے پوچھا: "اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

صاحب خان نے جواب دیا: "کچھ نہیں۔ مست رہیں لیکن اس ناچیز کی عزت آبرو کا ضرور خیال رکھیں۔ میں آخر تک اس قسم کی دخل اندازیوں اور فریادوں بادشاہ تک نہ پہنچنے دوں گا!"

شہزادے نے صاحب خان کا مطلب سمجھ لیا اور جواب دیا: "میں مبلغ (رشوت) تمہارے پاس بھجوا دوں گا اور تم اس کی سفارش پر اپنی روک تھام ہٹا دینا!"

صاحب خان نے پہلی قسط اسی وقت رسول کی اور کہا: "حضور! اگر جناب مصاحبین و چنگیز خان کی بیوہ کے پاس ضرور چلے جائیں کہ شکایت کا اگر اسے راضی رکھنے کی کوشش کی گئی تو وہ کسی دن دولت و حکومت کی خدمت میں پہنچ جائے گی اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ بادشاہ سلامت کس مزاج کے آدمی ہیں!"

شہزادہ گھڑ اکیلا پہنچے اسی کا ارادہ تھا کہ وہ مقتول کے گھر ماتم کناں سی میں جائے گا لیکن مصاحبین کی بات چیت کے بعد اس فیصلے کو بدلنا پڑا اور وہ مغرب سے پہلے ہی مقتول کے گھر پہنچ گیا۔ وہاں ایک

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

کہ سلام پڑھا تھا اس وقت تک مقتول کی تجہیز و تکفین ہو چکی تھی اور خاندان کے چند افراد کے سوا
اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے شہزادے نے سلام سے کر سیدھی ادب سے کھڑے ہو گئے۔ ان
کو ایک نظر شناسا نظر آئی۔ یہ فتی شاہ مصاحب خاص بادشاہ تھا۔ نہایت حسین و جمیل، نہایت متناسب
اور توانے ہوئے جسم کا مالک۔ شہزادے کو اچھی طرح معلوم تھا کہ بادشاہ حسن لوگوں پر بہت مہربان ہے
ہے۔ ان میں فتی شاہ کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ فتی شاہ شہزادے کو اپنے سامنے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔
حال خود شہزادے کا تھا۔ اسے گمان گزرا کہ فتی شاہ شاید مقتول کی ماں کی فریاد پر بادشاہ کا بھیجا ہوا
پہنچا ہے۔ فتی شاہ شہزادے کے آگے ذرا جھکا اور ادب سے عرض کیا: "یہ بہت اچھا ہوا جو حضور خود تشریف
لے آئے ورنہ اس قتل کے سلسلے میں جو کچھ کہنے سننے پھر رہے ہیں، اس خاکسار کو ان پر یقین نہیں آتا!"

شہزادے کے چہرے سے کرب فتی ہو گیا اور اسے یقین سا ہو گیا کہ اس کی شکایت بادشاہ تک
ضرور پہنچ چکی ہے۔ اس نے بیساختہ افسوس کا اظہار کیا۔

"میں مقتول کی ماں سے معافی مانگنے آیا ہوں اور یہ بتانے آیا ہوں کہ مجھ سے یہ جرم بھی
غلطی سے ہوا ہے اور اپنی اس غلطی کا تاوان زندگی بھر چکاتے رہنے کا وعدہ کرتا ہوں!"

فتی شاہ اندر کی طرف جاتا ہوا بولا: "یہ بات ہے تو آپ میرے ساتھ آئیے، بادشاہ اور
شہزادوں سے پردہ نہیں کیا جاتا۔ یہ باتیں جو ابھی آپ نے مجھ سے کہی ہیں ان کو مقتول کی ماں سے کہہ دیں،
شاید اسے صبر آ جائے!"

یہ کوئی معمولی شخص کا گھر نہیں تھا۔ چنگیز خان کا چھوٹا سا محل تھا، وہ چنگیز خان جو کبھی احمد
کا سب سے اہم شخص تھا اور جسے بادشاہ کے مزاج میں سب سے زیادہ رسوخ حاصل تھا۔ اندر ر
حصے کے اس پار ایک دلکش خوب صورت باغیچہ تھا۔ وہاں کے سبزے پر چاندنی بچھی تھی اور ا
چاندنی پر ادھر ادھر کئی گاؤ تکیے رکھے تھے۔ بیچ سے ایک حوض سے متصل بھی ہوئی چاندنی پر مختلف عمر کی
خواتین گاؤ تکیوں کے سہارے بیٹھی تھیں۔ فتی شاہ کا اندر جانے کا انداز یہ بتا رہا تھا کہ اسے گھر میں بڑی
حاصل ہے۔ فتی شاہ کے ساتھ ایک جیسی نوجوان کی آمد پر کچھ خواتین بے چینی سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور چادر
اور باہوں سے اپنے چہرے چھپانے لگیں، چند اونچے درختوں کے پیچھے چلی گئیں اور ایک عمر رسیدہ خ
سے مخاطب ہو کر فتی شاہ اپنی جگہ پر ہی اندھے سے بیٹھ گیا۔

فتی شاہ کے چہرے پر ایک خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہو کر غائب ہو گئی۔ اس نے بآواز بلند
خواتین کو مخاطب کیا: "معزز خواتین! شہزادے میران حسین مقتول کی تعزیت کو تشریف لائے ہیں ان سے
بے حجاب ہو کر اپنی جگہوں پر واپس تشریف لے آئیں۔"

جھجھکتے میں گری ہوئی خاتون تعمیل کر آٹھ بیٹھیں اور خوشگوار نظروں سے شہزادے کو گھورا۔
دوسری خواتین بھی باری باری اپنی اپنی جگہوں پر واپس آ گئیں۔ شہزادے کی نظریں ان ہی

کو تلاش کر رہی تھیں جس کا وہ ذکر سنا رہا تھا۔ اسی وقت ایک شراب و شباب کا پرستار
محمد غزنہ خاتون کے پہلو میں جا بیٹھا۔ فتی شاہ نے ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "شہزادے!
خاتون چنگیز کی بیوہ اور مقتول کی ماں ہیں!" اور پھر سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے کہا: "اور یہ چنگیز خان کی بیٹی اور مقتول کی بہن مونسہ خاتون ہیں۔" پھر شہزادے سے جو بات چیت
ہوئی تھی، اسے ان خواتین کے سامنے دہرا دیا۔ آخر میں کہا: "شہزادے کو اس سانحے کا دلی دکھ ہے لیکن اب وہ
کر بھی کیا سکتے ہیں، انہوں نے اس ناچیز سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ زندگی بھر اپنی اس غلطی کا تاوان چکاتے
رہیں گے!"

ناداض اور عمر رسیدہ خاتون غصے میں شہزادے کے قریب پہنچ گئیں اور بلک بلک کر رونے
لگیں۔ "تمہاری حیثیت احمد نگر کی رعایا میں باپ جیسی ہے، کیا باپ اپنے بیٹوں کو اسی طرح قتل کر دیا
کرتے ہیں؟"

لیکن مونسہ خاتون نے ماں کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا بولی: "ماں! اب اس ذکر کو بار بار چھیڑنے
سے کیا فائدہ!"

ماں نے دونوں ہاتھوں سے چھاتی کوٹ ڈالی، میرے سینے میں آگ لگی ہے آخر یہ کس طرح
ٹھنڈی ہو گی؟ بیٹی میں لٹ گئی، میں تباہ ہو گئی، میں برباد ہو گئی مجھے صبر کس طرح آ سکتا ہے؟"

شہزادہ بے دھڑک مونسہ کے قریب پہنچ گیا۔ فتی شاہ ہکا بکا رہ گیا۔ شہزادے نے
بے تکلفی سے مونسہ کو مخاطب کیا: "تم انہیں سمجھاؤ، میں اپنی غلطی پر نادم و شرمسار ہوں، میں زندگی بھر
تم دونوں کی بوجھ اٹھانے کو تیار ہوں!"

مونسہ نے ٹوٹے ہوئے لہجے اور آواز میں ماں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہیں جتنا سمجھایا
جاتا، وہ اسی قدر تیز آواز میں رونا شروع کر دیتیں۔ شہزادے نے ہاتھ کے اشارے سے مونسہ کو حوض
میں پاؤں چلنے کی دعوت دی۔ وہ شہزادے کی بات ٹال نہیں سکتی تھی۔ حوض کی آڑ میں شہزادہ بے تکلفی سے
اس پر بیٹھ گیا لیکن مونسہ سر جھکائے کھڑی رہی۔ شہزادے نے حوض کے اس شہ پارے کو عاجزی نظروں
سے دیکھا۔ مونسہ کا چہرہ اور زیادہ سرخ ہو گیا اور درخت کے آثار زیادہ نمایاں ہونے لگے۔

شہزادے نے دل کی گہرائی سے آواز نکالی بولا: "مونسہ جب میں اپنی غلطی پر نادم ہوں تو تمہارا
والدہ مجھے معاف کیوں نہیں کر دیتیں؟"

مونسہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور سر جھکائے کھڑی رہی۔ فتی شاہ ذرا فاصلے سے
یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

شہزادے نے خوش ہو کر کہا: "مونسہ اگر میں نے تمہیں پہلے دیکھ لیا ہوتا تو آج یہ خاندان اتنا
کوتاہ نہ ہوتا!"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

مولنہ نے کہا: قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے اور سچ کہا آپ نے ایسا قصہ کیا ہے؟

شہزادہ گھبرا گیا۔ بولا: نہیں، ایسا تو نہیں بلکہ میرا مطلب یہ تھا کہ میں نے اپنے

بھائی سا لیتا!"

مولنہ کچھ کہے بغیر جھپاک سے بھاگ کر ماں کے پاس پہنچ گئی۔ فتی شاہ نے ایک سرسری نظر شہزادے پر ڈالی اور مولنہ کو دیکھے لیکن منہ پھیر لیا۔ مولنہ: احتیاط۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اتنا سے دیر کیے ہی سمجھنے کی کوشش کرو۔ دیوانے باپ کا نافلف بیٹا! میں سمجھتا ہوں تمہارے لئے یہ اشارہ کافی ہوگا!"

مولنہ نے آہستہ سے کہا: مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ کیا میں شہزادے کی باتوں میں خوامخواہ آجاؤں گی؟

شہزادہ آہستہ آہستہ مولنہ کے قریب پہنچ گیا۔ ایک شانِ بے نیازی سے کہا: "اچھا تو اب میں واپس جاؤں گا اور دو ہفتے کے مطابق اپنی غلطی کا تاوان زندگی بھر ادا کرتا رہوں گا۔"

مولنہ نے آہستہ سے کہا: شکریہ، اس کی کوئی ضرورت نہیں، ہمارے لئے یہی احسان بہت کافی ہے کہ شہزادے محترم ہمارے غریب خانے پر تشریف لائے اور اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔

خوب! بہت خوب!! شہزادے نے کہا: مولنہ، تم نے مجھے ہر طرح متاثر کیا ہے۔ کیا تم مجھے دو یا وہ حاضری کی اجازت دو گی؟"

مولنہ نے جواب دیا: درست لیکن شہزادے کی جرأت پر اس کے پاس حکم کی دیوار تو بن کھڑی کرتے سے رہی!"

مولنہ نے گھبرا کر فتی شاہ کی طرف دیکھا۔ فتی شاہ نے شہزادے کو دیکھ کر آنکھ کے اشارے سے مولنہ کو منع کیا کہ وہ انکار کر دے لیکن مولنہ اتنی ہمت نہیں کر سکی۔ مولنہ کی جگہ ماں کی آواز گونجی: میں اپنے بیٹے کے قاتل کو اپنے گھر میں پاؤں آنے کی اجازت ہرگز نہ دوں گی!"

فتی شاہ کے چہرے پر شگفتگی آگئی لیکن شہزادہ جھنجھلا گیا۔ جھنجھلا کر کہا: یہ احمر نگر کے بیل کی بہتے میرے اقتدار اور تسلط میں ہے۔ پوچھ کر آیا ہوں۔ محض اخلاقی ضابطے کی بات تھی ورنہ احمر نگر میں کون ہے جو مجھے کہیں آنے جانے سے روکنے کی ہمت رکھتا ہو!"

غصے میں پیچ و تاب کھاتا ہوا شہزادہ وہاں سے چلا گیا۔ جاتے وقت اس نے پیروں کو اتنا زور سے زمین پر پٹخا کہ مقتول کی ماں کے سوا سبھی چونک گئے۔ فتی شاہ نے مولنہ سے کہا: شہزادے کا اس گھر میں داخلہ بھی بند نہیں ہے!"

بہرحال پھر بھی فتی شاہ نے بے بسی سے کہا: دیوانہ بادشاہ کی بے اعتدالیاں اور میں، کب تک نباہ کر آئے گی۔ اور میں بار بار کہوں گا احتیاط، احتیاط اور احتیاط!"

مولنہ کا جانا دیکھ چکا تھا اور یہ ایسا خاموش اور مست اثر چھوڑ رہا تھا کہ شہزادے کو اس کی سرعت پر اس کی گھنٹوں بعد ہوا۔ یہ اثر اس جوش کی طرح تھا جس کی تکلیف اور اذیت کا اندازہ فوراً ہی نہیں ہو پاتا۔ وقت اور سانسیں گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے درد کی لہریں اپنی جگہ سے اُبھر کر بتدریج پورے اعصاب جسمانی کو متاثر کرنا شروع کر دیتی ہیں، مولنہ کے خیال میں نصف سے زیادہ بات گزار چکنے کے بعد معلوم نہیں کس طرح فتی شاہ کا خیال آگیا۔ فتی شاہ کا کردار مشتبہ محسوس ہوتا تھا۔ اسے دھاتیین بھی محل ہی کے ایک حصے میں رہ رہے تھے رات کے سناٹے میں اسے اپنا پتہ قامت مصاحب یاد آیا۔ کچھ سوچ کے اس نے بستر چھوڑ دیا اور خنجر سنبھال اور کمرے کے محل سے باہر نکلا۔ ایک خادمہ گاہ کے ذریعے اپنے پتہ قامت مصاحب کو طلب کیا اور اسے ساتھ لے کر مولنہ کے گھر چل دیا۔

پتہ قامت مصاحب نے قطعیش سے کہا: حضور! جیسا ہی ہے ساتھ لے دیے لیں!"

شہزادے نے جواب دیا: ابھی میں سردار کو طشت از بام نہیں کرنا چاہتا!"

مصاحب نے کہا: کوک کے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ کہا: اگر وہاں مزاحمت کا سامنا ہوا تو ردّ آدمی اس لاکھ طرح مقابلہ کریں گے؟"

شہزادے نے جواب دیا: ابھی اس جان عاشقان کے پاس مردانہ وار جانے کا وقت نہیں آیا۔ پہلے میں اس سے اپنے تعلقات استوار کرنا چاہتا ہوں، اس کے بعد کوئی اور اقدام!"

سنسان اور خاموش فضا کو کتوں کے بھونکنے اور گیدڑوں کے رونے کی آوازیں تہ و بالا کر رہی تھیں یہ دونوں تاروں کی مدھم روشنی میں نظروں سے قریب معمول کام لیتے ہوئے مولنہ کے مکان تک پہنچ گئے۔ مکان کی عقبی دیواریں ذرا نیچی تھیں اور اسی حصے میں وہ پیچیدہ تھا جہاں شہزادہ کی مولنہ کے خاندان والوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ شہزادہ اپنے مصاحب کے ساتھ کندوں کے ذریعے پیچیدہ میں اُتر گیا۔ اس نے اپنے پتہ قامت مصاحب کو ایک تاریل کے درخت کی جڑ میں بٹھا دیا، اس درخت سے ذرا آگے مہندی کی ٹہنی تھا۔ شہزادے نے کہا: تم میری باتیں پر گوش بر آواز رہنا!"

پتہ قامت خوف زدہ مصاحب نے ذرا اکتاہٹ سے کہا: اگر بندہ حضور کی جگہ ہوتا تو یہاں اس طرح ہرگز نہ آتا بلکہ دو چار مسجد جاں مشاروں کو بھی کر کے ہمراہ مقصود آنجناب!"

شہزادے نے ہنس کر کہا: ہاں ایسا کرنا میرے لئے بہت آسان تھا لیکن اس میں وہ لذت کہاں جو میں مولنہ کو اپنے دست و بازو سے حاصل کر کے پاؤں گا!"

شہزادہ اپنے مصاحب کو وہیں چھوڑ کے کسی مزاحمت کے بغیر کمند کے ذریعے مکان کی چھت پر پہنچ گیا اور دبے قدموں صحن میں اُتر گیا، جہاں اسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اسے کس کمرے تک پہنچنا ہے اور مولنہ کس کمرے میں ہو سکتی ہے؟ کئی کمروں کی کھڑکیوں سے اندر جلتے ہوئے چراغوں اور شمعوں کی روشنی چھن چھن کے صحن میں آرہی تھی، شہزادے کا دل دھک دھک کر رہا تھا، اس نے احتیاطاً خنجر ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

اپنے پیچھے اس نے دیوار سے زمین پر کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی۔ گھر کے پیچھے جو دیکھا تو ایک بوا صفیہ اس کی نانی خون کے پیاسے گرگ کا ایک کمرے میں گھس گیا جاتا ہے۔ شہزادے نے اندازہ لگایا کہ یہ یقیناً مولسہ کا ہوگا اور یہ مولسہ کے کمرے ہی میں داخل ہوا ہوگا۔ یہ چنوں کے بالکل ساتھ کی کمرے کی کھڑکی کے ایک طرف کھڑا ہو کے دروازے سے اندر دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اندر ایک تخت پر بوڑھی کی ماں ایک بڑی سی موٹی شمع کی روشنی میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ اس کے سوا وہاں ایک مہری پر کوئی سورہا تھا جو مولسہ کے علاوہ کوئی اور نہ ہو سکتا تھا۔ شہزادے کا دماغ ہر طرح کے منصوبے بنانے لگا۔ کبھی سوچتا وہ اچانک اندر داخل ہو جائے اور خنجر کے پے در پے وار کر کے اس عورت کا کام تمام کر دے لیکن پھر اس کے نتائج سوچتا کہ اس طرح مولسہ کی محبت کیسے حاصل کر سکے گا۔ پھر سوچتا کہ مولسہ سے بھاگنے اور یہاں سے کہیں دور چلے جانے کا مشورہ کس طرح دے۔ پاس تھا کافی غور و فکر کے بعد اس نے خاصا نہ روش اختیار کی اور اس نے اس عورت سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے سوچا اس بڑے گھر میں یہ دونوں شہزادہ تو نہ ہو سکتی ہوں گی۔ اس نے دبے قدموں چل پھر کے دوسرے کمروں کا جائزہ لیا۔ ان میں سے جتنے کھلے اور تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے ان کو دن کے مقابل ذرا صاف پردہ پوشی تھی۔ اس میں سے گزر کر وہ دن بھر اندر داخل ہوا تھا۔ اس نے سوچا شاید اسی جگہ کے کسی حصے میں وہ محض رہتا ہوگا جس کے ذریعے اس گھر کی نگہداری ہوتی۔ اس خیال کے ساتھ ہی ذہن نے یہ منصوبہ تیار کر لیا۔ نانی نہ تو شہزادے کی نظر میں کوئی خاص قیمت رکھتی تھی۔ وہ چپ چاپ سوئے ہوئے چوکیدار کے سر پر پہنچ گیا اور اس کے سینے میں پوری قوت سے خنجر اتار دیا۔ خوف ناک چیخ نے رات کے سناٹے کو لرزا دیا۔ شہزادے نے پہلے دروازے سے چوکیدار کا کام تمام کر دیا۔ اس کی چیخ سن کر خاتون کو کچھ کہنا کرنا یاد نہ رہا۔ خنجر لے کر مردانہ دالان کی طرف دوڑ پڑی۔ مولسہ کے تیل کا دیا جلا رہا تھا۔ اس کے کوٹھری کو روشن کیے ہوئے تھا۔ شہزادہ کوٹھری سے نکل کے اس کے برابر بنے ہوئے غسل خانے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ اندر خاتون خنجر لیے ہوئے چوکیدار کے کمرے میں داخل ہو گئی اس کے پیچھے ہی نہایت پھرتی سے شہزادہ بھی اندر داخل ہو گیا اور اس نے خاتون کی کلائی مروڑ کے خنجر چھین لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے کوٹھری کو اندر سے بند کر دیا۔ خاتون نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کے کہا۔ "شہزادے یہ تم ہو؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "ہاں یہ میں ہوں اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ شور و غل مت کرنا۔ میں تم سے چند باتیں کر کے واپس چلا جاؤں گا۔"

خاتون نے شہزادے کے چہرے اور نقرت سے گھور کر بولی۔ "ان مردہ چوکیدار کو دیکھتے ہوئے سوال کیا ہے کہ تم نے ہلاک کیا ہے؟"

شہزادے نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ہاں میں نے۔ اور صرف اس لئے کہ اگر میں ایسا نہ کرتا تو چوکیدار کی چیخ سے جتنے تم یہاں تھے۔ تنہا اور بے اختیار ہو کر نہ رہ جاتیں!"

خاتون نے چونک میں آ کے بڑھ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن شہزادے نے اسے روک لیا

بولا۔ "خاتون! میں اگر چاہوں تو تمہاری بڑی مولسہ کو زبردستی اپنے حرم میں ڈال سکتا ہوں لیکن میں ایسا نہیں کرنا چاہتا!"

خاتون نے مٹھی بھینچ کر کہا۔ "لیکن میں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے بیٹے کے قاتل کے ہاتھ مولسہ کا ہاتھ ہرگز نہ دوں گی۔"

شہزادے نے بے زاری سے کہا۔ "اے! اس فضول منحوس معقول کا ذکر بار بار کر کے تم میری دل آزاری کیوں کرتی ہو؟"

خاتون نے کچھ سوچ کے نرم رویہ اختیار کیا، بولیں۔ "اچھا یہاں سے تو نکلو اور کمرے میں چلو۔ وہیں باتیں کی جائیں گی۔"

شہزادے نے اختیار ہنس دیا، بولا۔ "گویا میں اتنا بے وقوف انسان ہو کہ قابو میں آئی ہوئی شیرنی کو اتنی آسانی سے پھر دوں گا؟ سمجھ بوجھ! جہاں اور کون کون رہتا ہے؟"

خاتون نے نفرت سے جواب دیا۔ "تم نہیں!"

شہزادے نے کہا۔ "اتنے بڑے گھر میں کسی مرد کے بغیر سنا عقل مندی تو نہیں!"

خاتون نے دل جلے پن میں جواب دیا۔ "عقلمندی کمزور کے پاس ہوتی ہی کہاں ہے۔ یہ تو بادشاہوں اور شہزادوں کے پاس ہوتی ہے۔ تم مکار لوگ جو چاپلوسی اور خوشامد کے ذریعے حاصل کر لیتے ہو اور ہم کمزور لوگ عقل کی ہمت رکھنے کے باوجود مجبور اور بے بس رہتے ہیں!"

شہزادے نے کہا۔ "میں ایک اور چوکیدار کو بلاؤں گا!" اس کے بعد خاموش رہ کے باہر کی طرف کان لگا دیا۔ دہاں بالکل سناٹا تھا۔ باہر سے مطمئن ہو کے شہزادے نے کہا۔ "غالباً چوکیدار کی چیخ دوسروں کے کانوں تک نہیں پہنچی!"

اس کے بعد شہزادہ کوٹھری سے باہر نکلا اور کوٹھری باہر سے بند کر کے زنجیر لگا دی۔ بولا۔ "خاتون تم یہیں رہو اور میری واپسی کا انتظار کرو۔"

شہزادے نے اس کے بعد مولسہ کے کمرے کو باہر سے بند کر دیا۔ اور اس طرح باری باری تمام کمرے باہر سے بند کیا اور دوبارہ مولسہ کے کمرے کو کھول کے اندر داخل ہو گیا۔ جہاں قرآن کھلا ہوا رحل پر رکھا تھا اور مولسہ اپنی مہری پر بستر گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شہزادے نے واپس جا کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور دوبارہ پھر مولسہ کے قریب جا کھڑا ہوا۔ دبے پاؤں سے بے نیاز سینہ سانسوں کے ہر جھٹکے میں مبتلا تھا۔ سیاہ زلفوں کی چند الجھی الجھی لٹیں آنکھوں سے گزر کے رخساروں سے ہوتی ہوئی سینے تک آ گئیں تھیں۔ اس کا ایک ہاتھ بستر پر رکھا تھا اور دوسرا پہلو میں پڑا تھا۔ شہزادہ کچھ دیر محویت سے مولسہ کو دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے بالوں کی ایک لٹ مٹھی میں لے کر ناک سے لگائی اور ساتھیں اور پھر کھینچ کر سر تکیے سے ہٹا دیا۔ پھر بے چینی میں اضافہ ہوا اور دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ ضبط و احتیاط نے جواب دے دیا اور

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

اس سے بے اختیار مولسہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے چومنے لگا۔ مولسہ چونک کے بیدار ہو گئی اور تھوڑی دیر تک مخمور نظروں سے شہزادے اور کمرے کو کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں دیکھتی رہی، اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں ہے اور کیا دیکھ رہی ہے۔ موم بتی شمع کی روشنی میں کے اُبھرتے سورج کی شعاع محسوس ہو رہی تھی لیکن وفورِ مسرت سے کام کرنا بند ہو گیا اور اس نے شہزادے کو پہچان لیا۔ وہ گھبرا کے سہمی ہوئی پرمیٹھ گئی اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی کہ اسے اغوا کر کے شہزادے کی خلوت گاہ میں پہنچا دیا گیا ہے۔ اس نے دونوں مٹھیوں میں سینہ چھپا لیا اور دونوں ہاتھ مٹھیوں کی گرفت میں لے کر ایک دوسرے میں پیوست کر لیے۔ اس نے گھبرا کے پوچھا: "میں کہاں ہوں؟"

شہزادے نے مسکرا کے جواب دیا: "اپنے کمرے میں!"

"تم کہاں ہو؟"

"تمہارے کمرے میں!"

مولسہ حیران پریشان اِدھر اُدھر اپنی ماں کو دیکھ رہی تھی۔ شہزادے نے کہا: "اپنی ماں کو دیکھ رہی ہو؟ افسوس کہ وہ یہاں نہیں آ سکیں گی۔ خود انھوں نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے!"

مولسہ کی پریشانی جو ذرا سی جاتی رہی تھی اس نے اور زیادہ سمٹنے کی کوشش کی، شہزادہ مہری پاس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ مولسہ نے بیزار اور زیادہ سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا: "لیکن اس وقت تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟"

شہزادے نے جواب دیا: "صرف یہ جتانے کہ میں محض شہزادہ ہی نہیں ہوں، میں یہاں تک صرف اپنی جرأت اور قسمت سے پہنچا ہوں۔ اب تمہیں اور تمہاری ماں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ میں تمہیں جب بھی چاہوں گا اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ مولسہ! میں ذرا مہم جو واقع ہوا ہوں اور اپنی برتری سے تمہیں شکل پر اپنی ذہانت اور حوصلے کے قائل بنانے میں خوشی محسوس کرتا ہوں۔"

مولسہ نے گھبرا کے پوچھا: "ماں کہاں ہیں؟"

شہزادے نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا اور سرشاری کے لہجے میں کہا: "اس بوڑھی عورت کا نام نہ لیکر میرے عاشقانہ جذبات کو سرد کرنے کی کوشش نہ کرو۔ مولسہ تم مجھ سے محبت کی باتیں کرو، پیار اور محبت کی باتیں، محبت سے کچھ جدا دنیا میں لینے آیا ہوں مولسہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں، میں تم پر اپنا سب کچھ نثار کر دینے کا عہد کرنے کو تیار ہوں؟"

مولسہ نے ہاجز آئے ہوئے لہجے میں کہا: "خدا کے لئے اس وقت تم یہاں سے چلے جاؤ اور دن کی روشنی میں آ کے باتیں کرو، میرا دل اُٹھا جا رہا ہے!"

شہزادے نے اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگایا اور سرشاری سے بوسے لے کر بولا: "پہلے وعدہ کرو کہ تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

مولسہ نے کہا: "لیکن تمہاری شادی تو سبی پور کے حکمران ابراہیم عادل شاہ کی بہن سے ہو چکی ہے!"

شہزادے نے جواب دیا: "ہاں ہو تو چکی ہے لیکن میری دلہن ابھی میرے پاس نہیں پہنچی، پہنچی تو خصتی کا رسم معلوم نہیں کب تک ادا کی جائے!"

مولسہ عاجزی سے کہا: "شہزادے! خدا کے لئے تم میرا خیال اپنے دل سے نکال دو، بیجاپور سے حکمران کی بہن اور میرا کوئی مقابلہ نہیں، اس کے مقابلے میں، میں خود کو ہمیشہ حقیر اور کمتر محسوس کرتی رہوں گی!"

شہزادے نے جواب دیا: "میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں ایک دوسرے سے محل میں رکھوں گا!"

مولسہ نے بے بسی سے کہا: "اچھا، لیکن اس وقت تو یہاں سے چلے جاؤ!"

شہزادے نے شرارت آمیز انداز میں کہا: "لیکن تم وعدہ تو کرو کہ تم میری محبت کا جواب محبت سے دو گی!"

مولسہ نے کہا: "محبت جبر اور زبردستی سے نہیں کرائی جاتی!"

شہزادے نے محبت کر پڑے کر مولسہ کی آغوش میں دے لیا اور زبردستی بوس و کنار کرتا ہوا بولا: "ظاہر ہے مجھے یہاں سے جانا تو پڑے گا لیکن جانے سے پہلے میں تمہیں کسی اور کے مالک نہیں بنے دوں گا، میں تمہاری کامل نہیں ہیں اپنی محرومی اور ناکامیوں کی راہ میں حائل ہونے والی ہر چیز کو ٹھوکر سے ہٹا دوں گا، کاوشِ جبر و مداومت سے درود کر دینے کا قائل ہوں!"

مولسہ نے شہزادے کے چنگل سے بچنے کے لئے ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے اور اسے تاکنوں سے شہزادے کا منہ نوچنا شروع کر دیا۔ شہزادے نے منہ پھیر لیا اس نے شہزادے کے ہاتھ میں کاٹ لیا۔ شہزادے کی گرفت ڈھیلی پڑی اور مولسہ نے بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن شہزادے نے پھر پکڑ لیا۔ ہانپتا ہوا بولا: "اب تو میں تمہیں کسی قیمت پر بھی نہ بخشوں گا!"

مولسہ دونوں ہاتھوں سے شہزادے کے سینے پر ضربیں لگانے لگی!

ابھی دونوں میں یہ مقابلہ جاری تھا کہ مولسہ کا سعید بلا شہزادے پر جھپٹا اور اسے تو یہاں کر دیا شہزادے نے خنجر ہاتھ میں لے لیا اور بلے کو مار دینے کی کوشش کی لیکن وہ اچھل کے کھڑکی پر چڑھ گیا اور وہاں سے چیخ لگانے کی نوبت قائم کرنے لگا۔ شہزادے کو معلوم تھا کہ بلے کا اس قسم کا حملہ ہمیشہ خطرناک ہوا کرتا ہے، وہ گھبرا کے کمرے سے باہر نکل گیا مولسہ نے موقع غنیمت جانا اور کمرے کو فوراً باہر سے بند کر لیا۔

شہزادہ غصے میں بھرا دروازے کو پیٹتا رہا اور مولسہ کو برا بھلا کہتا رہا، اچانک بولا: "مولسہ! تم یہ نہ سمجھو کہ اندر سے دروازہ بند کر کے تم مجھ سے محفوظ رہو گی، پہلے میں تمہیں اپنی دلہن بنانا چاہتا تھا لیکن اب میں تمہیں کنیز بنا کے رکھوں گا۔ میں ایک ضدی اور سرکش انسان ہوں، اور مجھے نفرت

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

اور غصے سے رام نہیں کیا جا سکتا!"

یہ کہتے کہتے اس نے کئی لمبی لمبی دھمکیاں دیں اور جب یہ محسوس کیا کہ اب میرے تک پہنچنا ناممکن ہے تو غصے میں خنجر ہاتھ میں لیے کوٹھری کی طرف جاتا ہوا بولا: "میں تیری ماں کو قتل کر دوں گا لیکن اگر تو کمرے کا دروازہ کھول دے گی تو اسے معاف کر دیا جائے گا"

لیکن مولسا نے دروازہ نہیں کھولا۔

شہزادے نے چوکیدار کے دروازے پر پہنچ کے سیدھے ہاتھ سے خنجر پکڑا اور بائیں ہاتھ سے نہایت آہستہ سے کوٹھری کی زنجیر کھولی اور مولسا کی ماں پر حملہ کرنے کی غرض سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا لیکن وہاں مولسا کی ماں نہیں نظر آئی۔ وہ گھبرایا اور دہشت میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کوٹھری کے ایک گوشے میں مولسا کی ماں خون میں تر بتر پڑی ہوئی تھی، اس نے اپنا خنجر پیٹ میں اتار کر اپنے کو ہلاک کر لیا تھا۔ اِدھر بھی ناکامی ہوئی تھی، مایوسی اور محرومی سے اُسے جھرجھری سی آ گئی۔ وہ غصے میں مرد خانوں کی طرف بڑھا اور خنجر بے پروائی سے اس کا جسم چھیلتی کر دیا اور کوٹھری سے نکلا۔ کوٹھری سے نکل کر وہ ایک بار پھر مولسا کے کمرے کی طرف بڑھا، مگر وہ بدستور بند تھا۔ اس نے دروازے سے منہ لگا کے کہا: "مولسا! میں نے تیری ماں کو قتل کر دیا، وہ مر چکی ہے"۔ اگر تو اس کی آخری آواز سننا چاہتی ہے تو کمرے سے باہر نکل اور اس کے سسکتے کراہتے نیم مردہ جسم کے قریب کھڑے ہو کے چند باتیں کر لے!"

مولسا نے بھرائی آواز میں کہا: "اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اس طرح دروازہ کھلوا لو تو تمہیں ناکامی ہوگی۔ ظلم کی بنا دیر تک نہیں رہتی، میں اپنا معاملہ خدا پر چھوڑتی ہوں، آخری فیصلہ وہی کرے گا!"

شہزادہ جھلایا ہوا تھا، چیخ کر کہا: "اگر تم نے میرا حکم نہ مانا تو تمہیں عبرت ناک حالت سے گزرنا پڑے گا۔ میں ہوتے ہوتے ہی تمہارے مکان کو خاک میں ملا دوں گا اور تمہیں اپنے مصاحبین کے حوالے کر کے دعوت کراؤں گا کہ تم اس کا قبل از وقت تصور تک نہ کر سکو گی!"

مولسا نے اندر سے چیخ کر جواب دیا: "ایسا وقت جب آئے گا تو میں خود کشی کر چکی ہوں گی!"

شہزادے کا اب مزید ٹھہرنا کسی طرح بھی مناسب نہ تھا۔ وہ وہیں راستے سے اندر داخل ہوا تھا اسی سے جلتی باتیں میں واپس گیا اور پہلے قامت مصاحب کی تلاش میں ناریل کے درخت کے نیچے پہنچا لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ اس کی تلاش میں ہندی کی جھاڑی میں داخل ہوا اور اس طرح خاصی دیر تلاش میں رہا، بالآخر پہلے قامت مصاحب کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ابھی اپنے مصاحب کی تلاش میں لگا ہی کر رہا تھا کہ مکان کا بائیں طرف کی طرف کھلنے والا دروازہ کھل گیا اور اندر سے بارہ تیرہ آدمی نمودار ہوئے ان سے چند مشعلیں لئے ہوئے تھے مشعلوں کی روشنی میں آنے والوں کا اسحٰق چہرہ دیکھ کر شہزادہ نے گھبراہٹ میں ہر طرف بھاگنا چاہا لیکن نئے سرے پر گرفتار ہو گیا۔ اتنی دیر میں یہ لوگ دوڑ کر شہزادے کے سر پر پہنچ گئے۔ ان میں سے کسی نے شہزادے کو جکڑ لیا: "بس شہزادے! بھاگنے کی کوشش نہ کریں، ورنہ نقصان اٹھائیں گے میں آپ سے چند اور فیصلہ کن باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

شہزادے میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ان بارہ تیرہ مسلح افراد کا تنہا مقابلہ کرتا۔ وہ بہت گھبرایا ہوا تھا، میں آواز نے اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ پہچانی ہوئی لگتی تھی، وہ ہجوم کی اوٹ سے سامنے نکل آیا۔ پرتگال قزاق نے اپنی مشعل کی روشنی شہزادے کے چہرے پر ڈالی، اس نے آواز سنی تھی، شہزادے کو مخاطب کیا: "شہزادے! مرتیئے ہم سب سبزے پر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

اب شہزادہ اس شخص کو پہچان چکا تھا، یہ فتی شاہ تھا۔ شہزادے کو ذرا فراغت آیا اور فتی شاہ کی رہنمائی پر سبزے پر بیٹھ گیا۔ ان دونوں کے چاروں طرف مسلح افراد بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر تک گہرا سکوت چھایا رہا، پھر ان دونوں ہی گفتگو کا آغاز خود نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آخر کار فتی شاہ نے سکوت توڑ دیا، بولا: "شہزادے! یہ حاضر آپ کا ہے، یہاں آپ کے والد کی حکومت ہے، کیا ہم آپ سے پوچھ سکتے ہیں کہ ایک ملک دشمن اور حکمران شہزادے کو اس مکان میں مجرموں کی طرح داخلے پر کس چیز نے مجبور کیا؟ کس ضرورت نے رات کی تاریکی میں شہزادے کو اس گھر میں داخلے پر مجبور کر دیا؟"

شہزادے کے پاس اس سوال کا کوئی معقول جواب نہ تھا۔ وہ خاموش رہا۔

فتی شاہ نے جواب کے لئے اصرار بھی نہیں کیا بلکہ دوسرا سوال بھی کر دیا: "احمد نگر کے تاج و تخت کا وارث کون ہے؟"

شہزادے نے جواب دیا: "میں اور صرف میں، لیکن کیوں؟"

فتی شاہ نے جھنجھلا کر کہا: "احمد نگر کے تاج و تخت کے واقعی آپ ہی وارث ہیں تو آپ کا گرفتار ہونا چاہئے، اور باغیوں کی صحبت ترک کیجئے اور جرنرل کا عہدہ اختیار کیجئے!"

شہزادے نے خفگی سے کہا: "تم میرے مصاحبین کو باغی مت کہو، وہ سب کے سب شریف ہیں!"

فتی شاہ نے بے نیازی سے جواب دیا: "ہوں گے لیکن ان کی صحبت کا جو رنگ آپ پر چڑھا ہے اس سے وہ شریف نہیں لگتے، درحقیقت اپنے بھلے سے سمجھا جانا چاہیے اور کوئی شخص اپنے دوستوں سے!"

شہزادے نے اکتاہٹ سے کہا: "میں محل واپس جانا چاہتا ہوں، تمہیں مجھ سے جو باتیں بھی کرنا ہیں فوراً کر ڈالو، میں لمبی چوڑی تمہید کے بجائے مطلب کی باتیں سننا چاہتا ہوں!"

فتی شاہ نے آزردگی سے کہا: "شہزادے! ذرا سوچئے تو آپ کی نادانیاں اور حماقتیں کیسے کیسے غم و اندوہ کے پہاڑ بن گئی ہیں! خوف زدہ اور سہمے ہوئے لوگ پر ماشہ کا بات تک نہیں کر سکتے آپ نے چنگیز خان کے پوتے کو ہلاک کر دیا، اور تھوڑی دیر پہلے جو کہ دار اور چنگیز خان کی بیوہ کو بھی قتل کر دیا۔ آخر ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

شہزادے نے خاتون کے قتل سے بے تعلقی کا اعلان کیا: "خاتون کو میں نے قتل نہیں کیا، انہوں نے خود کشی کی ہے!"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

فتی شاہ نے افسوس سے کہا۔ ان کا خنجر کی ضربات سے داغ دار جسم خود کشی سے بسالت کا اعلان کر رہا ہے!"

شہزادہ زیادہ دیر گفتگو کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ بولا: "میں جانا چاہتا ہوں!"

فتی شاہ نے جواب دیا: "آپ جانا چاہیں گے تو کس میں اتنی طاقت ہے جو روکے لیکن جانے سے پہلے چند منٹ میری باتوں پر تحمل کر لیا جائے تو بہتر ہے!"

شہزادہ فتی شاہ کی صورت دیکھنے لگا۔ فتی شاہ سوگوار آواز میں کہنے لگا: "شاید آپ مولنسہ کے ساتھ پسند فرمانے لگے ہیں۔ بعض اوقات انسان کا حسن اس کے لئے وبالِ جان بن جاتا ہے۔ یہی معاملہ مولنسہ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ وہ حسین ہے۔ غیر معمولی حسین اور جو شخص بھی اسے ایک نظر دیکھنے لگے، دل و جان سے عاشق ہو جائے گا۔ ہم آپ سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتے، جب ہم نے پہلی بار مولنسہ کو دیکھا تھا تو پہلی ہی نظر میں اس کے اسیر ہو گئے تھے۔ چنگیز خان کی موت کے بعد ہم نے اس چھوٹے سے کنبے کو سہارا دیا اور شاید اسی سلوک نے مولنسہ کو بھی ہماری جانب ملتفت کر دیا۔ ہم یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتے کہ مولنسہ ہم سے عشق کرتی ہے لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ وہ ہمارا بڑا خیال رکھتی ہے!"

شہزادہ گفتگو سے اس حد تک خائف ہو چکا تھا۔ فتی شاہ کہتا رہا: "پھر ایک دن ہمیں ٹیک نہایت خوشگوار اور المناک موت پر آپ نے بھی مولنسہ کو دیکھ لیا اور ہمارا خیال ہے کہ ہماری طرح آپ بھی اپنا دل ہار بیٹھے اور اسی اضطراب اور بے چینی میں آپ سے یہ سارے افسوسناک افعال سرزد ہو رہے ہیں!"

فتی شاہ کے ساتھی گونگوں کی طرح باتیں سن رہے تھے لیکن شہزادے کا رعب انہیں خاموش رہنے پر مجبور کئے ہوئے تھا۔

شہزادے کو بھاگ نکلنے کی فکر پریشان کئے ہوئے تھی کہ اچانک فتی شاہ نے سوال کیا: "اچھا شہزادہ صاحب! آپ یہ بتائیں کہ کیا آپ مولنسہ سے واقعی عشق فرماتے ہیں؟"

شہزادے نے جواب دیا: "کیا چودھویں کی طرح اتنی رات گئے اس جگہ میرا آنا یہ بات تبھی ظاہر کرتا کہ میں مولنسہ سے واقعی عشق کرتا ہوں!"

فتی شاہ نے کہا: "عشق تو ہم بھی کرتے ہیں لیکن اس طرح چودھویں کے چاند میں ہم اس گھر میں ایک بھی داخل نہیں ہوئے!"

شہزادے نے بے فرقی سے جواب دیا: "اپنے اپنے ظرف اور حوصلے کی بات چلی ہے!"

فتی شاہ نے پوچھا: "کیا آپ مولنسہ سے شادی کرنے پر آمادہ ہیں؟"

شہزادے نے جواب دیا: "یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ میں واقعی اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں!"

فتی شاہ نے کہا: "جس لڑکی کے دل کو آپ فتح کرنا چاہتے ہیں اب وہ کس طرح آپ سے محبت کرے ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا!"

شہزادے نے بجلت جواب دیا: "جناب! میں تو یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ مولنسہ کو حاصل کر کے ہی دم لوں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے، میں ایک مجبور اور مظلوم شخص کہلانا ہرگز پسند نہیں کرتا!"

فتی شاہ: "ایک دم ہمارا دل بھر گیا۔ لیکن ہم آپ کو یہ مشورہ دیں گے کہ آپ مولنسہ کے چکر میں نہ پڑیں۔ آپ کی بھاوج کے فرمانروا کی بہن سے شادی ہو چکی ہے، اس کے علاوہ اور بہت سی حسین و جمیل لڑکیاں بھی آپ کے ایک اشارے پر حاصل کی جا سکتی ہیں۔ کیا یہ اچھا مشورہ نہیں ہے کہ مولنسہ کو آپ اپنے اس غلام کو عنایت فرما دیں؟"

شہزادہ ایک دم چراغ پا ہو گیا۔ بولا: "میں یہ فضول باتیں نہیں سننا چاہتا۔ میں مولنسہ کو پسند کرتا ہوں اور کسی قیمت پر بھی اسے کسی اور کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ کہہ دو مولنسہ کو اپنے دل میں خیال تک نہ لائے!"

فتی شاہ نے ہمت سے کام لیا۔ یہ دل کا معاملہ ہے ہم چاہتے تھے یہ بکھیڑہ مسکے آپ کی تلخ و تشنیع کے طے ہو جائے تو اچھا ہے لیکن اگر شہزادے کی یہ خواہش ہے کہ وہ ہمارے دل کا خون کر دیں اور لذت حاصل کریں تو ہمیں بھی صاحب دل کسی کو ایسا جام حاصل جانا جائز نہیں سمجھے گا!"

شہزادہ اندر ہی اندر اشتعال کی آگ میں جل رہا تھا۔ بولا: "بکواس بند کرو اور مجھے جانے دو!"

فتی شاہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بولا: "بسم اللہ آپ تشریف لے جا سکتے ہیں!"

شہزادہ فوراً کھڑا ہو گیا اور دیوار کی طرف بڑھا۔ فتی شاہ نے کہا: "نہیں شہزادے آپ اس طرف دیوار سے پھاند کر کیوں تشریف لے جائیں۔ آپ باقاعدہ مکان کے اس راستے سے واپس جائیں جس سے ہی آتے جاتے رہتے ہیں!"

وہ شہزادے کو لے کر مکان میں داخل ہوا، وہ مکان سے باہر نیچے کی طرف بڑھا جہاں وہ چوکیدار کو ٹھوکر کے پاس سے گذرا، وہ ٹھوکر جو مولنسہ کے بہن کی آمد کی اطلاع دینے آیا تھا۔ وہ شہزادے کو بڑی بے رحمی سے روندتا ہوا نیچے اتر گیا۔ فتی شاہ نے شہزادے سے مؤدبانہ لہجے میں کہا: "آپ کا یہ غلام اپنے آقا کی گستاخی کی معافی چاہتا ہے۔"

فتی شاہ نے ٹھوکر کو حکم دیا کہ وہ شہزادے کو خوف زدہ کر دے۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔ فتی شاہ شہزادے کو لے کر باہر چبوترے کے اندر مولنسہ کے پاس پہنچا۔ مولنسہ اسے دیکھتے ہی چیخ پڑی۔ دوڑتی ہوئی بولی۔ فتی اقدام!"

فتی شاہ نے اس کی پشت تھپتھپائی اور تحکمانہ آواز میں کہا: "مولنسہ صبر کرو۔ ذرا صبر!"

اور پھر دونوں ہی بیوقوف بھوت کے دو بیٹے تھے!

کئی دن تک سکوت چھایا رہا۔ شہزادہ، فتی شاہ سے ڈرتا تھا لیکن فتی شاہ اس کے باپ سے مرعوب تھا۔ شاہ کا ہیبت ناک مصاحب تھا۔ وہ جو کام کرنا چاہتا تھا بادشاہ سے کرا لیتا تھا۔ شہزادے کو خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ فتی شاہ جب چاہے دیوانے بادشاہ سے اس کے خلاف فرمان حاصل کر لے۔ دوسری طرف فتی شاہ بھی اچھی طرح واقف تھا کہ بادشاہ سے شہزادے کی شکایت کرنے پر بڑی سے بڑی سزا دلوا

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

سکتا تھا لیکن اس کی دور اندیشی اسے ایسا کرنے سے برابر منع کر رہی تھی کیونکہ فتحی شاہ کو معلوم تھا کہ مرتضیٰ نظام کے بعد اسی شہزادے کو تاج و تخت سونپنا چاہے پھر وہ اس کی مخالفت کیوں مول لے۔ وہ مولانا سے محبت کرتا تھا شادی کر لینے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن سبز اسے کی دخل اندازی نے یہ آسان کام بہت دشوار کر دیا تھا۔

بخشہ ہر وقت موجود تھا کہ شہزادے کے اچانک مصاحب مولانا کے گھر پر حملہ کر کے اسے اغوا کر لیں۔ اس کی نگہبانی اور حفاظت کے لئے بیس سپاہی ملازم رکھے گئے تھے جو ہر وقت یا پیچھے میں موجود رہتے۔ فتحی شاہ کو تو علم نہیں تھا۔ وہ بادشاہ سے انعام و اکرام لے کر امید مگر سے چلا جانا چاہتا تھا۔ اسے رات کو نکلنا بھی بہتر تھا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ سبز اسے کے آدمی اسے دھوکے سے قتل کر سکتے ہیں۔ شہزادے کے ارادوں کا اسے کوئی علم نہیں تھا لیکن جب بھی اس کا سامنا ہوتا شہزادے کی آنکھوں میں حسد اور انتقام کی آگ محسوس ہوتی۔

سریر کو بادشاہ کی صحبت سے اٹھ کر وہ مولانا کے پاس جا رہا تھا اس کا گھوڑا آہستہ آہستہ اس پرچلی رہا تھا جو شاہی محل سے نکل کر امراء کی بستی میں داخل ہو جاتی تھی۔ کافی آگے جانے کے بعد اسے ایک گھنے درخت کے نیچے چرچی پاس نے کئی جانوروں کو پانی پیتے دیکھا جو چرچی سے متصل کنوئیں سے پانی بھر بھر جا رہا تھا۔

فتحی شاہ کے گھوڑے نے پانی کی طلب میں چرچی کی طرف بار بار مڑ جانے کی کوشش کی۔

فتحی شاہ مولانا کے گھر پہنچ کے پانی دینا چاہتا تھا۔

چونکہ ایک نوجوان سر کے اور گھوڑے کے درمیان حائل ہو گیا اور اس سے تقریباً ایک گز کے فاصلے پر سینہ تان کے کھڑا ہو گیا۔ فتحی شاہ نے اسے سرسری نظر سے دیکھا لیکن دوسرے لمحے چونک کر اسے غور سے دیکھنا پڑا۔ یہ شہزادہ تھا جو اسے طنز و ملامت کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

فتحی شاہ! شہزادے نے کھرے اور حلکنا لہجے میں کہا: تمہارے ہتھیلے کتے میری مزاحمت کر سکتے۔ تم ہوش و حواس سے کام لو اور میری راہ سے ہٹ جاؤ!"

فتحی شاہ نے نرمی سے جواب دیا: "ہم ہوش و حواس میں ہیں اور ہماری درخواست ہے کہ شہزادہ خود کی طرف سے بخشی ہوئی انسانی ہمدردی اور طاقت کو غلط اور غیر معمولی مقاصد میں استعمال نہ کریں!"

بات اتنا کہنے کی ہے تم میری راہ سے ہٹ جاؤ اور یقین رکھو کہ میں جو طے کر لیتا ہوں اس سے ہٹتا نہیں اپنی تو بن گھٹا ہوں مولانا میری انا اور وقار کا مسئلہ ہے اور اسے میں اپنی خواہش اور رضامندی کے مطابق طے کروں گا!"

فتحی شاہ نے مستقل مزاجی کا اظہار کیا، بولا: ہمیں نہیں معلوم کہ ایک چیونٹی بھی باغی کر سکتی لیکن حق گو شاہ ہیں مزاحمت کرنا ہمارا فرض ہے اور ہم بدرجہ مجبوری، ظلم کی راہ میں مزاحم ضرور ہوں گے"

شہزادے نے زور سے پیر پٹکا اور تند و تیز لہجے میں کہا: حضور یاد آجانے کی مصلحت نے داغ مزاح کر دیا ہے مگر کیوں تو یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک کھیل اور دلچسپی شخص ہے اور وہ کسی دن بھی معزز بہ سکتا ہے۔ احمد نگر کے تاج و تخت پر اس کا متقر ہونا اور جب میرا دیوانہ باپ معزول اور میں برسر اقتدار ہوں گا تو اس وقت تجھے میرے قہر و غضب سے کون پناہ دے گا؟"

فتحی شاہ نے مطمئن لہجے میں جواب دیا: خداوندی خدا جس سے چاہے آخری رسولوں کو کفار مکہ سے چھڑا کھا تھا!"

شہزادہ غصے میں چرچی کی طرف گیا اور پھر کود کر اپنے گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گیا پھر گھوڑے کو فتحی شاہ کے قریب لایا اور غضب ناک لہجے میں کہا: تو خود کو حق پر اور مجھے باطل پر کیوں سمجھتا ہے یہ کیوں نہیں کہتا کہ تو ایک جابر حکمران کی ایما پر میں خیانت کا مرتکب ہو رہا ہے اور تو سخت سزا کا مستحق ہے؟"

فتحی شاہ نے آہستہ کہا: کون حق پر ہے اور کس نے باطل کی راہ اختیار کی ہے یہ تو آنے والا وقت ہی طے کرے گا!"

شہزادے نے گھوڑے کو اس طرح ایڑ لگائی کہ وہ فتحی شاہ کو زور دار ٹکر مارتے ہوئے پاس سے گزر گیا۔ فتحی شاہ فضا میں لہراتی گھاس کے سبزے پر دور تک گھسٹتا چلا گیا۔ اس کا بایاں شانہ گھوڑے کی زور دار ٹکر سے زخمی ہو گیا تھا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور غصے اور جھنجلاہٹ سے شہزادے کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ درختوں کے جھنڈ میں موجود تماشائی اس پر ہنس رہے تھے۔

فتحی شاہ منہ بناتا ہوا اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا اور اسے چرچی سے ہٹا کے سبزے پر لے آیا۔ پشت کی درست کی اور رکاب پر پیر رکھ کے پشت پر پہنچ گیا۔

اس نے مولانا کو یہ بات نہیں بتائی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مولانا اور زیادہ سہم جائیں گے۔ اس نے شہزادے کی بابت یہ بتایا کہ گھوڑے نے پانی کی طلب میں اچھل کر اسے گرا دیا جس سے بائیں شانے میں چوٹ آگئی۔

مولانا تک کے گم پانی سے اس کے زخمی حصے کو دھوتا رہا اور آخر میں ایک مرہم لیپ کر دی۔

فتحی شاہ نے کہا: مولانا! ابھی میں تھکا نہیں ہوں تم پر کچھ کر رہی ہوں آگے دوڑ اسے تیز نہیں معلوم نہیں کیسی باتیں بنائیں اور میں خود یہ سمجھتا ہوں کہ جب تک ہم دونوں ایک نہ ہو جائیں ہمیں اپنے بیان ایک فاصلہ ضرور قائم رکھنا چاہئے!"

مولانا نے جواب دیا: جب ہم دونوں نے یہ قصد کر لیا ہے کہ ہم دو الگ الگ انسان نہیں ہیں ایک دوسرے دو قالبوں میں کارفرما ہے تو ہمیں ایسی باتیں بھی نہیں سوچنا چاہئیں میں تو یہ چاہتی ہوں کہ ہم اجنبی نہ رہیں اور کسی دوسری مملکت میں نکل چلیں۔ شہزادے کی مخالفت کسی بھی طریقے سے دور ہو جائے!"

فتحی شاہ نے شانے کی خبیس سے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا: میں جانتے بادشاہ کے مزاج میں جتنی لچک دیکھی ہے مجھے یقین ہے کہ اگر میں کسی وقت بادشاہ سے جا ہوں تو ان کا قول کارگر ہو جائے گا۔ مولانا نے جواب دیا: بادشاہ بالا کیں مجھے عزیز رکھتے ہیں اور ہم دونوں کے گناہوں بھی ابھی تک میں انعام و اکرام کی بارش کرتے رہتے ہیں لیکن دولت جمع کرنے پر ہی بادشاہ نے کہا: اور ہاں، میں بادشاہوں کے دربار سے بہت زیادہ خوف زدہ رہتے لگی ہوں کیونکہ بادشاہ کا احترام چھوڑنے کے بعد ہم کسی دوسرے دربار کا رخ نہ کریں گے۔ ہمیں اسی دربار میں آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر گزر بسر کرنے کے لئے دربار دے کے علاوہ کوئی جگہ نہیں ہے!"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

ہے کیوں نہیں، یعنی شاہ نے جواب دیا، مگر وہ بادشاہت چیز ہی نہیں ہیں۔"

مولسہ نے کھسیانے انداز میں کہا: "میں بادشاہت کی حقیقت نہیں جانتی، میں تو یہ جانتی ہوں کہ آدم نے اس فصل میں گندم کھائی تھی اور اسی کے لئے میرے باپ کی جان لی۔ بھائی کو قتل کرایا۔ ماں کو ہلاک اور اب یہ تھامے نے خطاب میں ہے، میری عزت و ناموس کا بھی اگر درپے ہے، میں تو سر کار دربار جیسے مقفل عاجز آگئی ہوں، یہ لفظ میرے کانوں میں ہتھوڑے کی ضرب بن کے داخل ہوتے ہیں اور دل زخمی کر دیتے ہیں۔"

فتی شاہ نے پیار سے گال تھپتھپایا: "غربت ہو، لیکن تمہاری ماں بہادر تھیں!"

مولسہ نے شرما کے سر جھکا لیا۔ بولی: "جو کچھ کرنا ہے جلدی کر لے جو ایک ماہ دیر کرتا ہے وہ کچھ کر ڈالے اور جو کل کرنا ہے اسے آج ہی کر گذرے۔ وقت کا کوئی بھروسہ نہیں، کہیں بدقسمتی گھات میں نہ ہو۔"

فتی شاہ نے ہنس کر ٹھٹھا اڑایا، بولا: "جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کہیں نہیں گھبرانا چاہیئے تمہاری سپر ہوں، تمہاری ڈھال، میں تمہارا قلعہ ہوں!"

مولسہ نے جواب دیا: "پے در پے صدمات نے مجھے مایوس کر دیا ہے اور میں اپنے حواس کی طرف سے بھی کوتاہی کے مرتکب ہونے کی طرح محتاط محسوس کرتی ہوں اور بدقسمتی سے یہ جانتی ہوں کہ جس کی چھن جاتی ہیں، عقلیں ٹوٹ جاتی ہیں اور ناتمام تصویر قلم بھی سر کر لیے جاتے ہیں۔"

فتی شاہ نے اداسی سے کہا: "اس مایوسی کا میرے پاس تو کوئی جواب ہے اور نہ کوئی دلیل ہی کہہ سکتا ہوں کہ خدا نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔

لا تقنطو من الرحمۃ اللہ (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو)

کئی دن بعد اچانک شہزادہ مولسہ کے گھر پھر پہنچ گیا۔ بیستہ قامت مصاحب اس کے ساتھ تھے۔ فتی شاہ کے کراسے دار سپاہی شہزادے کو روکنے کی ہمت نہ رکھتے تھے، یہ طلوع آفتاب کے دو ساعت کا واقعہ ہے شہزادہ کسی روک ٹوک کے بغیر زنان خانے میں مولسہ کے پاس جا لگا۔ بیستہ قامت مصاحب قدم چھے ساتھ تھا، باہر چبوترے پر ٹھہرے ہوئے کوتاہ کے سپاہیوں میں ہلچل مچ گئی۔ ان کا ایک سپاہی اس فتی شاہ کو شہزادے کی غیر متوقع آمد کی خبر دینے چلا گیا۔ شہزادہ اس سے بے اطلاع تھا۔

مولسہ، شہزادے کو دیکھتے ہی سفید پڑ گئی، گھبرا کے بولی: "تم پھر آ گئے؟"

"ہاں پھر آ گیا ہوں!" شہزادے نے جواب دیا اور مڑ کر بیستہ قامت مصاحب کو قریب بلا کر کہا: "دیکھو تم اس کمرے کی اچھی طرح تلاشی لو اور ہر اس چیز پر قبضہ کر لو جس سے خودکشی کا احتمال پایا جاتا ہو۔"

اور مولسہ کو حکم دیا: "اور خبردار جو تم نے چھپانے یا کچھ اور کرنے کی کوشش کی!"

مولسہ کو اپنی بے بسی پر رونا آ گیا، مگر رو نہ سکی۔ پھر آئی آواز میں بولی: "شہزادے! دنیا کی بدترین فعل ہے اور دل آزاری ثبت فجر اگلا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ جب کسی مظلوم کا دل دکھتا

عرش الٰہی ہل جاتا ہے!"

شہزادہ اپنی فتح مندی پر نازاں تھا، ہنس کر بولا: "ممکن ہے عرش ہل جاتا ہو اپنے کو تو کچھ ہوتا نہیں کیونکہ عرش کے آس پاس سے اپنا کبھی گزر ہوا نہیں پھر اداسی کا جھٹکا لگنے کا پہلا مظلوم تو نہیں ہوں، تو تم نے میرا دکھایا ہے، اب تک دل آزاری تو میری ہوتی رہی ہے اور اگر عرش الٰہی ہل بھی ہوگا تو وہ میرے دل کے دکھنے سے ہلا ہوگا!"

مولسہ کی سہمی ہوئی مٹھی بار بار اپنی دم اور پیٹ چاٹ رہا تھا اور چاٹنے کے دوران بار بار وہ اوپر جھرجھری لیتا، شہزادے نے غصے سے نظریں ہٹائیں لیکن مولسہ کے بے موجودگی سے خوش ہوئی اور دل کو طاقتور اور توانا محسوس کیا۔

شہزادے نے طنزاً کہا: "اس روز تو اس مردود بلے نے تمہاری حمایت میں ایسی زوردار مدافعت کی تھی کہ اس کے پنجوں کے زخم اب بھی سوزش میں مبتلا رکھتے ہیں لیکن اسے آج ایسا موقع نہیں دیا جائے گا!"

بیستہ قامت مصاحب کمرے کی تلاشی لے کے واپس آ گیا، بولا: "جناب پورے کمرے سے ایک خنجر، ایک چاقو اور دو نیزے کی انیاں ملی ہیں اور انھیں میں نے اپنے قبضے میں کر لیا ہے!"

شاباش! شہزادے نے کہا: "اب تم کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کے تماشا دیکھو!"

مولسہ کا دل ڈوبنے لگا۔ بلکہ بیٹھ گیا۔ شہزادے نے بیستہ قامت مصاحب کی خبر لے ڈالی اور ایک ایک جھپٹ دار پتے کے دو ٹکڑے کر دیئے، بولا: "اس فتنے کو پہلے ہی ختم کر دینا بہت ضروری ہے!"

مولسہ اور زیادہ لرز گئی، ایک دو ہچکی سہمی پر اور نرخرے سے گھگھی اور رونے کی ہوئی۔ خدا کے لئے اسی طرح میرے بھی دو ٹکڑے کر دو، میری عزت و ناموس بچا کے فائدہ رہا ہی کیا ہے نہ رہوں گی!"

شہزادے نے خون میں لتھڑی ہوئی تلوار بیستہ قامت مصاحب کی ہتھیلی پر ڈال دی اور مولسہ کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچ کے کہا: "مولسہ! تم عقل سے کام نہیں لیتیں، تم ایک معزز امیر کی بیٹی ہو اور میں ایک حکمران کا بیٹا، سمجھ لو تم بھی محفوظ ہو اور میں تمہیں سچ مچ ملکہ بنا کے رکھوں گا!"

مولسہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس سے کھسکی ہٹتی رہی۔

شہزادے نے کہا: "بہت ممکن ہے تمہارے فتی شاہ مجھ سے زیادہ حسین ہو سکتے ہوں یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ وہ ایک مصاحب ہے اور میرے مصاحب میرے والد کے مصاحب، وہ میرا حلقہ زم ہے کیا تمہارے لئے یہ فخر کافی نہیں کہ فتی شاہ جیسے حسین و جمیل نوجوان تمہارے دامادوں میں شمار کیا جائے!"

مولسہ پھر خاموش رہی کوئی جواب نہ دیا۔

شہزادے نے بے تکلفی سے اس کی کمر پر ہاتھ رکھ دیا۔ بولا: "سیدھی ہو جاؤ

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

مولنہ گھبرا کے اٹھ بیٹھی اور دونوں گھٹنوں میں سر دے کے پنڈلیوں کو دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا۔
"ایک صورت اور ہے۔" شہزادے نے کہا۔ "بات وقار اور انا کی ہے۔ فتحی شاہ نے تمھارے معاملے میں کچھ بڑھ بڑھ کے باتیں کی ہیں اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اسے سزا دوں گا اور نام کے لیے بغیر بازو آدمی رکھوں گا۔"

مولنہ کے منہ میں گویا زبان ہی نہ تھی، کسی بات کا جواب ہی نہ دے رہی تھی۔

شہزادے نے کہا۔ "تم بولتی کیوں نہیں؟ تم مجھ سے یہ کیوں نہیں پوچھتیں کہ اسے کون سی چیز ہے جو میری انا اور میرے وقار کو تسکین بھی پہنچ سکتی ہے اور تمھیں بھی زیادہ خسارہ نہیں اٹھانا پڑے گا یعنی یہ کہ تم بھی فتحی شاہ کو اپنا سکو گی؟"

مولنہ نے کمزور آواز میں پوچھا۔ "وہ کس طرح؟"

شہزادہ ہنس کے کہنے لگا۔ "مجھے معلوم تھا کہ اب تم چپ نہیں رہو گی۔ کچھ پوری طرح نہ سہی چھ زادوم نے کے بولا۔ "اگر تم میرے ساتھ مستقلاً نہیں رہنا چاہتیں تو کچھ دنوں کے لیے آجاؤ۔ میں تمھیں دو دن اپنے ساتھ رکھ کے تمھارے گھر واپس بھیج دوں گا اور تمھیں اختیار حاصل ہو گا کہ جس شخص کو چاہو اپنا تو اپنا بنا لو۔"

مولنہ نے مردہ سی آواز میں پوچھا۔ "اس میں تمھارا کیا فائدہ، چھپا ہے؟"

شہزادہ نے جواب دیا۔ "یہ کہ میں فتحی شاہ پر یہ ثابت کر سکوں گا کہ میری انا اور وقار سے ہم پلہ ادر کی انا اور وقار کو نہیں سمجھا جا سکتا۔"

مولنہ نے اضطرار کی سے کہا۔ "جس انتہائی بات کے لیے تم میری پوری زندگی تباہ و برباد کر دینا چاہتے ہو، تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ بیٹھے ہو کہ فتحی شاہ اس کے بعد بھی مجھے قبول کرے گا، وہ کچھ بھی ہو لیکن بے غیرت نہیں۔"

"تب پھر تم اس غیرت مند انسان کو بھیجنے کے لئے سپہ سالار کے میرے پاس آجاؤ۔"

مولنہ نے کمزور سا احتجاج کیا۔ "مجھے سوچنے کا موقع دو۔ ممکن ہے کہ کافی غور و فکر کے بعد میں تمھارے حق میں فیصلہ کر دوں۔"

شہزادے نے ہنس کے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "لفنگی اسی موڑ پر پہنچ رہی ہے جہاں مرد ذات پہنچ کے ہوتی تھی۔ میری یہ خوش قسمتی اور تمھاری خوش قسمتی سے ہم تم رسید بے کی بے جا اور غیر متوقع مداخلت نے تمھیں ناکام اور تمھیں کامران بنا دیا تھا لیکن آج ایسا نہیں ہو گا۔ تمھیں جو فیصلہ بھی کرنا ہے اسی وقت اور اسی جگہ کرنا ہو گا۔"

مولنہ نے کچھ دیر سوچ کے پوچھا۔ "اگر میں یہ کہوں کہ میں عارضی طور پر تمھارے ساتھ رہنے پر آمادہ ہوں تو تمھارا میرے ساتھ کیسا طرز عمل ہو گا؟"

شہزادے نے کہا۔ "یہ سوال تم نہیں میں کر دوں گا، اور تم سے یہ پوچھوں گا کہ اگر تم نے ایمان داری اور خلوص سے میرے ساتھ کچھ دن رہنے کا فیصلہ کیا ہے تو تم یہ کس طرح ثابت کرو گی کہ تم جو کچھ کہہ رہی ہو وہ خلوص اور دیانت داری سے کہہ رہی ہو؟"

مولنہ نے جواب دیا۔ "تم مجھے اپنے محل میں رہنے کی ایک تاریخ دو اور اس دن اگر میں تمھارے

ساتھ نہ چلوں تو تم مجھے جھوٹا، فریبکار اور چور جو چاہے کہہ لینا لیکن اس سے پہلے تم کچھ بھی نہ کہو گے۔"

شہزادے پر ہنسی کا دورہ پڑا، اتنا ہنسا اتنا ہنسا کہ مولنہ بھی شہزادہ پاگل ہو گیا ہے، معاملہ سے بالکل بے خبر ہونے کے باوجود نہیں، اس لڑکی کی باتیں، پیر فضی نظام شاہ والی احمد نگر کے ذہین اور عقل مند بیٹے کو بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہے، تعجب، لیکن یہ نہیں سمجھی کہ جس شخص کو پورے احمد نگر پر حکومت کرنے کے لئے پسند کیا گیا ہو وہ ایک نادان اور کم عقل لڑکی کی باتوں میں کس طرح آجائے گا؟" پھر مولنہ سے پوچھا۔ "لڑکی! تم نے یہ کس طرح یقین کر لیا کہ میں تمھیں اس معاملے میں کوئی مہلت بھی عطا کروں گا؟"

مولنہ نے کہا۔ "اتنا بڑا کام عجلت میں کس طرح انجام پا سکتا ہے؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "میں تمھیں مہلت فرصت میں ضرور دے سکتا ہوں لیکن تمھیں داغ دار کرنے کے بعد، میں اشاروں کنایوں میں بات نہیں کرتا۔ میں تمھاری رضامندی سے اسی وقت معاہدے کی توثیق چاہتا ہوں تاکہ ہم دونوں ایک مخصوص عمل سے اسی وقت معاہدے کا اعلان کر سکیں گے اور ہم دونوں کے اشتراک اور تعاون سے انجام پانے والا یہ فعل اس بات کی علامت ہو گا کہ دونوں معاہدے پر خلوص اور دیانت سے عمل پیرا ہونے کی نیت رکھتے ہیں۔"

مولنہ بری طرح گھبرا گئی تھی، چالاک اور عیار شہزادے نے فرار کی تمام راہیں بند کر دی تھیں۔

پست قامت مصاحب اداسیوں کا مرغزہ تھا، اس نے شہزادے سے کہا۔ "ظلِ عالم! خواجہ کی باتوں میں وقت کیوں ضائع فرما رہے ہیں؟ کیا آپ نے داناؤں کی یہ مثل نہیں سنی کہ عورت اور گھوڑا مان کی چیزیں ہیں، انھیں مان ہی کے نیچے رکھنا چاہیے کیونکہ یہ اسی طرح قابو میں رکھی جا سکتی ہیں۔"

شہزادے نے مشورے کا شکریہ ادا کیا اور اسے حکم دیا۔ "تم کمرے سے باہر جاؤ اور پہرے داری کرتے رہو اور اس دوران کوئی شخص بھی ادھر نہ آنے پائے۔"

پست قامت مصاحب کمرے سے نکل گیا اور اسے باہر سے بند بھی کر دیا۔

شہزادہ درندے کی طرح مولنہ پر جھپٹا لیکن مولنہ بچ نکلی، اس جھاگ اور نے مولنہ کو تھکا دیا، لیکن وہ شہزادے کو پھر بھی نچا رہی تھی۔ پست قامت مصاحب بار بار پوچھتا۔ "ظلِ عالم! کتنی دیر ہوئی؟ جلدی بہت جلدی کیجئے کے تاؤ میں ایک لڑکی نہیں آتی پہنچی کر لیں ہے، جلدی کچھ کیجئے ورنہ بدنامی ہو گی۔"

ادھر مولنہ موقع پا کے مہر دروازے کے نیچے سے گھس گئی تھی وہاں دیواں اور موٹے پردے سے لپٹے ہوئے دو قمقمیاں جلتا ایک سہ پائہ تھا، مولنہ کی جان میں جان آئی اور اسے اپنے قسمت طاقت ور محسوس کرنے لگی۔ شہزادے نے جھک کر دیکھا اور مولنہ کو حکم دیا۔

"مہر کے نیچے سے نکو، گھر میں کیا دھاپ کر رہی ہو؟ دیکھو اگر تم نے ذرا بھی چالاکی کرنے کی کوشش کی تو تم پر ایسا تشدد کیا جائے گا کہ تم ساری عمر یاد رکھو گی۔ ورنہ بہتر یہی ہے کہ تم مہر سے باہر آجاؤ۔"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

مولنے نے جواب دیا: اس وقت میرے ہاتھ میں ایک بڑا سا سرا ہے اور یہ یاد رکھو کہ اگر تم نے میرے کسی حکم کی تعمیل میں کوتاہی کی تو میں کسی رعایت کے بغیر سوئے سے زخمی کر دوں گی۔"

شہزادے نے کہا: "کیا قیامت عورت ہے، کیسی فتنہ انگیز ہے!"

مولنے کہا: "اس وقت میں خود بھی جان پر کھیل جانے کا تہیہ کر چکی ہوں، تم مجھے اپنی طاقت اور دولت کے ذریعے قابو کر لینا چاہتے ہو۔ ایسا نا ممکن ہے۔"

اسی وقت پستہ قامت مصاحب نے کمرے کا دروازہ کھول دیا اور گھبرایا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا: "قبلۂ عالم! غضب ہو گیا۔ ہمراہ کرم اس لڑکی کا پیچھا چھوڑ دیجئے، یہ تو کسی آسیب کی اولاد لگتی ہے۔"

شہزادے نے ہنس کر کہا: "آخر تو کیوں ہراساں ہو رہا ہے؟"

پستہ قامت مصاحب نے جواب دیا: "حضور والا! باہر حضور والا کے پدر بزرگوار کے سپاہی آئے ہیں اور بادشاہ سلامت کے حکم بر بنائے عالم کو گرفتار کر لینا چاہتے ہیں!"

یادی ہاتھ سے جاتے جو دیکھی اور ابھی گرفتاری کی محسوس خبر سنی تو شہزادے کے حواس ہی جاتے رہے۔

شہزادہ پستہ قامت مصاحب کے ساتھ باہر نکلا، وہاں بادشاہ کا ایک مصاحب خاص تقریباً پچاس سپاہیوں کے ہمراہ شہزادے کے نام پروانۂ شاہی لئے کھڑا تھا۔ بادشاہ کے مصاحب خاص نے مضطرانہ سوال کیا: "حضور والا کیا آپ نے پروانۂ شاہی میرے ہاتھ میں دیکھ کے گھبرا نہیں گئے؟"

شہزادے نے اپنا ہاتھ پروانۂ شاہی کی طرف بڑھایا اور عجلت پروانہ پڑھنے لگا۔ بادشاہ نے لکھا تھا معلوم از جان شہزادے! یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ سنتے میں آیا ہے کہ تم مرحوم جہانگیر خان کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہو۔

- بھی بندہ پرور، حضور نے بالکل صحیح فرمایا۔ وہ زیر لب بڑبڑایا۔ وہ شاہی پروانہ ہاتھ میں تھامے ہوئے عجلت میں لکھی گئی تھا۔ اس میں لکھا تھا۔

"یہ جہانگیر خان ہمارا جاں نثار اور وفادار امیر تھا۔ اچھا منتظم، اعلا سپہ سالار اور بہترین مشیر تھا۔ اس کے حاسدوں اور بدخواہوں نے ہمیں اس کے خلاف بھڑکایا اور ایک دن ہم نے اسے حضرت میں زہر دیکر شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جہانگیر خان ہمارے منصوبے سے واقف تھا اس نے ہنسی خوشی مسکراتے ہوئے مقررہ وقت پر زہر کا پیالہ پی لیا اور ہمارے نام یہ پیغام بھیجا کہ میں جانتے ہوں بادشاہ کا بھیجا ہوا آپ یہاں پر کسی قسم کی آفت پر وہ از خود پاہوں۔ خدا بادشاہ کو تادیر سلامت رکھے، ہم اپنے اس فعل پر آج تک شرمندہ ہیں اور کاروبار سلطنت سے تقریباً اٹھا چکے ہیں اور تم اسی وفادار امیر کی بیٹی کو سات پردوں میں چھپا کر بھی ہمارے قہر عالم و غضب سے نہیں بچا سکتے۔ ہم نے تمہارے لئے ایک خاص سزا تجویز کی ہے۔ تم اپنے جاں نثار دوستوں کو ہمارے پاس حاضر ہونے اور اگر ضروری ہو تو ہم سے لڑنے کا حکم دو۔ ہم

مقصد میں ضرور کامیاب ہو جاتا، بلکہ پاس جو کچھ بھی ہے اسے لے کے یہاں سے کہیں اور چلے جائیں۔ سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کا وقت نہیں رہا!"

فتحی شاہ نے جواب دیا۔ "چاہتا تو میں بھی یہی ہوں لیکن بادشاہ ایسا کرنے سے منع کر رہے ہیں۔ وہ ہیں، میں یہیں رہوں اور مجھ شہزادے سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ اب اگر میں بادشاہ کا کہا نہیں مانوں گا تو انھیں بھی اپنا دشمن بنا لوں گا اور خلجی بادشاہ کی دشمنی مجھے بہت زیادہ نقصان پہنچائے گی۔ قرب و جوار کی کوئی بھی حکومت ہمیں پناہ بھی نہ دے گی اور اگر پناہ بھی دے گی تو بادشاہ کی طبعی پر ہمیں پھر بادشاہ کے حوالے کر دے گی!"

مولنہ نے سرگوشی کی۔ "عجب مشکل میں جان پھنسی ہے، آخر ہمیں کرنا کیا چاہیے؟"

فتحی شاہ نے جواب دیا۔ "بادشاہ کہتے ہیں کہ میں تم سے فوراً شادی کر لوں اسی طرح یہ فتنہ ٹل جائے گا!"

مولنہ نے چونک کے ایک لمحے کے لیے فتحی شاہ کو دیکھا اور شرما کے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

بادشاہ کی ایسی پر دونوں کی شادی ہو گئی اور اس شادی میں تھوڑی دیر کے لئے بادشاہ نے بھی شرکت کی۔ دلہن بنی ہوئی مولنہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور اسے اپنی بیٹی قرار دیا اس پر بادشاہ اپنے بیٹے میراں حسین کو یہ جتانا چاہتا تھا کہ مولنہ اب بادشاہ کی بیٹی ہے اور اسے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے شہزادے کو اس کے نتائج سے خبردار رہنا چاہیے۔

شب کو رسمی میں شہزادہ اپنے اداش ساتھیوں کو لے کر فتحی شاہ کے پاس پہنچ گیا اور اسے بغل گیر ہو کر ملا۔ فتحی شاہ نے اس حسین تر بن ملے کو فکر و تردد کی نذر نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اتنی طاقت بھی نہ رکھتا تھا کہ شہزادے کو یوں ہی واپس کر دیتا۔

فتحی شاہ بڑی بے دلی سے بیٹھک میں پہنچے۔ شہزادے نے پرتپاک انداز میں فتحی شاہ کا خیر مقدم کیا، معانقہ کرتے ہوئے کہا۔ "مبارک مبارک، سنا ہے بادشاہ نے مولنہ کو اپنی بیٹی بنا لیا ہے گویا اب تم میری بہن ہو چکی ہے اور تم میرے بہنوئی ہو!"

فتحی شاہ نے عاجزی کے جواب دیا۔ "یہ بھی بندگانِ عالی کی عزت افزائی اور کرم گستری ہے کہ انھوں نے اس ناچیز کی شادی میں شرکت فرمائی اور مولنہ کو اپنی بیٹی قرار دینے کا اعلان فرمایا!"

شہزادے نے کہا۔ "وہ پرانے جھگڑے ختم۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کے رشتے دار کی حیثیت سے ملنا چاہیے۔ کیا تم مجھے مولنہ کے پاس لے چلو گے جس نے مجھے شادی میں نہیں بلایا، اس کی مجھے کوئی شکایت نہیں کیونکہ اس وقت تک تمھیں یہ نہیں معلوم تھا کہ مولنہ بادشاہ کی بیٹی بننے والی ہے لیکن اب تو مجھے میری بہن مولنہ کے پاس لے چلو!"

شہزادے کے مزاج کا یہ تغیر فتحی شاہ کے لئے مسرت افزا تھا، وہ اسی وقت شہزادے کو

اپنے ساتھ لے چلا۔ مولنہ شب خوابی کی خلوت گاہ میں شہزادے کو داخل ہوتے دیکھ کر گھبرائی سمٹی فتحی شاہ نے دور ہی سے اعلان کرنا شروع کر دیا۔ مولنہ! شہزادے نے تمھیں اپنی بہن کہہ دیا ہے۔ بادشاہ نے اس اعلان کو نہایت عزت اور قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس کی رو سے تم بادشاہ کی بیٹی قرار پاتی ہو!"

مولنہ کو ان باتوں پر یقین نہ آیا۔ وہ مذبذب شہزادے کو دیکھتی رہی۔

شہزادہ اس کے قریب کھڑا ہو کے کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ پھر بمشکل کہا۔ مولنہ تمھیں شادی پر حسین حالت مبارک ہو!" پھر فتحی شاہ سے کہا۔ "فتحی شاہ! تم جیت گئے۔ تم نے مجھے شکست دیدی، اور یہ پہلی بار میں نے اپنی پوری زندگی میں مایوسی اور ناکامی کا منہ نہیں دیکھا اس لئے اس شکست اور ناکامی نے میرے دل ہی کو نہیں روح تک کو گھائل کر دیا ہے، خیر یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے اگر تم پسند کرو تو وہ وقت بھی میرے پاس ایک ایسی تجویز ہے جس سے میرے ناکام اور مایوس دل کو سہارا مل سکتا ہے!"

فتحی شاہ اور مولنہ حیرت اور ڈر سے شہزادے کی بقیہ بات کا انتظار کرنے لگے۔ شہزادے نے فتحی شاہ سے کہا۔ "تم نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا!"

فتحی شاہ نے گردہ آواز میں جواب دیا۔ "آپ اپنی تجویز بیان کریں!"

شہزادے نے اپنی جیب سے ایک دومال نکالا اور اس کے ایک کونے میں بندھی ہوئی انگوٹھی کو ہاتھ میں لے کر بولا۔ "یہ دومال ہے جس کے ایک کونے میں یہ انگوٹھی بندھی ہوئی ہے۔ یہ دونوں چیزیں میں خود مولنہ کو دینا چاہتا ہوں۔ پھر انگوٹھی والا ہاتھ مولنہ کے ہاتھ کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "لاؤ ہاتھ میرے پاس لاؤ انگوٹھی میں خود اپنے ہاتھ سے تمھاری انگلی میں پہنانا چاہتا ہوں!"

مولنہ کو ہاتھ آگے بڑھانے میں تامل ہوا۔ فتحی شاہ بھی مذبذب، کسی فیصلے کے قابل نہ رہا۔ شہزادے نے بیزاری سے کہا۔ "مجھے اپنے اس عمل سے یہ تسکین ملے گی کہ اگر مولنہ کو حاصل نہیں کر سکا تو یادگار کے طور پر ایک دومال اور انگوٹھی دینے میں ضرور کامیاب ہو گیا، میرا خیال ہے تم دونوں کو اس حقیر سی مسرت حاصل کرنے میں اعتراض نہیں ہونا چاہیے!"

مولنہ کا سخت دل اب بھی ویسا نہ تھا لیکن فتحی شاہ نے مولنہ سے درخواست کی "مولنہ! ہمیں شہزادے کی اس خواہش کو رد نہیں کرنا چاہیے اور اپنے اس عمل سے اگر شہزادے کسی قسم کی تسکین حاصل کرتا چاہتے ہیں تو ہمیں مزاحم نہیں ہونا چاہیے!"

مولنہ کانپتا ہوا ہاتھ شہزادے کی طرف بڑھا اور شہزادے نے نہایت مہنگی انگوٹھی اس کی انگلی میں پھنسا کے رومال ہاتھ میں تھما دیا۔ شہزادے کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔

شہزادہ ایک بھائی کی حیثیت سے مولنہ کے پاس بہت زیادہ حاضریاں دینے لگا۔ یہ سلسلہ

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

مولسہ اور فتحی شاہ دونوں کے لئے پریشان کن تھی لیکن وہ سن بھی نہ کر سکتے تھے شہزادے نے ایک دو بار مولسہ سے ہنسی ہنسی میں شکایت کی بھی کہ فتحی شاہ سے شادی کر کے اس نے غلطی کی ہے اور اس غلطی کا احساس اسے کچھ عرصے بعد ہوگا۔ مولسہ نے شہزادے کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ آئندہ کبھی بھی اس موضوع پر گفتگو نہ کرے۔

بادشاہ نے مولسہ کو جیتی کہا تھا، اس نشتے کے خیال سے اس نے قیمتی دار صلابت خان کو حکم دیا کہ تمہارے میں جو چند قیمتی مالائیں رکھی ہیں، انھیں فتحی شاہ کے حوالے کر دیا جائے۔ بادشاہ کے اس حکم کی شہزادے کو خبر ہوئی تو اس نے صلابت خان کو مجبور کر دیا کہ اس حکم کی تعمیل نہ ہو۔ صلابت خان ٹال گیا۔ فتحی شاہ نے کئی دن بعد ایک مناسب موقع پر بادشاہ کو مطلع کیا اور حکم دیا کہ وہ قیمتی مالائیں اسے نہیں ملی ہیں۔ بادشاہ نے غصے میں قلعے دار صلابت خان کو طلب کیا اور حکم دیا کہ وہ قیمتی مالائیں اسی وقت فتحی شاہ کے حوالے کر دی جائیں۔ صلابت خان نے تعمیل حکم سے پہلے شہزادے سے ملاقات کی اور اسے تازہ صورتحال سے مطلع کیا۔ شہزادے نے پھر اسے تعمیل حکم سے انکار پر آمادہ کر لیا۔

صلابت خان بادشاہ کا حکم بار بار نہیں ٹال سکتا تھا، اس بار اس نے چند معمولی مالائیں فتحی شاہ کے حوالے کر دیں لیکن دو دن بعد ہی فتحی شاہ کو کسی طرح اس دھوکے کا علم ہو گیا۔ اس نے بادشاہ سے شکایت کر دی۔ بادشاہ نے اسی وقت صلابت خان کو بلایا اور جواب طلب کیا۔ صلابت خان تھر تھر کانپنے لگا۔ بادشاہ نے کہا: خزانے کے تمام ہیرے جواہرات اور دوسری قیمتی اشیاء ہمارے نقر خانے میں رکھ دی جائیں ہم ان کا معائنہ فرمائیں گے۔"

صلابت خان نے شہزادے کو بادشاہ کے نئے حکم سے مطلع کیا۔ شہزادے نے کہا "ان قیمتی مالائوں کے علاوہ سب کچھ نقر خانے میں جمع کر دیا جائے۔"

صلابت خان نے شہزادے کے حکم کی تعمیل کر دی اور بادشاہ سے اس کے معائنے کی درخواست کی۔ بادشاہ دیر تک اس خزانے کا معائنہ کرتا رہا اور یہاں بھی یہ بات سمجھ نہیں رہی تھی کہ قیمتی مالائیں ان میں موجود نہیں ہیں، وہ خادم بادشاہ کے آس پاس دو قدم پیچھے چلا رہے تھے اور بادشاہ ایک ایک چیز بغور دیکھتا اور آگے بڑھ جاتا۔ آخر بادشاہ نے جھنجلا کے آگ طلب کی اور خادموں کو باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ جب دونوں خادم باہر چلے گئے تو بادشاہ نے اس جیبی چراغ نے کو آگ دکھا دی اور باہر نکل آیا۔ ہر موجود خادموں کو حکم دیا کہ ہال کے دروازے بند کر دیے جائیں، خادم بادشاہ کی حرکت سے لاعلم تھے اور اس وقت تک آگ کچھ بھی نہیں تھی، ہال کے تمام دروازے بند کرا کے بادشاہ خادموں کے ساتھ کھلی کی اس عمارت میں گیا جسے عمارت بغداد کہا جاتا تھا۔ اس نے فتحی شاہ کو طلب کیا اور اسے دل جلے انداز میں بتایا: "فتحی! ہم نے اس خزانے ہی کو زندہ آتش کر دیا جس کی خاطر لوگوں کو ناحق زبان اور کذب گو بنا رہا تھا۔"

فتحی شاہ بادشاہ کی بات سمجھ نہیں سکا تاہم جھک کر ادب سے وضاحت چاہی۔ بادشاہ نے غصے سے کہا: "یہ ناچیز حضور کا کلام وضعت مقام سمجھنے سے قاصر رہا، تشریح و تفصیل کا طالب ہے۔"

بادشاہ نے غصے میں جواب دیا۔ "ہمیں معلوم ہے کہ شہزادہ میراں حسین ہمارے خلاف

سازشیں کر رہا ہے۔ ہم اپنے خدام اور سمک خواروں کو ایک حکم دیتے ہیں، میراں حسین تعمیل فرمان میں تراہم ہو جاتا ہے اور ہمارے نمک خوار بعض اس خیال سے میراں حسین کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ ولی عہد ہے اور ہمارے بعد وہی حکمران ہوگا۔"

فتحی شاہ نے خوفزدہ ہو کر اپنی حیثیت سے زیادہ بات کہہ دی، حضور والا! غلام نے الفاظ "ایک ایسی بات بھی سن رکھی ہے کہ اس کا اپنی زبان سے دہرانا بھی غلامی سوء ادبی کہلائے گا!"

بادشاہ نے اشتعال جلال سے فتحی شاہ کو دیکھا: "فوراً بیان کرو ورنہ اس الفاظ میں کوئی ایسا مفہوم موجود ہے جس سے نظام شاہی، قدر کو خطرہ لاحق ہو تو اس کا چھپانا بھی ایک سنگین جرم اور ناک حرامی ہے!"

فتحی شاہ نے اشک آلود کے عرض کیا: "غلام نے بات کے اندھیرے میں سرگوشیانہ انداز میں یہ سنا ہے کہ حضور والا کے کچھ بدخواہ شہزادے کو برسر اقتدار لانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ یہ ناچیز ان کی آواز سے انھیں پہچان نہیں سکا بھی لیکن خطرناک بات حضور کے گوش گزار کرنا ضروری تھا۔"

بادشاہ نے میراں حسین کو تنزل سے بلا کر تخریج کر دیا، بولا: "میراں حسین کی سنگ دلی اور سفاکی سے سب کچھ ممکن ہے، ہمیں خود بھی اس کے عزائم ناملائم کا علم ہے لیکن اسے ان کے سدقدم کامیاب نہیں ہونے دیا جائے گا۔"

دونوں خادموں میں سے ایک کسی ضروری کام سے باہر چلا گیا اور خزانے کی اصل روداد شہزادے کے خلاف گفتگو کا حال دوسروں کو بتا کے واپس آگیا۔ شہزادہ، صلابت خان اور چند دوسرے آدمیوں کو بے آتش زدہ حصے میں داخل ہوا، اس وقت تک ان اشیا کے علاوہ جنھیں آگ نہیں جلا سکتی، سب کچھ جل چکا تھا۔ شہزادے نے طیش سے دانت بھینچ لئے اور چہرے پر سفاکی کے آثار ہویدا ہو گئے۔ اس نے کسی کو مخاطب کئے بغیر کہا: "میرا باپ دیوانہ ہو چکا ہے! اگر یہ وقوف اب اسے حکمران نہیں رہنا چاہئے، میں اسے ہٹا کے دم لوں گا۔"

صلابت خان نے عرض کیا: "حضور والا! فتحی شاہ جیسے بدخواہ بادشاہ کو دور ہٹاتے رہتے ہیں، اب حضور کے لئے یہ لازم ہو گیا ہے کہ وہ کچھ دنوں کے لئے بادشاہ کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔"

شہزادے نے طیش میں کہا: "میں کچھ دنوں کے لئے بے جا پور کیوں نہ چلا جاؤں، وہاں میری (نامعلوم) چند نسبتی دستور کے خاندان سے فوجی مدد حاصل کر سکتا ہوں اور اس سے اپنے باپ کو معزول کروا سکتا ہوں۔"

صلابت خان نے دبی سی عرض کیا: "حضور کچھ بھی نہ کریں بلکہ اپنے جاں نثاروں پر اعتماد فرمائیں، آپ کچھ دنوں کی روپوشی اختیار فرمائیں، اس دوران میں بادشاہ کا غصہ اتر جائے گا اور پھر مستقبل کے لئے کوئی اچھی تدبیر بھی سوچی جا سکے گی۔"

شہزادے نے کہا: "مجھے تمہارا مشورہ منظور ہے لیکن میں ایک زیادتی تمہیں بھی سونپنا چاہتا ہوں، فتحی شاہ نے مجھے پریشان کیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم اس کا علاج ضرور کرو، جب تک میں اسے کوڑی

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

کوڑی کا تاج اپنے قدموں میں سسکتا بلکتا نہ دیکھوں گا، مجھے سکون نہیں ملے گا!"

صلابت خان نے عرض کیا: "آپ فکر نہ کریں!"

صلابت خان شہزادے کو ساتھ لے کر قلعہ سے باہر آ گیا۔ اس کے جاتے ہی بادشاہ کے بھیجے ہوئے درجنوں سوار وہاں پہنچے اور شہزادے کے ملنے کا پتہ معلوم کیا۔ وہ دیر تک ادھر اُدھر شہزادے کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ انھوں نے صلابت خان کو پکڑ لیا اور اسے مار مار کر شہزادے کا پتہ معلوم کرنا چاہا لیکن صلابت خان بھی کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔ قلعے دار تھا اور جب تک وہ قلعے دار تھا اس کی حیثیت بہت مضبوط تھی۔ اس نے بادشاہ کے شمشیر برداروں سے کہا: "کیا تم یہ سمجھے ہو کہ میں بادشاہ کا نمک خوار نہیں رہا؟ میں اس کا اب بھی وفادار اور نمک خوار ہوں لیکن یہ ضرور ہے کہ میں تم دونوں کی طرح عقل و خرد سے عاری نہیں ہوں، یہ باپ بیٹے کی جنگ ہے اور ہم نمک خواروں کو کسی کی حمایت اور کسی کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کے حصہ نہیں لینا چاہیے کیونکہ ہمارا ردوں ہی سے واسطہ رہے گا اور ہم دونوں ہی کے نمک خوار ہیں!"

شمشیر بردار کچھ نرم پڑ گئے اور بات ان کی سمجھ میں بھی آ گئی وہ واپس گئے اور بادشاہ کو مطلع کیا کہ شہزادہ کہیں فرار ہو چکا ہے، اس کا کہیں پتہ نہیں!

بادشاہ نے شہزادے کے تعاقب اور تلاش میں لوٹری جیسے چالاک اور بھیڑیے جیسے درندے اور سفاک آدمی چھوڑ دیے!

باپ بیٹے کی جنگ کا گویا اعلان ہو چکا تھا۔ شاہی عہدے دار دو حصوں میں تقسیم ہو چکے تھے، ایک حصہ بادشاہ کا حامی تھا، دوسرا شہزادے کا۔ مدگار بادشاہ کے آدمی شہزادے کو تلاش کرتے پھر رہے تھے اور شہزادے کے مددگار اسے چھپانے میں لگے ہوئے تھے۔ فتحی شاہ اور مولانہ ڈر کے سہمے سارے معاملے کو دور سے بند کمرے میں بیٹھے تھے۔ فتحی شاہ اب بار بار یہ سوچتا کہ اسے شہزادے کی مخالفت نہیں مول لینی چاہیے تھی، عشق کا نشہ کسی حد تک اُتر چکا تھا۔ جوانی میں ہر لڑکی پر جان دلدار اچھا لگتا ہے اور مولانہ تو خوبصورت بھی تھی وہ بہت زیادہ اچھی تھی اور اس نے بہت زیادہ اچھی صورت اور شباب پرست کچھ بھگا کر دیا۔ اس کی آزادی چھن گئی۔ بے فکری غارت ہو گئی۔ مستقل خطرے میں گرفتار ہو گیا۔ بادشاہ غضبناک اور دیوانہ کہلاتا تھا اور کچھ بعید نہ تھا کہ غضبناک اور دیوانہ بھی کب اس کے خلاف ہو جائے۔ شہزادے کے اداسیوں کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا تھا۔ ان فکروں نے اسے آہستہ آہستہ بدلنا شروع کر دیا۔ کبھی کبھی تو وہ یہاں تک سوچ بیٹھتا کہ اصل شے بے فکری اور دولت ہے، اگر یہ دونوں چیزیں کسی شخص کو حاصل ہوں تو وہ بڑے مزے کی زندگی گزار سکتا ہے ایک حسین لڑکی مل سکتی ہے، نت نئی عورتیں فراہم ہو سکتی ہیں کسی کسی لمحے مولانہ سے عشق اور اس کی حصولیابی کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور رقابتیں پر اسے ہنسی بھی آتی اور افسوس بھی ہوتا لیکن تیر کمان سے

نکل چکا تھا اور شہزادے کی دشمنی مول لی جا چکی تھی، آہستہ آہستہ مولانہ بھی اس تبدیلی کو محسوس کرنے لگی۔

موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور بادلوں میں ہوا کی ہوئی بجلی کی چمک اور بادلوں کی گھن گرج ایک طوفان اٹھا رکھا تھا۔ اس حسین اور اشتعال انگیز موسم میں دونوں کے جذبات سفاکانہ انگڑائی لی اور وہ ایک دوسرے کا سہارا تھامے عقبی باغیچے میں داخل ہو گئے موسلا دھار بارش نے انھیں اپنے دھاروں میں چھپا لیا۔

مولانہ پر بھی اس موسم میں جذبات غالب آ گئے اور وہ جذبات زدہ آواز میں کہنے لگی: "فتحی! تم کتنے بدل گئے ہو، اتنے بدل گئے ہو کہ اس تبدیلی کا تمھیں خود بھی احساس نہیں ہوتا!"

فتحی شاہ نے حیرت سے جواب دیا: "یہ تمھارا وہم ہے مولانہ اور وہم کا علاج تو لقمان کے پاس بھی نہ تھا!"

مولانہ نے کہا: "تم مجھے باتوں سے نہیں بہلا سکتے یہ میرا وہم نہیں، حقیقت ہے، ایک واقعہ ناخوشگوار واقعہ، تم بہت زیادہ بدل چکے ہو فتحی اور اس تبدیلی کو تم نہیں سمجھ سکتے۔"

فتحی نے اسے زبردستی اپنے برابر بٹھا لیا، بولا: "اس حسین اور اشتعال انگیز موسم میں ایسی غیر اشتعال انگیز باتیں ذرا بھی اچھی نہیں لگتیں۔"

مولانہ کے نگاہ جسم پر بھیگے ہوئے کپڑے قیامت ڈھا رہے تھے بالکل ایسا لگتا جیسے آگ کے مجسمے پر بھیگے کپڑوں کا چھایا رکھ دیا گیا ہو۔ فتحی نے مولانہ کا ہاتھ ہاتھ میں لے لیا اور اسے ہونٹوں پر رکھ لیا پھر گالوں پر پھیرتا ہوا بولا: "ہاں تو جب تک تم مجھے میرا جرم نہ بتلاؤ گی میں تمھیں یہاں سے جانے نہ دوں گا!"

مولانہ نے کہا۔ فتحی! اس کی آواز بھرا گئی: "ذرا اس زمانے کو تو یاد کرو جب ہم دونوں کی شادی نہ ہوئی تھی، اس وقت تم میرا کتنا کہا کرتے تھے لیکن اب وقت بدلا بدلا محسوس ہوتا ہے۔"

فتحی شاہ نے بے ساختہ ہنس دیا، کہا: "ادے تم تو واقعی سنجیدہ ہو؟"

مولانہ نے اس کی گود میں سر ڈال دیا، بولی: "بھر کبھی میں خود کو بالکل تنہا محسوس کرتی ہوں!"

فتحی نے معافی مانگی: "اگر تم اب محسوس کرنے لگی تو میں معذرت چاہتا ہوں اور معافی کا طالب ہوں، تمھیں خود کو تنہا نہیں سمجھنا چاہیے جب تک میں موجود ہوں، تم خود کو تنہا اور اکیلا کس طرح محسوس کر سکتی ہو؟"

ان تسلیوں اور دلاسوں نے مولانہ کو مطمئن نہیں کیا۔ بارش تھمنے کا نام نہ لیتی تھی، فتحی نے کہا۔ "بارش تھمے تو میں چلوں، بار بار بجلی چمک رہی ہے ڈر لگتا ہے کہ کہیں گر نہ پڑے دونوں کو ہلاک نہ کر دے!"

مولانہ نے جواب دیا: "مجھے بالکل ڈر نہیں لگتا، مر جانا کون سی بڑی بات ہے جس سے آدمی خوف زدہ ہو!"

فتحی کچھ کہہ گیا کہ اس وقت مولانہ پر بجلی کڑکے پن کا دورہ پڑا ہوا تھا اس لیے وہ فتحی کی بات میں کوئی نہ کوئی عیب نکال کے ناحق کڑکے گی۔ اسی لیے باغیچے کی عقبی دیوار سے کسی آدمی جھانکتے نظر آئے، انھیں مولانہ نے پہلے دیکھا اور وہ گھبرا کے کھڑی ہو گئی، ابھی فتحی شاہ سے کچھ کہہ نہ سکا تھا کہ کئی آدمی دیوار سے چھلانگ لگا کے باغیچے میں داخل ہو گئے۔ اب انھیں فتحی شاہ نے بھی دیکھ لیا تھا وہ بھی کھڑا ہو گیا۔ آنے والوں

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

شہزادہ سب سے آگے تھا اس کے ہاتھ میں کمان تھی جس میں تیر جوڑے ہوئے تھا ان دونوں کی طرف بڑھا جا رہا تھا مولسہ بے تحاشہ فرار سے بھاگنے لگی۔ بدن پر جیسے چیونٹیاں رینگ رہی تھیں اس نے عریاں کر دیا تھا۔ وہ شہزادے اور اس کے مصاحبوں کے سامنے اس لباس میں کس طرح کھڑی رہ سکتی تھی شہزادے نے تیر چھوڑ دیا۔ مولسہ بھاگ کر ایک جھاڑ کے پیچھے گر پڑی۔ اگر نہ رکتی تو میں تمہیں تیر مار کے زخمی کر دوں گا!"

فنی شاہ کبھی مولسہ کی طرف دیکھتا کبھی شہزادے کو اور کبھی ان کے آدمیوں کو دیکھنے لگتا جو کھسیانی ہو کر ادھر ادھر بکھرنے لگے تھے اور آپس میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔ انہوں نے تعداد میں اپنے سے تقریباً دس گنا زیادہ لوگوں کو بے بس کر دیا تھا اور سبھی مسلح اور خونخوار تھے۔

مولسہ ابھی تک نہیں اٹھی تھی۔ شہزادے نے ہوا میں تیر چھوڑ ہی دیا۔ مولسہ گھبرا کے بیٹھ گئی اور شہزادہ بھاگ کے اس کے سر پر پہنچ گیا۔ بولا: "مولسہ! مجھ سے بھاگو مت، اور نہ مجھے ناراض کرو!"

مولسہ نے جسم چھپانے کی کوشش کی۔ شہزادے نے ہنس کر کہا اور بولا: "تم مجھ سے شرما رہی ہو، تمہیں مجھ سے حیا آ رہی ہے! خوب! ادھر میں تو گویا اسی گھر کا ایک فرد ہوں، کیا تم بھول گئیں کہ والد صاحب نے تمہیں اپنی بیٹی بنا رکھا ہے اور اس رشتے سے تم میری بہن ہو گئی ہو!"

فنی شاہ کو اداسیوں نے گھیر سے لیا۔ شہزادہ مولسہ کو زبردستی بٹھانے لگا۔ اس نے مولسہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ فنی شاہ نے شہزادے کی یہ حرکت دیکھی لیکن منع نہ کر سکا کیونکہ اس کو تو تقریباً بندہ، وہیں آدھ گھنٹے کے اپنا اصل کام انجام دو!"

فنی شاہ کو یاندھے شہزادے اور مولسہ کے درمیان سے ہٹا دیا گیا اور شہزادے کے ساتھی وہاں داخل ہو گئے۔

شہزادہ مولسہ کو پکڑے ہوئے فنی شاہ کے سامنے پہنچا اور کہا: "تم یہ مت سمجھنا کہ میں سب کچھ بھول چکا ہوں، میں ایک عرصے سے اس بہترین موقع کی تلاش میں تھا جو مجھے مل چکا ہے، تم نے مولسہ سے شادی کر کے میرے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا تھا۔ آج میں اس سے زیادہ سنگین بدلہ تمہارے گال پر رسید کروں گا!"

پھر اس نے مولسہ کو سہرے پر گرا دیا اور فنی شاہ کو مخاطب کیا: "دیکھو یہ جو کچھ ہو رہا ہے مولسہ کو خوشی سے دیکھو کیا تم نے بادشاہ سے میری چغلی نہیں کھائی تھی کہ میرا حسین انعامی مثل کر دینا چاہتا ہے، کیا تم نے وفا نوفت بادشاہ کو یہ مشورہ نہیں دیا کہ میں بادشاہ کا بدخواہ اور دشمن ہوں!"

فنی شاہ مجبور و بے بس سنتا اور دیکھتا رہا۔ شہزادے نے مولسہ کو مخاطب کیا: "مولسہ تم کیوں خاموش ہو، تم بھی کچھ بولو، تم بھی تو زبان رکھتی ہو!"

مولسہ نے جواب دیا: "ظلم اور زبردستی کے آگے زبان کھولنے سے حاصل؟"

شہزادے نے فنی کے سامنے ہی وہ سب کچھ کر دیا جس کی امید تک نہ کی جا سکتی تھی مولسہ

تھا۔ فنی شاہ کو اتنا غم زدہ اور دل برداشتہ کیا کہ وہ اس معاملے پر منفی انداز میں سوچنے لگا۔

کافی دیر بعد مکان کے دروازے سے شہزادے کا ایک ساتھی نمودار ہوا اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے شہزادے کو بلایا۔ شہزادے نے مسکراتے ہوئے فنی شاہ سے کہا: "اچھا اب میں جا رہا ہوں، میں نے تم دونوں سے جیسا سلوک کیا ہے اس پر تھپڑ مارنے غور کرنا، میں تم دونوں سے بار بار یہی کہوں گا کہ میرا کوئی مقصد، کوئی بات نہیں اگر تم مجھ سے انتقام لینا چاہو تو میں اس کے لئے ہر وقت تیار ہوں خوش آمدید کہوں گا اور اگر دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ گے تو میں دوست بنا لوں گا۔ اور میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ یا تو تم میرے دوست بن جاؤ یا پھر پکے دشمن، درمیان کی کوئی راہ نہیں ہے جس پر چل کے تم زندہ رہ سکو!"

فنی شاہ اس کی باتیں خوابوں کی دنیا سے سنتا رہا اور مولسہ کے دل میں نشتر ٹوٹتے رہے!

مولسہ سے آزاد کیا۔ دونوں ایک دوسرے سے نظریں نہیں ملا رہے تھے۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے وہ مکان میں داخل ہوئے تو پتہ چلا شہزادہ ان کا سب کچھ لے جا چکا ہے۔ وہ دونوں ہر طرح تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ مولسہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے فنی کو دیکھا اور جھٹ کے کہنے لگی: "فنی! جو کچھ ہوا اس میں بے قصور ہوں!"

فنی نے جواب دیا: "مجھے معلوم ہے کیونکہ جو کچھ ہوا ہے میرے سامنے ہوا ہے!"

مولسہ نے پوچھا: "اب کیا ہوگا؟"

فنی نے کہا: "میری سوچنے اور غور کرنے کی صلاحیت اس وقت بالکل کام نہیں کر رہی، پھر کسی وقت کوئی فیصلہ کروں گا!"

مولسہ نے کہا: "وہیں مفلس بھی کر گیا۔ ہمارا سب کچھ لے گیا!"

Scanned and Uploaded By Mohammad Nadeem

فتی نے جواب دیا: اس کا انتظام ہو چلے گا بس بادشاہ تک جانے کی دیر ہے!"

مولنہ تو فتی کی قوت برداشت سے خوش نہیں ہوئی فتی نے اس کی باتوں کے جو بھی جواب دیئے تھے مولنہ ان سب کے لئے تیار نہ تھی وہ تو فتی کو یہ کہتے سننا چاہتی تھی کہ مولنہ! تم پر بڑا ظلم ہوا ہے اور شہزادے نے میری غیرت کو للکارا ہے، تم فکر نہ کرو اب یا تو میں زندہ رہوں گا یا شہزادہ۔ لیکن فتی نے ایسی کوئی بات نہ کی تھی۔

فتی، مولنہ کو چھوڑ کے بادشاہ کے پاس چلا گیا، بادشاہ نے اسے فوراً ہی اپنے مدبہ مدعا طلب کیا پوچھا: فتی شاہ کیا بات ہے تم کچھ پریشان نظر آتے ہو؟ کیا بات ہو گئی؟"

فتی نے مولنہ کی ناموس کی بابت کوئی بات نہ کی، اس شہزادے کی ٹوٹ ماری کہانی سنا دی، آخر میں فتی شاہ نے دو کر کہا: حضور والا! میں اتنا مفلس ہو چکا ہوں کہ صبح و شام کی فکر میری جان ہی لے کے ٹلے گی!"

بادشاہ، فتی کو سمجھ تا رہا اور اسی دوست خرابی سے کہ کہ یہ جتنی رقم بھی مانگے انکار نہ کیا جائے یہ مسئلہ تو اس طرح بآسانی حل ہو گیا لیکن مولنہ اس حادثے کے بعد مگر دور اور بیمار ہو گئی تھی۔

بادشاہ کو کسی نے تھوڑی سی خبر دی کہ شہزادہ میراں حسین اسے قتل کر دینے کی سازشیں کر رہا ہے۔ بادشاہ کی عقل سے بڑی بعید تھی، اس نے نہایت ضبط و احتیاط سے کام لیا اور اپنے مصاحبین اور کارگزاروں سے میراں حسین کی بابت ایسی باتیں کرنے لگا جس سے لوگ غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ بادشاہ کا بیٹے کی جدائی میں بہت برا حال ہو رہا ہے، بادشاہ کو یقین تھا کہ شہزادے کو چھپا دینے میں صلابت خان کا بڑا ہاتھ ہے چنانچہ اس نے صلابت خان کو طلب کیا اور اس سے زمانہ سازی کی باتیں کرنے لگا، ذرا دیر بعد اس نے صلابت خان سے کہا: صلابت خان! اگر شہزادہ میراں حسین اب بھی اسی طرح روپوش رہا تو ہم مر جائیں گے۔ ہم سوچتے ہیں کہ اس کی دھن کو اب لے آنا چاہیئے ہم کاروبار سلطنت سے اکتا چکے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مملکت سلطنت میراں حسین کے حوالے کر دیں!"

صلابت خان نے دریافت کیا: حضور نے اس ناچیز کو کس لئے طلب فرمایا ہے؟"

بادشاہ نے کہا: مشورے کی غرض سے، ہم نے جو کچھ کہا، تم اس کا مطلب سمجھ گئے ہو یا نہیں؟"

صلابت خان کو فی الوقت تو سمجھا نہیں، جواب دیا: شہزادہ ابھی نادان ہے، امور مملکت کی اس کے حوالے کر دینا مصلحت کے خلاف ہے اس لئے اس ناچیز کی رائے میں حکومت کی باگ ڈور حضور برستور اپنے ہی ہاتھ میں رکھیں یعنی فرمان حکومت بدستور شہزادے کے ہاتھ میں دی جائے تو مناسب ہو گا!"

بادشاہ نے کہا: پہلے تو ہم اس کی دھن کو پانا چاہتے ہیں تاکہ میراں حسین کچھ دن عیش و عشرت کرے؟ صلابت خان خاموش رہا۔

بادشاہ، صلابت خان کی زندہ دلی کیفیت کا جائزہ لیتا رہا اس کی تیز نظریں صلابت خان کے

دل میں اتر چکی تھیں اور وہ یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ صلابت خان کی خاموشی اور غور و فکر کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ کچھ دیر بعد صلابت خان نے سر اٹھایا اور عرض کیا: لیکن حضور والا شہزادہ ہے کہاں؟ وہ تو کہیں روپوش ہو چکا ہے اسے حضور کے اس فیصلے کی خبر کس طرح پہنچائی جائے؟"

بادشاہ نے جواب دیا: ہمارے ہرکارے ہر جگہ ہیں، یہ کام بھی تمہی لوگ کر سکتے ہو!"

صلابت خان نے عرض کیا: بندہ کوشش کرے گا اور کچھ آدمی اس کام پر مامور کرے گا!"

شہزادے نے صلابت خان سے بادشاہ کے فیصلے کی خبر سنی تو بہت خوش ہوا اور باپ کے قدموں پر گر کے معافی مانگنے لگا، باپ نے قدموں سے اٹھا کے سینے سے لگا لیا اور پیار محبت کے تبادلہ خیال کے بعد اس کی ڈھارس بندھانے لگا، بادشاہ نے شہزادے کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے تیرا ہی تو ہے، ہو سکتا ہے کہ ہم نے غصے اور اشتعال میں کچھ ایسی باتیں کہیں ہوں جن سے تجھے اذیت پہنچی ہو لیکن میراں حسین تو نے یہ تو سوچا ہوتا کہ میں تیرا باپ ہوں اور باپ اپنے بیٹے پر ظلم کس طرح کر سکتا ہے؟"

میراں حسین نے روتے ہوئے کہا: حضور کو بعض غلط فہم کے مدعیین نے مشتعل کر دیا تھا ورنہ حضور کی نرم دلی اور شفقت پدری سے یہ ناچیز خوب بھی طرح واقف ہے!"

بادشاہ نے کہا: غالباً تیرا اشارہ فتی شاہ کی طرف ہے؟"

شہزادے نے کوئی جواب نہ دیا۔ بادشاہ نے کہا: فتی شاہ کی بیوی ہمارے وفادار امیر چنگیز خاں فرخ بیر کی بیٹی ہے اور اب ہمنے بھی بیٹی کہہ دیا ہے، بس اسی غرض سے ہم نے فتی شاہ کو ہمارے بہت قریب کر دیا ہے!"

شہزادے نے بادشاہ کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا: یہ ناچیز تو خود کو حضور کا ادنیٰ غلام تصور کرتا ہے اور اگر حضور بندے کی اس وقت اپنے دست مبارک سے قتل فرما دیں تو ناچیز یہ سمجھے گا کہ مجھے سے عظیم حضور ہی کی شان میں جو گستاخیاں اور بے ادبیاں ہوئی وہ یہاں حضور ہی کا تادیب فرمایا ہے!"

بادشاہ نے اس کے سر پر پیار سے چپت لگا دی، بولا: تم بھی خام اور سنگ دل معلوم ہوتے ہو، جاؤ، جناب امیر کی قسم ہم تو تمہیں سزا دینے کی بابت سوچ بھی نہیں سکتے!"

فتی شاہ کو جب یہ خبر ملی کہ باپ بیٹے میں صلاح ہو گئی ہے تو وہ بہت گھبرا گیا، اس نے مولنہ کو اس عجیب و غریب واقعے کی خبر سناتے ہوئے بے چارگی سے کہا: مولنہ! اب کیا ہو گا، بادشاہ کتنے ناقابل اعتبار ہوتے ہیں، اندازہ آج ہوا!"

مولنہ نے بے چارگی سے کہا: یہ ظلم و جبر اور مصلحت اندیش لوگ قابل اعتبار کس طرح ہو سکتے ہیں تم نے ان کی صحبت میں شب و روز گزر کے بھی یہ نکتہ نہ سمجھا!"

فتی شاہ بہت زیادہ اداس تھا، اب اسے بادی بدیہ احساس ستانے لگا تھا کہ اسے مولنہ سے شادی نہیں کرنی چاہیئے تھی کیونکہ اس کا رقیب کوئی معمولی شخص نہیں تھا شہزادہ تھا، ولی عہد اور عنقریب مستقبل کا حکمراں، اس نے مولنہ سے پوچھا: اب حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

مولنسہ نے بے دلی سے جواب دیا: "یہ تمھارا اپنا معاملہ ہے، تم خود فیصلہ کرو کہ تمھیں کیا کرنا چاہیئے؟"

فتی شاہ اس کی بے تعلقی کا مطلب نہیں سمجھ سکا، پریشانی سے سوال کیا: "کیا ہم دونوں کے معاملے الگ الگ بھی ہو سکتے ہیں؟ کیا اس معاملے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے؟"

مولنسہ نے اسی بے دلی اور بے رخی سے جواب دیا: "ہاں، ادھر کچھ دنوں سے میں یہ محسوس کرنے لگی ہوں کہ ہم دونوں کی ایک راہ نہیں ہے اور شاید تم بھی یہی کچھ سوچ رہے ہو گے؟"

فتی شاہ حیران و پریشان ہو کے مولنسہ کو دیکھنے لگا، "تعجب تھا کہ مولنسہ کو اس کی سوچ کا علم کیوں کر ہوا؟ کہیں وہ محض خواب بڑبڑایا تو نہیں؟" اس نے پریشانی سے سوال کیا: "مولنسہ! تم اس قسم کی باتیں کیوں کر رہی ہو؟"

مولنسہ نے افسردہ دلی سے جواب دیا: "فتی! ہم نے ایک دوسرے سے شادی کر کے سخت غلطی کی جس کی تلافی ناممکن ہے۔"

فتی کو شاید کسی حد تک اس انکشاف سے خوشی بھی ہوئی وہ مولنسہ کو چاہتا تھا لیکن شہزادے کا رتبہ کہ اس کے بس کی بات نہ تھی، اس نے مولنسہ کو اور زیادہ ٹٹولنا چاہا، پوچھا: "مگر تم واقعی یہ محسوس کرنے لگی ہو کہ جو کچھ ہوا اس کی تلافی ناممکن ہے تو پھر کیا تمھارا مشورہ ہے کہ ہمیں موجودہ تبدیلیوں کی فکر نہیں کرنی چاہیئے اور جو خطرات ہم دونوں کے گرد منڈلانے والے ہیں ان سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیئے؟"

مولنسہ نے جواب دیا: "موجودہ صورت حال کا مقابلہ ہمیں کس طرح کرنا پڑے گا اس بات کا فیصلہ ہمیں الگ الگ کرنا ہے، مجھے ان سے کس طرح عہدہ برآ ہونا ہے، خود سوچو اور میں ان سے کس طرح نپٹوں گی۔"

خود فیصلہ کرو، ہیں کی کیونکہ ہم دونوں کے مفاد الگ الگ فیصلوں سے وابستہ ہیں اور کوئی ایسا اقدام جو ہم دونوں انفرادی طور سے دونوں کے مفاد میں اٹھانا چاہیں گے، کسی نہ کسی کو نقصان پہنچا جائے گا۔"

فتی شاہ نے اس کا یہ مطلب لیا کہ شاید مولنسہ شہزادے کے بجائے اس سے شادی کر کے پچھتا رہی ہے، اس نے سوچا، خوب دونوں کا انداز فکر یکساں ہے، دونوں ایک ہی نتیجے پر پہنچے ہیں۔ فتی نے مولنسہ کے تمام بیان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "تم نے جو فیصلہ بھی کیا ہو گا، اس کا تعلق تمھاری اپنی ذات سے ہو گا لیکن میرا کیا ہو گا، کیا میں تمھارے وجود میں میرا اپنا خون بھی شامل ہو گا؟"

مولنسہ نے یہ جان ہو کے جواب دیا: "اس وقت کا فیصلہ تم لکھو گی کیونکہ اسے میں پرورش کر رہی ہوں اور یہ حق بھی تمھارا ہی حاصل ہے کہ ہم دونوں سے بچہ کے مستقبل کے بارے میں کیا بات چیت ہے۔"

فتی شاہ نے تلخی سے کہا: "اسے میں اپنے پاس رکھوں گا، ہاں شہزادہ گی کی تدبیر تمھاری آغوش میں عمر بھر گزرنی ہے!"

مولنسہ نے غصے اور نفرت سے آنکھیں بند کر لیں اور اس کے چہرے پر ایک کھنچاؤ سا پیدا ہو گیا۔

بادشاہ نے صلابت خان کو ندراج پر مرکے قلعے میں نظر بند کرا دیا اور شہزادے سے کہا کہ ہم نے صلابت خان کو اس لیے یہ سزا دی ہے کہ شاید یہی وہ شخص ہے جس نے ہم دونوں میں اختلاف پیدا کرایا اور غلط بیانیاں پھیلائی ہیں۔

صلابت خان کی جگہ قاسم بیگ اور میر فتی نامی دو امیر مقرر کیے گئے تھے۔

بادشاہ نے میراں حسین کی دلجوئی کا خاندانی اہتمام کیا اور ایک شاہانہ جشن مسرت منعقد ہوا۔ جونگر کے در و دیوار دیوں سے روشن ہو گئے جیسے چراغوں کا جنگل اگ آیا ہو۔ خوشی کے شادیانوں نے مقبرہ شاہی کو بھی مخمور کر دیا۔ بے چاپور کے امرا اور معززین کی ایک جماعت میراں حسین کی دلجوئی کو اخنہ پہنچانے آئی۔ اس تقریب میں لوگوں نے ترمذ چیز خرمہ کے مقصد کو بھی شامل تھا۔ مولنسہ اندر اندر سلگ رہی تھی۔ ان دنوں میں کئی بار تلخ و ترش باتیں بھی ہوئیں۔

میراں حسین نے فتی شاہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اس تقریب میں مولنسہ کو ساتھ لائے لیکن مولنسہ نے فتی شاہ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ فتی نے کہا: "میں آخر یہاں تنہا کیوں ہوں کہ ہم دونوں ایک دعوت میں کیوں نہیں جا سکتے؟" مولنسہ نے کہا: "میں تمھارے ساتھ تقریب میں ہرگز شریک نہیں ہوں گی اور اس سلسلے میں، میں نے کیا فیصلہ کیا ہے یہ تمھیں کچھ عرصے بعد معلوم ہو گا۔"

فتی شاہ خفا ہو کر چلا گیا اور کافی رات گئے تک باہر ہی رہا۔

میراں حسین دنگ رہ گیا جب اس نے سنا کہ فتی شاہ کے ساتھ گھر بھی آیا تھا لیکن مولنسہ ہمیشہ ان دونوں سے دور ہی رہنے کی کوشش کرتی رہی، فتی شاہ بادشاہ کا مصاحب تھا اور اب میراں حسین کی مصاحبت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ فتی شاہ کے نرم رویے نے شہزادے کو بھی نرم کر دیا اور وہ اس کا خیال رکھنے لگا۔

جب مولنسہ بار بار بے رخی سے پیش آئی تو شہزادے نے فتی شاہ سے شکایت کی: "آخر مولنسہ چاہتی کیا ہے؟"

فتی شاہ نے جواب دیا: "اس کا صحیح علم تو مولنسہ ہی کو ہو گا لیکن جہاں تک میں سمجھا ہوں، ہر طرح وہ بھی ناداں اور سرمست سی رہتی ہے، شہزادے کی مخالفت اور ناراضی شاید اسے بھی پریشان رکھتی ہے۔"

شہزادے نے پوچھا: "پھر بات آگے کس طرح بڑھے گی؟"

فتی شاہ نے کرب و اذیت سے کہا: "بچے کی ولادت کے بعد کوئی فیصلہ کروں گا۔"

شہزادہ چپ ہو رہا۔ ایک دن فتی شاہ کی عدم موجودگی میں وہ مولنسہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس دن مولنسہ اس سے ذرا بھی نہ گھبرائی مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ شہزادہ اس کی دلجوئی پر بہت خوش ہوا، اس نے مولنسہ کا ہاتھ پکڑنا چاہا لیکن مولنسہ نے ہاتھ کھینچ لیا، بولی: "ابھی نہیں خدا حافظ!"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

شہزادے نے بے پایاں خوشی کا اظہار کیا، بولا: مونسہ! بیچارہ کے ابراہیم عادل
بہن میری بیوی ہے اور خوش قسمتی سے آج کل مجھے اس کی آغوش بھی حاصل ہے مسکین
تمہاری کمی برابر محسوس کرتا رہتا ہوں۔ تمہارے بغیر میری زندگی ناقص و نامکمل ہے!"

مونسہ کے پاس ایک ہی جواب تھا: "ایک ذرا صبر، کچھ تو قف ذرا انتظار!"

شہزادہ اپنی پھیلی سختیوں اور غلطیوں پر شرمسار تھا کہنے لگا: "مونسہ! میں بڑی
زیادتیاں کی ہیں، ان پر شرمسار اور نادم ہوں کیا تم مجھے معاف نہیں کردو گی؟"

مونسہ کے چہرے پر اذیت اور دکھ کی لہریں ابھریں اور اس نے سرد آہ بھر کر
جھکا دیا بولی: "اب انھیں یاد نہ دلائیں تو بہتر ہے، جو گزر گیا سو گزر گیا جو ہو گیا اس کی تلافی معافی
سے کس طرح ہو سکتی ہے؟"

شہزادے نے کہا: "لیکن میں تو خود کو مجرم اور گناہگار ہی سمجھتا ہوں اور اندر ہی
احساس گناہ اس وقت تک مجھے پریشان ہی کرتا رہے گا جب تک تم مجھے معاف نہ کردو گی!"

"یہ فضول باتیں ہیں!" مونسہ نے کہا: "اگر میں زبان سے تمہیں معاف بھی کر دوں گی تو
سے دل کو کرب تھوڑے ہی دور ہوگا، میں اپنا کرب تو کسی سے معافی مانگ کر بھی دور
نہیں کر سکتی؟"

شہزادے نے اس کا ہاتھ ایک بار پھر پکڑنا چاہا لیکن مونسہ نے ایسا نہیں کرنے دیا
شہزادے نے افسوس سے کہا: "کاش یہ فیصلہ تم نے پہلے ہی کر لیا ہوتا تو آج اس
کرب اور بے چینی سے واسطہ نہ پڑتا!"

مونسہ نے جواب دیا: "یہ کرب تو انسان کا مقدر ہے اگر یہ دکھ نہ ہوتا تو کسی اور
دکھ کا سامنا کرنا پڑتا!"

شہزادہ وہاں کچھ دیر اور ٹھہرا اس کے بعد واپس چلا آیا، اب اسے یہ اطمینان
تھا کہ کچھ انتظار کے بعد آخر مونسہ اسے مل ہی جائے گی، اسے سرد مہری اور ناکامی سے سخت
اور وہ ان کی بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کو ہر وقت تیار رہتا تھا۔

مونسہ کو اور زیادہ تنہائی محسوس ہونے لگی، وہ خود کو مزید اکیلا محسوس کرنے
لگی، لبریز میں گر کر دیر تک آنسو بہاتی رہتی اور دل کا بوجھ تھا کہ آنسوؤں کا دریا بہا دینے کے بعد ہی
ہلکا ہونے کا نام لیتا تھا۔ گھر کی نگہبانی اور نگرانی چند دربانوں کے ذمے تھی لیکن یہ دربان بھی کم
زیادہ مستعد نہ تھے شہزادہ جب بھی اندر آنا چاہتا آجاتا، دربانوں میں اتنی ہمت کہاں تھی کہ اسے
کو روک سکتے اور کم ہمت مونسہ کو بھی یہ جرأت کی ہی تھی۔

اندھیری رات میں تنتی سفاہ مکان میں داخل ہوا تو وہ تنہا نہیں تھا اس کے ساتھ

ایک شخص اور تھا یہ شخص لبادے میں لپٹا ہوا تھا اور چہرہ ایک موٹے رومال میں چھپا رکھا تھا تنتی
نے سرگوشی میں مونسہ کو مطلع کیا کہ "بادشاہ اپنی منہ بولی بیٹی سے ملنے تشریف لائے ہیں!"

مونسہ احتراماً کھڑی ہو گئی، بادشاہ نے اس کے قریب پہنچ کے چہرے سے رومال ہٹا دیا
اور بے اختیار اسے سینے سے لگا لیا، مونسہ بھی سینے سے لگ کے فوراً ہی قطار در قطار رونے لگی، بالکل اس طرح
جیسے لڑکیاں شوہروں کے گھر جانے سے پہلے رویا کرتی ہیں۔

بادشاہ نے تنتی شاہ کو ہٹا دیا اور تخلیے میں مونسہ سے بات کرنے لگا۔ اس نے پوچھا
"بیٹی! تجھے کوئی تکلیف؟"

مونسہ جواب کے بجائے رونے لگی، بادشاہ نے پھر پوچھا: "تجھے کوئی تکلیف؟"

مونسہ نے بھرائی آواز میں جواب دیا: "کوئی ایک تکلیف ہو تو بتا بھی دوں، مجھے زمانے
نے بڑے دکھ دیئے ہیں، میں کس کس کو بیان کروں؟"

بادشاہ نے سوال کیا: "کہ شہزادہ پھر یہاں آیا تھا؟"

مونسہ نے جواب دیا: "وہ اکثر یہاں آتا رہتا ہے اور پریشان کر کے چلا جاتا ہے"

بادشاہ نے حیرت اور افسوس سے کہا: "وہ آخری بار کب آیا تھا؟"

"صبح ہی اور کافی دیر پریشان کرتا رہا!" مونسہ برابر روئے جا رہی تھی۔

"وہ کیا چاہتا تھا؟"

"کہتا تھا، میں اس سے شادی کر لوں!"

"خاطف، بدمعاش، آوارہ!" بادشاہ بڑبڑایا: "بیٹی ہم نے اسے عاق کر دیا ہے لیکن
اس کا اعلان ابھی نہیں کیا، عنقریب کر دیا جائے گا!"

مونسہ نے درخواست کی: "میں حضور والا سے یہ گذارش کروں گی کہ مجھے یہاں سے
کہیں اور بھیج دیا جائے، ورنہ احمد نگر کی ہر زمین تو میری خوشیوں کو ہضم کر چکی ہے!"

بادشاہ نے کہا: "مت گھبرا بیٹی تو مت گھبر ہم جلدی ہی تیری مصیبتیں ختم کر دیں گے ہم نے
تیرے باپ چنگیز خان کے حق مار کے جو زیادتی اور ناانصافی سرزد ہوئی تھی اسے ہم کا اثر ہے کہ ہمارا
کاروبار سلطنت کی طرف دل ہی نہیں لگتا اور دنیا حقیر نظر آتی ہے، ہم جب بھی دنیا کی طرف
توجہ کرتے ہیں تو دل اچاٹ ہو جاتا ہے!"

مونسہ دیر تک روتی رہی اور بادشاہ اسے تسلیاں دیتا رہا۔

جلد ہی وقت بادشاہ نے اسے ایک بار پھر یہ یقین دلایا کہ: "مونسہ! تو نہ گھبرا تیرے
کا چیرہ دستیوں اور زیادتیوں کا علاج سوچ لیا گیا ہے، اب مجھے کیا کسی کو بھی اس کے ظلم و جور کا
سکا جواب نہ بننا پڑے گا!"

مونسہ نے درخواست کی: "میں حضور والا سے ایک درخواست کروں گی، حضور والا میری

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

دہانے کے آس پاس خاردار درختوں اور جھاڑیوں کی باڑھ بھی کر دیں، یہ جھاڑ اتنی گھنیری اور اونچی ہونا چاہیئے کہ کوئی اُسے عبور نہ کر سکے۔"

بادشاہ نے جواب دیا: "یہ کام تو ہی انجام پا جائے گا۔"

مولسر نے دوسری درخواست کی: "شہزادے کو میری وجہ سے کوئی سزا نہ دی جائے۔"

بادشاہ نے چونک کے مولسر کو دیکھا "پوچھا: کیوں؟ اس میں تیرا کوئی مفاد پنہاں ہے؟"

"نہیں،" مولسر نے کہا: "غالباً شہزادے کے دوسرے ہی جرائم اتنے زیادہ ہیں کہ آپ ضرور اسے سزا دینا چاہیں گے تو اس سزا کے جواز میں بھی بہت کچھ کہا جائے گا، میرا معاملہ تو میرا اور میرے خدا کے درمیان ہے جزا دی گئی اور اس کا فیصلہ انتقال سے قبل کر دوں گی۔"

بادشاہ نے شفقت سے مولسر کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولا: "تو بڑے ظرف کی بیٹی ہے ہم سمجھتے ہیں، ہمارے اہم فیصلے کا انتظار کر۔"

بادشاہ محل واپس گیا اور فتی شاہ نے بادشاہ اور دنیا کے درمیان ہونے والی بات چیت کی ساری روداد سنی، اس کی خاص جواب نہیں دیا، مولسر کو شاید پہلی بار یہ انکشاف ہوا کہ بادشاہ فتی شاہ پر اعتماد نہیں کرتا، فتی شاہ مولسر کی مردم شناسی اور بے لوثی سے کماحقہٗ واقف تھا، وہ جانتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان بتدریج بڑھتی رہنے والی خلیج ان دونوں کا مقدر ہے، جو کچھ ہو رہا ہے اسے جاری رہنا چاہیئے۔

بادشاہ نے صلابت خان کے قاتل مقدم قاسم بیگ اور میرزا فتی کو طلب کیا اور ان سے نہایت خوش اخلاقی سے پیش آیا، کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، اس کے بعد بادشاہ نے کہا: "ہم لوگ میران حسین کو سمجھا کر تو زندگی کی طرف واپس لا سکتے ہیں، اس کا علاج تو نہیں ہے، اے احمد نگر کا ذہین مہمان ہے، ہمارا کوئی بھی دشمن نہیں، کسی وقت بھی رخصت ہو سکتے ہیں، میران حسین سے کہو، ہماری صحت میں اضافہ کرے، اسے کہو وہ ملکت سمجھتے ہیں، کاروبارِ سلطنت انجام دیتا ہے۔" یہ کہتے کہتے بادشاہ کی آنکھیں نم ہو گئیں، وہ رونے لگا، پھر اس آواز میں کہا: "میران حسین ہمارا جیتا جاگتا بیٹا ہے، ہمیں اس سے عشق کی حد تک محبت ہے لیکن اس کا یہ حال ہے کہ ہمیں دیکھنے تک نہیں آتا، اپنی بیوی کنز درتے کے مصاحبین کے پاس ہر وقت موجود رہتا ہے، ہم لوگ حکومت کے لحاظ سے میران حسین کو سمجھا بجھا کے ہمارے پاس لے آئیں، ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں، اسے سینے سے لگانے کا چاہتے ہیں۔"

قاسم بیگ اور میرزا فتی بادشاہ کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے اور وعدہ کیا کہ وہ شہزادے کو ساتھ لے کے جلد از جلد حاضر ہوں گے۔

تیسرے دن دونوں شہزادے کو لے کر حاضر ہو گئے، بادشاہ نے شہزادے کو گلے لگا

اور آنسوؤں سے اپنی داڑھی اور شہزادے کی پشت تر کر دی، شہزادہ بھی رو دیا، فتی شاہ بھی یہ وقت انگیز منظر دیکھ کر رو دیا، حاضرین جس بھی برداشت نہ کر سکے ان کی بھی چیخیں نکل گئیں، بادشاہ نے شہزادے کو اپنے سامنے بٹھایا اور دیر تک شفقت کا اظہار کرتا رہا، اس نے پیار میں شہزادے کو "شاہ" بھی کہا، پھر بار بار یہ جملہ دہرایا کہ آخر احمد نگر پر شہزادے ہی کو حکومت کرنی ہے ان دونوں بادشاہ کا قیام عارضی قرار دے کر مسئلہ ایک جگہ پر اٹکا ہوا تھا، اس نکتے کو اب آسانی سے طے کر لیا گیا، بادشاہ نے شہزادے سے کہا کہ تمہیں چند دن اسی جگہ رہنا ہے، تمہیں یہیں رہ کر مملکت سنبھالنا ہے، اور یہیں امورِ سلطنت چلانے کے گُر بتائے جائیں گے۔"

شہزادہ باپ کی مہربانیوں پر بہت خوش تھا، رات کو بادشاہ شہزادے کے حجرے میں دیر تک موجود رہا، بادشاہ نے شہزادے کو سونے کا حکم دیا اور خود نماز پڑھنے لگا، بادشاہ دیر تک نماز پڑھتا رہا، شہزادہ باپ کے تقویٰ سے بہت متاثر ہوا اور دیر تک فشار کرنے کے بعد سو گیا، کافی دیر بعد بادشاہ کو شہزادے کے سو جانے کا یقین ہو گیا تو وہ مسند سے اٹھا اور شہزادے کو بغور دیکھتا ہوا حجرے سے باہر نکل آیا، اس نے شہزادے پر تین بار تین مختلف زاویوں سے نظر ڈالی اور پھر شہزادہ حجرے سے باہر نکل آیا، حجرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا اور عمارت بغداد میں داخل ہو گیا۔

سارے کمرے میں دھواں پھیل گیا اور یہی دھواں مجسم شہزادے کی ناک میں داخل ہوا تو اسے کھانسی آنے لگی اور اس کی آنکھ کھل گئی، وہ کچھ لمحے اٹھ بیٹھا، اس نے اپنے آس پاس بہت ساری چیزیں جلتی ہوئی دیکھیں، سارے کمرے میں دھواں بھر چکا تھا، وہ مسہری سے کود کے دروازے کی طرف بھاگا اور اسے کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ تو باہر سے بند تھا، شہزادے نے دروازے پر مکوں کی بارش کر دی اور زور زور سے چیخنے لگا لیکن یہ آواز میں، عمارت بغداد تک بھی نہیں پہنچ سکتی تھیں۔

فتی شاہ، بادشاہ سے رخصت ہو کے اسی حجرے کے قریب سے گزرا، اس نے حجرے کے اندر آگ لگی دیکھی اور دروازے کے پیٹنے اور شہزادے کی چیخ چیخ کر رونے کی آوازیں بھی سنیں، اُسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یقیناً یہ حرکت بادشاہ کی ہے، وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھتا ہوا مینار کے اوپری حصے میں گیا تاکہ دیکھ سکے کہ اس حجرے کے دوسرے حصوں میں کوئی ذی روح تو موجود نہیں ہے، اور بادشاہ نے شہزادے کو جلا دینے کے لئے اسی وجہ سے بند کیا تھا، پھر اس نے سوچا کہ جلا کر مرجانے سے دیکھ کر مرجانا بہتر ہے، اگر وہ اس وقت شہزادے پر احسان کر دے گا تو شہزادہ اس کا زندگی

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

پھر لعان متروع ہے گا۔ اس نے دروازے سے کان لگا دیئے اور سرگوشی سے پوچھا: "کیا بات ہے؟"

شہزادے نے بے چینی سے کہا: "دروازہ کھولو۔ مجھ کے لئے دروازہ کھول دو، رسول کی خاطر، جناب امیر کی واسطہ، ائمہ دروازہ کے صدقے میں، جلدی دروازہ کھول دو۔ معصومین کے صدقے میں۔"

فتحی شاہ نے اس پاس دیکھ کر جیکے سے دروازہ کھول دیا۔ شہزادے نے باہر نکلتے ہی اپنے محسن کو نظر بھر کے دیکھا اور بے ساختہ گلے لگا کے بولا: "فتحی! میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا۔ اب تم مجھے قاسم بیگ اور میرزا لقمی تک پہنچا دو۔ تاکہ میں ان شریف آدمیوں کو یہ بتا سکوں کہ دیکھو میرے ظالم اور دغاباز باپ نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔"

فتحی شاہ نے دروازہ پھر بند کر دیا اور شہزادے کو قاسم بیگ اور میرزا لقمی کے پاس پہنچا دیا۔ ان دونوں نے بھی بادشاہ کی یہ حرکت بالکل پسند نہ کی اور شہزادے کو خاموشی سے دولت آباد روانہ کر دیا۔ فتحی شاہ کو تینوں نے منع کر دیا کہ شہزادے کی دولت آباد کی روانگی کی ہرگز اطلاع نہ دی جائے۔ فتحی شاہ نے واقعی اس واقعے کو راز میں ہی رکھا، حد تو یہ ہے کہ اس نے اس کا ذکر موسہ تک سے نہ کیا۔ تیسرے دن بادشاہ نے فتحی شاہ کو فخریہ بتایا کہ اس نے ظالم و جابر شہزادے کو بھونک دیا۔ فتحی شاہ نے نہ خوشی کا اظہار کیا نہ غم کا۔ بس خاموش رہا۔ بادشاہ جیسے ہوئے حجرے میں داخل ہوا، وہاں جلی ہوئی چیزوں کی راکھ کا ڈھیر موجود تھا۔ تو شک محاف اور مہری کا کہیں پتہ نہ تھا۔ بادشاہ نے چند لمحے جلی ہوئی چیزوں کی راکھ کا ڈھیر دیکھا اور پھر فتحی شاہ سے پوچھا: "یہ کیا ہے؟ یہاں کیا جلایا گیا ہے؟ کچھ دیکھیں اور معلوم نہیں کس طرح اس شبہے میں مبتلا ہو گیا کہ شہزادے کو نکال دیا گیا ہے۔ اس نے فتحی شاہ کو قاہرانہ نظروں سے گھورا اور پوچھا: "اس رات ہماری صحبت سے اٹھ کر جانے والے تم آخری آدمی تھے۔ سچ سچ بتاؤ کہیں تم نے اسے نکال تو نہیں دیا؟"

فتحی شاہ سر تھر کانپنے لگا لیکن قرد جرم سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے غصے میں ایک طمانچہ رسید کیا، بولا: "ہمیں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ تمہاری موت تمہارے گرد منڈلا رہی ہے، جرم کا اعتراف کرلو ورنہ اس جرم میں دوسرے لوگ شریک ہیں، ہم انہیں گواہ کے طور تمہارے سامنے پیش کر کے تمہیں قتل کرا دیں گے!"

فتحی شاہ ڈر کے سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔ بادشاہ نے چیخ کر کہا۔

"دغاباز و غدار و نمک حرام! یہ تم نے کیا کیا؟ اب تو دولت آباد کے لوگ ہم پر حملہ کر دیں گے۔"

بادشاہ نے فتحی شاہ کو گریبان سے پکڑا اور عمارت بغداد میں واپس گیا۔ وہاں اس نے قاسم بیگ اور میرزا لقمی کو بھی طلب کیا اور ان کو جرم ان کے علم میں لایا گیا۔ یہ دونوں بھی تھے تھے کانپنے لگے۔

بادشاہ نے چلا کے کہا: "صلابت خان کو واپس لایا جائے اور انہیں معزول سمجھا جائے۔"

فتحی شاہ نے آہستہ سے عرض کیا: "حضور! اس چیز کو جو بھی سزا دینا چاہیں دے لیں۔ میں

ہنسی خوشی بھگتنے کو تیار ہوں لیکن ایسی غلطی ہرگز نہ کیجئے کہ دوامرائی موجودگی میں کسی معزول امیر کو ان موجود امرا کے منصب کے لئے طلب کر لیا جائے، یہ دونوں ہی دشمن ہو جائیں گے اور دشمن کو اور دشمن بنا دیں گے!"

بادشاہ نے اس مشورے کو پسند کیا اور قاسم بیگ اور میرزا لقمی سے کہا: "تم لوگ بدستور کام کرتے رہو، جس شخص کو ایک مرتبہ معزول کر دیا گیا، اب اسے بلانا کیا معلوم رکھتا ہے!" پھر اس نے پوچھا: "اچھا تم لوگ ہمیں یہ تو بتاؤ کہ ان دونوں میراں حسین ہے کہاں؟" لمرانے لاعلمی کا اظہار کیا، بولے "یہاں سے نکال دینے کے بعد ہم بالکل بے خبر ہیں، احمد بیگ سے نکل کر شہزادہ کہاں گیا، ہمیں بالکل نہیں معلوم۔"

فرمند بادشاہ عمارت بغداد میں بیٹھ کر میراں حسین کو ڈھنڈوانے لگا دینے کے مصمم بنا تا رہا۔

اس واقعے کی خبر فتحی شاہ نے جب موسہ کو سنائی تو اس نے کوئی دلچسپی نہ لی اور بولی: "شاہوں کے محل میں ایسے ہی کھیل کھیلے جاتے ہیں، کوئی خاص بات نہیں!"

فتحی شاہ نے پوچھا: "ہمارے گھر کے آس پاس یہ خادار درختوں کی نہایت گھنی جھاڑ کس نے لگوئی ہے؟"

موسہ نے جواب دیا: "میں نے بادشاہ سے درخواست کی تھی، بادشاہ نے آدمی بھیج دیئے جو یہ کام کر کے چلے گئے!"

فتحی شاہ نے پوچھا: "لیکن اس کا فائدہ یا اس کا مطلب؟ غرض و غایت؟ نہیں سمجھ آئیں؟"

موسہ نے جواب دیا: "اس طرح چوری چھپے آنے والوں کا راستہ بند ہو گیا ہے، تم خود بھی حفاظت کا خیال نہیں کرتے، میں نے سوچا یہ سلسلہ خاص میری ذات سے تعلق رکھتا ہے اس لئے مجھے ہی کرنا چاہیئے!"

کچھ دنوں کے لئے بظاہر احمد بیگ کی سیاست پر جمود طاری ہو گیا لیکن اندر ہی اندر سازشیں پھیلتی رہیں، امرا نے بادشاہ کو دیوانہ تسلیم کر لیا تھا اور ان کی ہمدردیاں شہزادے کے حق میں تھیں، ان کا شہزادے سے رابطہ دائم تھا اور وہ در پردہ شہزادے کو یقین دلا رہے تھے کہ اسے بہت جلد اجنر مگر کے تاج و تخت کا مالک بنا دیا جائے گا۔

موسہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ فتحی شاہ بہت خوش ہوا لیکن موسہ بدستور اداس ہی رہی، محلہ کا وہم و ہم وہ پر تھا اور مکان کے گرد قائم کئے ہوئے جھاڑ جھنکار کے حصار میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ اس سے گزر کے گھر میں داخل تک محال ہونے لگا۔

اسی دوران بادشاہ کو کھانے میں زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ بچ گیا۔ تاہم اور دست اتنے آئے کہ بادشاہ کی صحت تباہ ہو گئی، ایک دن بادشاہ بیت الخلا سے نکل کر عمارت بغداد میں بیٹھا تھا کہ ہلکا سا شور اٹھا، بادشاہ نے فتحی شاہ سے کہا: "ذرا باہر نکل کے معلوم تو کرو یہ شور کیسا ہے؟"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

فتی شاہ باہر نکل گیا اور اس کے جاتے ہی چالیس پچاس سپاہی ننگی تلواریں لیے بادشاہ کے حجرے میں داخل ہو گئے ان میں سب سے آگے شہزادہ تھا۔ بادشاہ گھبرا گیا۔ شہزادہ غصے میں آگے بڑھا اور تلوار کی نوک باپ کے پیٹ کی طرف بڑھائی۔ بادشاہ گھبرا کے لیٹ گیا اور پھر لیٹے لیٹے ہی تلوار سے اپنے پیٹ بچانے کی کوشش کی۔

شہزادے نے تلوار کی نوک پیٹ پر رکھ دی اور دانت پیستا ہوا بولا: "جی چاہتا ہے کہ تلوار اتنی زور سے ماروں کہ یہ دوسری طرف نکل جائے!"

بیمار اور کمزور بادشاہ نے چھٹی چھٹی نظروں سے شہزادے کو دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھر کے کہا: "مردود اور عاق شدہ فرزند! ہم چند روز کے مہمان ہیں تو ہمیں قتل کر کے کیوں عذاب خرید نا چاہتا ہے، اگر جی میں آئے تو رحم کر، ورنہ جو سمجھ میں آئے کر گزر، ہم تجھ سے التجا نہیں کریں گے!"

شہزادے نے اپنے ایک باشی سے تین سو آدمیوں کو حکم دیا: "بادشاہ کو غسلِ خانے کے تہہ خانے میں پہنچایا جائے!"

پستہ قامت مضبوط جسم آگے بڑھا اور نہایت بے ادبی سے بادشاہ کا گریبان پکڑ کر اسی طرح گھسیٹتا گھسیٹتا اپنے حمام میں لے گیا۔ شہزادے نے بادشاہ کو حمام میں دھکیل کر اس کے دروازے بند کر دینے اور آدابرداروں کو حکم دیا۔ حمام کے تمام سوراخ تک بند کر دیے جائیں اور قمقموں میں آگ جلا دی جائے۔ "دیکھنا کسی بات کا خیال رکھا جائے۔ حمام میں پانی کا ایک بلبلہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔" حمام کے نگران نے جواب دیا: "جو حکم ہے وہاں پانی کی ایک بوند بھی نہیں ہے!"

بند حمام کی جالیوں میں آگ جلا دی گئی۔ شہزادہ حمام کے دروازے سے کان لگائے بیٹھا تھا۔ باپ کی آہ و زاری اور فریاد پر وہ ہونٹوں کو بھینچ کر بولا: "جہنم کے کندے! کیا تو نے یہی سزا ایک دن مجھے دینے کی کوشش نہیں کی تھی؟"

یہ رجب کی ۱۰ تاریخ تھی اور ۹۹۶ ھجری کے وقت شہزادہ باپ کو جلتا سلگتا حمام میں چھوڑ کے تاجِ وتخت سنبھالنے چلا گیا۔ فتی شاہ اب باپ کے بجائے بیٹے کا مصاحب ہو چکا تھا۔ شہزادے نے فتی کو مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: "فتی! میں تمہارے احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا!"

فتی شاہ نے جواب دیا: "اگر میری جان بھی آپ پر قربان ہو سکتی تو میں دریغ نہ کرتا!"

شہزادے نے قدرے سکوت کے بعد پوچھا: "اور وہ مولنہ کیسی ہے؟"

فتی شاہ نے کہا: "مجھے یاد نہ دلوایئے، ایک تنہا بچی اس کی گود میں ہے جضور وہ چاہے بلالیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کہ وہ بھی حضور کی خدمت پر ہی مامور ہو جائے کیا ہو سکتا ہے!"

شہزادے نے پوچھا: "اس سلسلے میں خود مولنہ کا کیا خیال ہے؟"

فتی نے جواب دیا: "وہ تو یہی کہتی ہے کہ وہ اپنا بچہ مجھے نہیں دے گی!"

شہزادے نے کہا: "یہ تو اچھا ہی ہے، اس طرح بچے کی پرورش شاہی محل میں ہو گی جو بچے کے مستقبل کے لئے بڑی اچھی بات ہو گی!"

فتی شاہ چپ چاپ کھڑا رہا۔ شہزادے نے کہا: "تم مولنہ کو میری طرف سے بشارت دو کہ وہ دوپہر کو اسے لینے آ رہا ہوں!"

فتی شاہ نے بچہ لینے کے لئے منہ کھولا لیکن آواز گلے میں پھنس گئی، اسے اس وقت مولنہ سے اپنی محبت کا صحیح اندازہ ہوا۔

شہزادے نے پوچھا: "تم چپ کیوں ہو گئے؟"

فتی نے جواب دیا: "معلوم نہیں کیوں، آواز حلق میں پھنس کے رہ گئی!"

شہزادہ ہنسنے لگا۔

فتی شاہ نے گھر جا کے بدقت تمام مولنہ کو شہزادے کے ارادے سے مطلع کیا۔ مولنہ نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموش بیٹھی رہی۔

فتی شاہ نے پوچھا: "مولنہ! تم نے کوئی جواب نہیں دیا!"

مولنہ نے کہا: "میں کیا جواب دوں، تم نے جو فیصلہ کر دیا ہے، کیا میں اس سے انکار کر دوں؟"

فتی شاہ نے کہا: "نہیں میں تو یہ نہیں کہہ رہا لیکن مجھے افسوس ہو رہا ہے، اب بچے کہتے کہتے اس نے مولنہ کے دائیں ہاتھ میں لے کر دبانے کی کوشش کی لیکن مولنہ جھٹ کھڑی ہو گئی۔ فتی نے پوچھا: "مولنہ! کیا تم ناراض ہو گئیں؟"

مولنہ نے جواب دیا: "نہیں تو!"

فتی نے غور سے پوچھا: "پھر تم مجھ سے دور کیوں بھاگ رہی ہو؟"

مولنہ نے جل کر جواب دیا: "میں آغوش کو تم خود ہی دوسرے کے حوالہ کر رہے ہو، اب اس سے دور ہی رہنا بہتر ہے!"

فتی شاہ نے کہا: "شہزادہ پرسوں آئے گا، اس وقت تک ہم دونوں خوب اچھی طرح لپٹ لپٹ کے رو کیوں نہ لیں؟"

مولنہ نے دل جلے انداز میں کہا: "رونا تو تم، تم دن میں کتنوں کو رونے لگی، دو دن بعد میں ملکہ ہو جاؤں گی، احمد نگر کی ملکہ کہلاؤں گی اور تم میرے دربار کے ایک ادنیٰ مصاحب رہ جاؤ گے، رونا تو تمہیں چاہیے!"

اور فتی شاہ واقعی رو دیا۔ وہ ایک کونے میں جا کے دیر تک روتا رہا۔

آخری رات فتی شاہ سو نہیں سکا لیکن مولنہ سوتی رہی اس کے چہرے کا اطمینان فتی

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

کے لئے حد کا سبب بن گیا، رات کئی بار بچہ رویا لیکن مولنہ کی آنکھ نہیں کھلی مجبوراً فتنی کو اٹھنا پڑا۔ اور بچہ کو گود میں لے کر دیر تک ٹہلتا رہا۔ جب وہ آخری بار بچے کو چپ کرا کے لٹا رہا تھا تو اسے محسوس ہوا کہ مولنہ جاگ رہی ہے کیونکہ اس نے فتنی شاہ کو پاس آتے دیکھ کر اپنی ادھ کھلی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

فتنی شاہ نے اُسے آواز دی: "مولنہ!"

مولنہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فتنی شاہ بھی چپ ہو رہا۔ صبح دونوں چپ چاپ ایک دوسرے سے الگ تھلگ، اجنبی اجنبی سے رہے۔ فتنی شاہ نے گھر سے نکلتے ہوئے رُندھی ہوئی آواز میں کہا: "مولنہ! میں دوپہر بعد شہزادے کے ساتھ آؤں گا۔ تم اس وقت تک ذرا اچھے کپڑے پہن لینا!"

مولنہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ فتنی شاہ نے زور دے کے پوچھا: "مولنہ! کیا تم نے میری بات سُن لی؟"

مولنہ نے کھوئی کھوئی اچاٹ نظروں سے فتنی کو دیکھا اور منہ پھیر لیا۔

فتنی شاہ کے چلے جانے کے بعد اس نے ایک دربان کو چھٹی دیدی۔ وہ چلا گیا۔ دوسرے دربان سے کہا: "حرم مکان کے اندر آنے کا راستہ بھی بند کر دو!"

اس نے حکم کی تعمیل کر دی۔ دربان جھاڑ جھنکار کے اس پار ہی کھڑا رہ گیا۔ مولنہ نے اسے اس کی طرف جُن (سونے کے سکے) کی ایک تھیلی پھینکی اور کہا: "دیکھو وہ لوگ جیسے ہی تمہیں نظر آئیں، تم پکار کے مجھے مطلع کر دینا اور خود کہیں ٹل جانا!"

دربان ان عجیب و غریب احکام کو توجہ اور حیرت سے سُنتا رہا۔

مولنہ نے اس دن وہی کپڑے پہن لئے جو شادی والے دن پہنے تھے۔ ساتھ میں اپنے بچے کو بھی اچھے اچھے کپڑے پہنا دیئے اور دونوں کا انتظار کرنے لگی۔

دوپہر کے بعد جھاڑ جھنکاڑ کے قریب آ کے دربان نے پکار لگائی: "جن کا انتظار تھا، آ رہے ہیں!"

مولنہ جیسے تیار بیٹھی تھی، دربان کو حکم دیا: "اب تم جا سکتے ہو!"

دربان فوراً بھاگ گیا۔ مولنہ نے جلدی جلدی جھاگ کے جھاڑ جھنکاڑ میں آگ لگا دی اور خود بچے کو لے کے چھت پر چڑھ گئی اور دربان فتنی شاہ اور شہزادے کا انتظار کرنے لگی۔ خشک لکڑیوں نے آگ کو بہت جلد دور تک پھیلا دیا۔

شہزادہ فتنی شاہ، پستہ قامت مصاحب اور بعض دوسرے اہلکاروں کے ساتھ مکان کے سامنے پہنچا تو اپنے اور مولنہ کے درمیان آگ کا بھڑکتا ہوا حائل دیکھا۔ فوراً ہی دیر کے لئے سبھی کی عقلیں چکرا گئیں۔ اچانک ان کی نظریں چھت پر کھڑی ہوئی مولنہ پر پڑ گئیں۔

فتنی شاہ نے چیخ کر پوچھا: "مولنہ! یہ کیا ہے؟"

مولنہ نے ہنس کے جواب دیا: "آگ کا سمندر!"

"مذاق مت کرو۔ مجھے بتاؤ کیوں نہیں کہ یہ سب کیا ہے؟" فتنی شاہ چیخ رہا تھا!

مولنہ نے تحقیر آمیز لہجے میں جلّا کے جواب دیا: "پانی کے سمندر میں تم نے میری آبرو اتاری تھی، اُس وقت میں تمہارے اختیار میں تھی لیکن اس سیاہ ترین ساعت کے بعد میں نے تمہارے سہارے کا خیال دل سے یک لخت نکال دیا۔ کیا میں نے تمہیں یہ نہیں بتا دیا تھا کہ اب میرے معاملات کا فیصلہ تم نہیں کرو گے، میں خود کروں گی!"

شہزادے نے خوشامدانہ کہا: "مولنہ! اگر تم میرا نہیں تو اپنے شوہر ہی کا خیال کر کے خود کو آگ سے بچانے کی کوشش کرو! اپنے بچے پر رحم کرو!"

مولنہ نے غیظ سے بھرائی ہوئی آواز میں چیخ کر جواب دیا: "شہزادے! یہ شخص جو تیرے برابر کھڑا ہوا ہے، میرا شوہر نہیں ہے، یہ صرف مصاحب ہے، یہ پہلے تیرے باپ کا مصاحب تھا، اب تیرا مصاحب ہے۔ پہلے میں بھی اسے شوہر سمجھتی تھی لیکن جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص محض مصاحب ہے تو میں نے اس کے شوہر ہونے کی خلش بھی دل سے نکال دی!" پھر اس نے اپنے بچے کو دونوں ہاتھوں میں سنبھال لیا: "اور یہ بچہ! معلوم نہیں کس کا بچہ ہے۔ تیرا یا تیرے مصاحب کا؟ ان بے غیرتوں کے بچے کو جنم دینے پر مجبور ہوئی تھی، لیکن چونکہ اس میں میرا خون بھی شامل ہو چکا ہے اس لئے میں یہ کبھی بھی گوارا نہ کروں گی کہ اسے بے غیرتوں کے حوالے کیا جائے!" پھر اس نے بچے کو جو اب اچھل کے آگ میں جھونک دیا: روتی ہوئی اس کھوٹی شے کی طرف جبکہ آگ کا الاؤ بڑھ رہا تھا۔ اس کے بعد خود بھی چھت کے کنارے کھڑی ہو گئی۔ سسکیاں لیتی ہوئی بولی: "تم آگ کتنے بے وقوف ہو! تم نے چنگیز خان جیسے غیرت مند امیر کی بیٹی کو بے غیرت کیوں سمجھ لیا تھا! تم دونوں مجھ سے محبت کرنے کا دعوا کرتے ہو، اگر تمہارا دعوا سچا ہے تو آؤ میرے پیچھے میرے ساتھ آؤ!" یہ کہتی ہوئی وہ خود بھی آگ میں اچھل گئی۔ آگ کے شعلے ماں بیٹے کو آناً فاناً ہضم کر گئے۔

فتنی شاہ گھوڑے سے اُتر کر سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔

شہزادے نے فتنی شاہ کو وہیں چھوڑا اور پستہ قامت مصاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "کیا یہ پاگل تھی؟ یہ غیرت کیا شے ہے؟ کیا یہ حکومت اور اقتدار سے بھی بڑی کوئی شے ہے؟ عجیب بے وقوف تھی یہ بڑی! میں تو اسے احمد نگر کی ملکہ بنانے والا تھا!"

شہزادہ اپنے مصاحبوں کو ساتھ لے کے واپس ہوا۔ پستہ قامت مصاحب نے فتنی شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اور حضورِ والا یہ فتنی شاہ؟ کیا یہ ساتھ نہیں جائے گا؟"

شہزادے نے رحم دلی کا مظاہرہ کیا: "فی الحال اسے یہیں رہنے دو۔ ہنسے دو اسے خاکِ شیریں پر درد آنسو بہا لینے دو!"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

کفِ بردوش

فنیقی بنیادی طور پر صناع اور تاجر تھے۔ یہ شیشے اور دھات کے سامان، مئی کے ظروف، اسلحہ، ادنی اور سونے کے زیورات وغیرہ کی تیاری میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ ان کے شہروں میں کپڑے کے کارخانوں کی بہتات تھی، اپنے مال کی منڈیوں کی تلاش میں یہ دور دراز علاقوں کی سیاحت کرتے رہتے تھے۔ بحیرۂ روم کے جزائر اور ساحلی علاقوں کے علاوہ یہ ہندوستان اور جنوبی بحر اوقیانوس کے افریقی ساحلوں تک تجارتی دھاوے مارا کرتے تھے۔ کامیاب صنعت کاری، تجارت اور جہاز رانی کی وجہ سے یہ لوگ اپنے عہد کی دولت مند ترین قوم شمار کیے جانے لگے۔ دولت کی ہوس نے انہیں بہت زیادہ چالاک اور عیار بنا دیا تھا۔ اس راہ میں، مطلب براری کی خاطر یہ جھوٹ اور مکر و فریب سے بھی باز نہ آتے تھے۔ دولت کمانے میں ان کا کوئی جواب نہ تھا، اس سلسلے میں، نت نئی ترکیبیں سوچتے اور اس پر عمل درآمد میں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہ محسوس کرتے۔ بحر روم کے بیشتر جزائر بھی کے تسلط میں تھے اور جن جزائر پر انہیں جزوی تسلط حاصل تھا، اس پر پوری طرح قابض ہو جانے کی تدبیریں سوچا کرتے تھے۔ یہ چالاک اور ذہین قوم اس راز سے بھی واقف تھی کہ کامیاب تجارت اور جہاز رانی کے لیے ضروری ہے، کہ اس کے پسِ پشت ایک طاقت ور فوجی نظام بھی موجود ہو جو تجارت اور جہاز رانی کی پشت پناہی کرتا رہے، انہوں نے اس ضرورت کو بھی پورا کر دیا اور ایک زبردست عسکری قوت وجود میں لے آئے۔

ان دنوں فنیقیوں کا جزیرہ سسلی پر جزوی قبضہ تھا۔ سسلی کے مغربی کنارے کو وہ اکرس میں یہ لوگ ایک مدت سے آباد اور حکمراں تھے۔ یہ لوگ اصل میں ان کا وطن نہیں تھا، یہ فنیقیوں کی نوآبادی تھی۔ ان کا اصل وطن تو قرطاجنہ تھا۔ جزیرہ سسلی کے جنوب میں بحر روم کے اس پار، افریقہ کے ساحل پر قرطاجنہ آباد تھا۔ اور یہی قرطاجنہ ان کا مستقر اور مرکز تھا۔ یہاں ان کی حکومت قائم تھی اور یہیں سے بحر روم کے جزائر، ہندوستان اور بحر

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

اور قیاانوس کے ساحلی مقامات پر تجارتی سامان برائے فروخت بھیجا جاتا تھا۔ ساری دنیا کی دولت ڈھل ڈھل کر قرطاجنہ پہنچ رہی تھی۔ جس سے فنیقیوں کی خوشحالی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ یہ ۴۰۰ء قبل مسیح کا واقعہ ہے

سسلی کے کوہ ارکس میں قرطاجنہ کی حکومت کی طرف سے ہمل کر برقہ حکمران تھا۔ قرب وجوار کے حلاقوں کے لئے جو سامانِ تجارت قرطاجنہ سے کوہ ارکس کی نواآبادی میں بھیجا جاتا' اس کے لوٹ لیے جانے کا ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا کیونکہ سسلی کے مشرقی حصے سیراکیوز اور مغربی کنارے پنارمس کی حکومتیں رومن ایمپائر کی مدد سے اپنی بحری قوت میں اضافے کر رہی تھیں' قرطاجنہ کے تجارتی جہاز سیراکیوز اور پنارمس کے بیڑوں سے بچتے بچاتے کوہ ارکس کی ہلالی خلیج میں داخل ہو کر سکون کا سانس لیتے۔ کوہ ارکس کے حکمران ہمل کر برقہ نے اس مستقل دردِ سر کا یہ علاج دریافت کیا کہ کسی طرح پورے سسلی پر ہی قبضہ کیوں نہ کر لیا جائے، قرطاجنہ کی بالادست قوت نے ہمل کر برقہ کو فوجی کارروائی کا اختیار بھی دے دیا کیونکہ ان کی بدقسمتی سے سسلی کی مشرقی سیراکیوزی حکومت نے ہمل کر برقہ کی طرف سے منڈلانے والے خطرات کی بروقت ازوقت ہی محسوس کر لیا تھا۔ طاقت ور جمہوریہ روما سے فوجی امداد کے طالب ہوئے، جمہوریہ روما نے ان کی درخواست منظور کر لی اور جب فنیقیوں نے جنگ کا بگل بجایا تو سیراکیوز کی حمایت میں جمہوریہ روما کی فوجی مداخلت نے نہایت فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ فنیقیوں نے میدان اپنے ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر صلح کی درخواست کی' رومیوں نے شکست خوردہ فنیقیوں کے سامنے نہایت شرمناک اور جابرانہ شرائط صلح رکھ دیں۔ قرطاجنہ کی حکومت نے رومیوں کے یہ سب معاہدہ صلح کے لئے جن لوگوں کو بھیجا تھا ان میں کوہ ارکس کا ہمل کر برقہ بھی شامل تھا۔ فنیقی وفد کو اس صلح نامے کے ذریعے یہ حکم دیا گیا کہ وہ جلد از جلد کوہ ارکس کی نوآبادی چھوڑ کر اپنے وطن واپس چلے جائیں اور ہمل کر برقہ نے اپنی کمزوری کے پیشِ نظر رومیوں کا یہ حکم مان لیا۔

کوہ ارکس کی ہلالی خلیج میں فنیقیوں کے خالی جہاز پہنچنے لگے اور اپنے ہم قوموں کو لے کر قرطاجنہ واپس جانے لگے۔ بحر روم میں منڈلاتے ہوئے سیراکیوزی، پنارمسی اور جمہوریہ روما کے طاقت ور بحری بیڑے کوہ ارکس کے مہاجرین کی رخصتی کا نظارہ ہنس ہنس کر اور کبھی کبھی ذلت آمیز قہقہے لگا کر کرتے رہے۔ انہیں اس بات کی خوشی تھی کہ سسلی ان عیار اور چالاک تاجروں کے وجود

سے پاک ہوا جا رہا ہے۔

اس کھسیانی ہوئی شکست خوردہ قوم کا ایک جہاز پنارمس کی ایک قدرے غیر آباد بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا' اس چھدری آبادی کے لوگ ساحل پر اس لیے جمع ہونے لگے کہ ان بھگوڑے دولت مندوں کا ایک نظر دیکھ بھی دیدار کر لیں۔ فنیقی تاجر ہنس ہنس کے اور ہاتھ ہلا ہلا کے ان سے باتیں کرنے لگے۔ مقامی آبادی کے لوگ ان کے حوصلے اور قوتِ برداشت سے بہت متاثر ہوئے ان کے کچھ لوگ فنیقیوں کے جہاز پر پہنچ گئے اور جہاز میں مختلف قسم کے سامانوں کا ذخیرہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ خوش نما، دل کش اور آرائش و زیبائش کو چار چاند لگا دینے والے سامان کی زیارت نے ان مقامی ناظرین کے دلوں میں جذبۂ طمع بیدار کر دیا۔ فنیقیوں نے غیر معمولی کشادہ دلی اور سخاوت کا مظاہرہ کیا۔ کسی نے شیشے کا مرتبان مانگا تو بے چون و چرا وہ مرتبان کوئی قیمت لیے بغیر اس شخص کے حوالے کر دیا گیا۔ کسی نے اونی چادر پسند کی تو یہ بھی بلا قیمت اسے دے دی گئی' کچھ لوگ مٹی کی دل کش اور منقش صراحیاں لے گئے۔ اس داد و دہش کا بڑا شہرہ ہوا اور آبادی کا بیشتر حصہ عورتوں اور بچوں سمیت ڈھل کر جہاز پر پہنچ گیا یہ سب حرص و طمع کے ماسے لوگ بیش قیمت لیے جہاز میں داخل ہوتے تھے کہ اپنی قسمت اور اپنے اپنے حصے کی چیزیں کوئی قیمت ادا کیے بغیر لے کر ہنسی خوشی واپس آ جائیں گے لیکن وہاں ان کی بدقسمتی کوئی اور ہی تماشا دکھانے پر تلی ہوئی تھی۔

چالاک اور عیار فنیقیوں نے جب یہ دیکھا کہ آبادی کا بہت بڑا حصہ ان کے جہاز میں داخل ہو چکا ہے تو انہوں نے جہاز کا لنگر اٹھا دیا۔ مقامی لوگ تھوڑی دیر تک تو کچھ سمجھ ہی نہ سکے لیکن چند ساعتوں کے بعد ان کے کان کھڑے ہوئے۔ ساحل پر کھڑے ہوئے عزیزوں اور دوستوں نے شور مچانا شروع کیا۔ ساحل سے دور ہوتے ہوتے فنیقی جہاز کو دیکھ کر چلانا شروع کیا اس شور غل سے فنیقی ڈرے کہ کہیں کسی حریف کا جہاز ان کا پیچھا نہ کر رہا ہو۔ انہوں نے چند مقامی آدمیوں کو جہاز کے عرشے پر کھڑا کر کے ملامت اور اخلاق سے درخواست کی کہ وہ اپنے عزیزوں اور ساتھیوں کو چلا کر مطلع کر دیں کہ ہم ان کے ہم وطن اور ہم قوم افراد کو سمندر کی ہوا کھلا کے اور تھوڑی تحائف دے کر بہت جلد ساحل پر اتار دیں گے۔ بھولے بھالے سادہ لوح لوگوں نے فنیقیوں کے

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

حکم یا خواہش کی حرف بہ حرف تعمیل کردی۔

کئی گھنٹے بعد ان پر یہ تلخ حقیقت منکشف ہوئی کہ فنیقیوں کا جہاز کہیں رکے بغیر تیزی سے قرطاجنہ کی طرف بڑھا چلا جارہا ہے۔ انہوں نے بد حواس ہو کر شور غل اور واویلا مچایا تو جہاز کے ملاح نے انہیں ڈانٹ دیا اور دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اپنی زبان بند نہ رکھی، اور بدستور شور غل کرتے رہے تو وہ مجبوراً انہیں بحر روم کے حوالے کر دے گا۔ فنیقیوں کی خوش اخلاقی ان کے دلوں اور چہروں سے رخصت ہو چکی تھی اور ان کے چہروں سے ایک عجیب سی بے رحمی اور سنگ دلی عیاں تھی۔

لوگرفتاروں نے ایک جگہ جمع ہو کر اس نئی اور ناگہانی آفت پر صلاح مشورے شروع کر دیے۔ انہوں نے ایک سب سے زیادہ عمر رسیدہ شخص کو اپنا نمائندہ بنا کے جہاز کے ملاح کے پاس بھیجا۔ لمبی اور طوطے جیسی ناک والا یہ ستر بہتر سالہ بوڑھا اپنے کاندھے پر کالی چادر ڈالے سر جھکائے ملاح کے پاس پہنچا، جہاز کے جملہ فنیقی کسی ناگہانی خطرے کے پیش نظر اپنی تلواریں اور برچھے لیے ادھر ادھر پھر رہے تھے، ملاح نے لوہے کی لاٹھی پکڑ رکھی تھی، اپنے پاس ستر بہتر سالہ بوڑھے کو دیکھ کر ملاح نے ناگواری سے سوال کیا۔ "کیا بات ہے؟ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

بوڑھے نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔ "میرے ہم قوم پوچھ رہے ہیں کہ انہیں کہاں لے جایا جارہا ہے؟"

"قرطاجنہ!" ملاح نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "اپنے آباد اجداد کی سرزمین پر، جہاں تانیت دیوی کا مندر ہے اور جہاں مقدس بیر ساکی چوٹی پر کمرت دیوتا ہم سب کا انتظار کر رہا ہے۔"

بوڑھے نے ذرا سکوت اختیار کیا، وہ کسی ذہنی الجھن میں مبتلا دکھائی دے رہا تھا، ہچکچاہٹ سے سوال کیا۔ "ہمیں ہمارے وطن کب واپس پہنچایا جائے گا؟"

ملاح ہنسنے لگا۔ بولا۔ "کیا تمہیں ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ آبادی شہر کا دیوتا بل کمرت تم سے سخت ناراض ہے۔ تم لوگوں نے حمورپیر رعمسات کے مندر میں گھس کر بے گھر کیا، ہمارا کاروبار تباہ کر دیا، ہمیں کروڑوں کے نقصان سے دوچار کر دیا، ہم نے اپنے قیمتی مکان اور سامان وہیں چھوڑ دیے اور ہمیں ایک

معاہدۂ صلح کے طفیل جتنے نقصانات اٹھانے پڑے ہیں، کیا ان کی تلافی ہو سکتی ہے، کیا وہ نقصانات پورے کیے جا سکتے ہیں، ہرگز نہیں، ہمیں بدرجہ مجبوری یہ ناگوار قدم اٹھانا پڑا ہے، اس سے ہمارے نقصانات کی کسی حد تک تلافی ہو جائے گی۔"

بوڑھا وحشت سے تیز تیز سانسیں لینے لگا اور اس کے ناک کی نوک سرخ ہو گئی، تقریباً دہائی آواز میں بولا۔ "میرا وطن، میرا گھر، میرا خاندان، کیا اب میں ان میں سے کسی ایک سے بھی نہ مل سکوں گا؟"

ملاح نے جواب دیا۔ "شاید نہیں کیونکہ ہمیں خود بھی یہ نہیں معلوم کہ تمہارے آقا، تمہارے مالکان دنیا کے کس خطے میں پائے جاتے ہیں اور تمہیں اپنی بقیہ زندگیاں کہاں اور کس کی غلامی میں گزارنا ہیں!"

بوڑھے پر لرزہ سا طاری ہونے لگا، خوف، مایوسی اور مذلت کا لرزہ، بڑھاپے کی آواز میں بولا۔ "دیوتاؤں نے ہمارے آئندہ دنوں کے لئے جو قسمتیں اور سزائیں مقرر کر دی ہیں، ان سے کوئی کس طرح اور کہاں بھاگ سکتا ہے؟ پھر بھی کیا یہ شرافت کا تقاضا نہیں ہے کہ تم ہمیں ان فیصلوں سے مطلع کر دو جن کا تم نے ہمیں مستحق قرار دیا ہے!"

ملاح نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "قرطاجنہ کی مجلس اقتدار ہی کوئی فیصلہ کر سکتی ہے لیکن اتنی سی بات تو تم بھی جانتے ہیں کہ تم سب کو ایک نہ ایک دن غلاموں کی طرح کسی نہ کسی بازار میں بک جانا پڑے گا کیونکہ ہم اسی طرح اپنے نقصانات کی کمی کسی حد تک پوری کر سکتے ہیں!"

بوڑھے کی آنکھوں کے سامنے تتلیاں سی اڑنے لگیں، انتہائے یاس اور احساس ذلت سے دل ڈوبنے لگا اور جہاز، ابا البان جہاز اور جہاز کا سازو سامان گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ پوری قوت سے چیخا۔ "ہائے میرا وطن، ہائے میرا کنبہ۔ ہائے میرے آباد اجداد کے قبرستان، کیا میں پردیس میں مروں گا؟ آف آف آہ!"

اس دلدوز آواز میں بھی ملاح کے لئے تفریح اور لذت کا عنصر موجود تھا وہ ہنسنے لگا۔ وہ اس منحوط الحواس اور یاس زدہ بوڑھے سے شاید کچھ کہتا بھی لیکن بوڑھا بے ہوش ہو کر گر گیا اور ملاح حیرت سے اس بزدل اور کم ہمت بوڑھے پر افسوس کرنے لگا۔

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

قرطاجنہ کے بازار میں جہری غلاموں کو بیچ کر جہازوں نے جو کچھ کمایا اس
کے حصے بخرے میں بڑی آویزشیں ہوئیں کیونکہ یہ لوگ اپنے حصے میں ایک
دوسرے سے زیادہ کے خواہش مند تھے۔ اگر قرطاجنہ کے چند بڑے لوگ بر
وقت مداخلت نہ کرتے تو شاید خون خرابا ہو جاتا۔ انہوں نے آپس میں لڑنے
بھگڑنے والوں کو یہ کہہ کر ڈانٹا کہ "تمہاری یہی نااتفاقیاں ہی تو تھیں جنہوں نے
ہمیں کو وارکس چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔"

جہاز کے ملاح نے کہا۔ "میں اپنے حصے کی رقم میں زیادہ کا مطالبہ اس
لیے کر رہا ہوں کہ ان غلاموں کی اسیری اور تجارت کا منصوبہ سب سے پہلے میرے
ذہن میں آیا تھا اور شروع سے آخر تک اس معاملے کا نگراں اور عمل کار میں ہی
رہا ہوں۔"

شہر کے محافظ نے ملاح سے اتفاق کیا اور اسے غلاموں کی کل قیمت
میں سے چوتھائی کا مستحق قرار دے دیا۔ بوڑھا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ باز
میں سڑک کے کنارے کھڑا آنسو بہا رہا تھا۔ اس کے سامنے اور آس پاس اس
کی قوم کے نوجوان لڑکے لڑکیاں، جواں اور بوڑھے مرقع عبرت بنے بیک رس
تھے۔ بوڑھوں کی قیمتیں بہت کم لگ رہی تھیں کیونکہ ان کے بارے میں یہ
تاثر یہ تھا کہ یہ لوگ اوّل تو کام کے لائق ہی نہیں رہ جاتے اور جو کام کے لائق
رہتے بھی ہیں تو ان میں پائی جانے والی قنوطیت اور مایوسی انہیں اس لائق
نہیں رکھتی کہ وہ اپنے ذاتی دل جمعی، لگن اور مستعدی سے انجام دے سکیں
قیمتیں لگانے والے اس کے قریب آتے اور بھڑیوں زدہ چہرہ دیکھ کر آگے
بڑھ جاتے، ان کا خیال تھا کہ یہ بوڑھے لوگ کوئی بڑے نازک اور اہم کام
کے لائق نہیں رہ گئے، بوڑھے نے اپنے سامنے سے گزرنے والے کئی ایسے
کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "لوگو! مجھے خرید لو۔ میں تمہیں اس بات کا یقین دلاتا
ہوں کہ میں تمہیں عقل و دانش کی باتیں بتاؤں گا!"

ایک ادھیڑ عمر گٹھے جسم کے مالک نے بوڑھے کی درخواست پر غور
کیا اور اس کا مول تول کرنے لگا۔ بات طے پا گئی، سودا ہو گیا اور بڑے میاں
اس ادھیڑ عمر شخص کی غلامی میں چلے گئے۔ بعد میں خریدنے والے کو بوڑھے
پر بڑی پریشانیاں اٹھانا پڑیں کیونکہ بڑے میاں کا بیشتر وقت وطن کی طرف منہ کر
رونے اور بین کرنے میں گزر جاتا تھا۔ ادھر سے فرصت پاتے تو چپکے چپکے
نئیتیوں کو کوستے رہتے جنہوں نے اس کی قوم کے بہت سارے لوگوں

دھوکے سے اپنا غلام بنا ڈالا تھا۔

بیر سا کی چوٹی پر بل کرت دیوتا کا شاندار مندر تھا۔ اسی مندر کے
دوسرے حصے میں تانت دیوی براجمان تھی۔ شام سے ذرا پہلے وہاں ایک
زبردست اجتماع ہوا، اپنے ادھیڑ عمر مالک کے ساتھ بوڑھے کو بھی وہاں
جانا پڑا۔ مندر کے آس پاس بڑے بڑے درختوں کی قطاریں تھیں، انہی کے
جھنڈ میں بل کرت دیوتا اور تانت دیوی کا مندر تھا۔ بوڑھے کے ذمے یہ
خدمت کی گئی کہ وہ معزز حاضرین کو پانی پلاتا رہے، ان معززین میں ہاتھ
سمیرفرنہ بھی اپنے بیٹے بیٹی بال کے ساتھ شامل تھا۔ بیٹی بال اس وقت
آٹھ سال کا رہا ہوگا۔ مل کر رقص کرنے کو وارکس سے بے دخل ہو جانے کی صورت
میں جو بے عزتی اور ذلت اٹھانی تھی، دل پر اس کا زخم تازہ تھا اور یہ اس وقت
تک مندمل نہیں ہو سکتا تھا جب تک وہ خود بھی بھوریرہ دیوتا کو ذلیل اور خوار
نہ کر لے گا۔ پنارمس کی نواحی ہندرگاہ سے لائے جانے والے غلاموں کو یہاں
بطور خاص رکھا گیا تھا اور ان سے کمتر درجے کی خدمت لے کر یہ قرطاجنی تاجر
اپنے نفس کو تسکین دینا چاہتے تھے، یہاں اس بوڑھے کو بھتیجے ہم وطنوں،
دوستوں اور عزیزوں کے چہرے نظر آتے ان میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی
تھے جو اپنے قرطاجنی آقاؤں کی جوتیاں سنبھالے مندر کی سیڑھیوں کے
نیچے کھڑے تھے۔ مندر کی سیڑھیوں پر دونوں طرف پنجاری عورتیں معززین
شہر کا پرتکلف اور دل کش سکارتوں سے استقبال کر رہی تھیں اور سروں
کے اوپر وہ کبوتریاں منڈلا رہی تھیں جنہیں تانت دیوی کے نام پر چھوڑا
گیا تھا۔

اس بوڑھے کو جب بھی موقع ملا اس نے اپنے ہم وطنوں کو سرگوشی
میں یہ یاد دلا دیا کہ انہیں یہاں مستقل نہیں رہنا ہے، ایک نہ ایک دن واپس
ضرور جانا ہے کیونکہ یہ پنارمسیوں کا وطن نہیں ہے، ان کا وطن تو یہاں سے
دور بحر روم کے اس پار سسلی کے مغربی کنارے پر ہے، اس نے اپنے ہم
وطنوں کو بتایا کہ وطن کی خوشگوار اور مرطوب ہوائیں ان کی یاد میں آوارہ و سرگرداں
ہوں گی اور وطن کے لوگ ان کی یاد میں آہیں بھر رہے ہوں گے، اس نے یہاں
تک کہہ ڈالا کہ رات کے پچھلے پہر ہم غنودگی میں اس نے اپنے دور افتادہ ہم
وطنوں کو روتے اور سسکیاں بھرتے سنا ہے۔ اس نے اپنے ہم وطنوں کو یہ
باور کرانے کی کوشش کی کہ قرطاجنہ کی ذلیل سرزمین میں وہ مر کر دفن ہونا بھی

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

پسند نہ کرے گا کیونکہ یہاں اس کے عزیزوں اور بزرگوں کی قبریں نہیں ہیں۔
عالم میں اس نے ایک بچے کو مندر کی نچلی سیڑھی پر سسکیاں بھرتے دیکھا۔ وہ
بے چین ہو کر بچے کے پاس پہنچا اور اس کا سر اوپر اٹھا کے پوچھا۔ "بیٹے
تم رو کیوں رہے ہو؟"

بچے نے سرخ سرخ سوجی آنکھوں سے بوڑھے کی طرف دیکھا اور تلخی
سے جواب دیا۔ "کیا تم اپنی غلامی پر قانع ہو گئے ہو؟"

بوڑھے نے گھبرا کر جواب دیا۔ "نہیں تو۔ غلامی پر کوئی حساس اور
غیرت مند انسان آخر کس طرح قانع ہو سکتا ہے!"

"پھر تم مجھ سے رونے کا سبب کیوں دریافت کر رہے ہو؟" بچے
بوڑھے کو شرمسار کر دیا۔

بوڑھا کچھ دیر تک اس غیرت مند بچے کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "میرے
اچھی خدا دیکھ پہلے تک میں اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ اپنے غلام ہم دل
ہیں، میں سب سے زیادہ حساس اور غیرت مند شخص ہوں لیکن تجھ سے مل
اور تیری باتیں سن کر میرا یہ پندار ٹوٹ گیا۔" پھر خوشی اور فخر کے جذبے سے
"ہم میں جب تک تیرے جیسے سمجھ دار اور غیرت مند بچے موجود ہیں میری قوم
نہیں ہو سکتی!"

بچے نے کہا۔ "میں اپنے بزرگوں کی عقل مندی اور حوصلے کی امید پر
غلامی کے دن گزار رہا ہوں، اب دیکھنا یہ ہے کہ تم لوگ کب اور کس طرح ہمیں یہاں
سے نکال لے جانے میں کامیاب ہوتے ہو!

بوڑھے نے سرشاری سے کہا۔ "ہم یہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش
تو ضرور کریں گے لیکن اگر موت کی دہلیز پر کھڑی ہوئی ہماری عمریں ہمیں یہ موقع
نہ دیں تو تم ہم پر لعن طعن بھی نہ کرنا کیونکہ زندگی کو ملیا کرنا ہم فانی انسانوں کے
اختیار میں نہیں ہے، یہ دیوتاؤں کا کام ہے جب ہم مر کر دیوتاؤں کی سرزمین میں
چلے جائیں تو اس وقت یہ تمہاری ذمے داری ہوگی کہ تم اس ظلم و جبر کی سرزمین
میں ہمیشہ کے لئے نہ رہ پڑو، تمہیں یہاں کی رنگینیاں اور دلکشیاں ہرگز ہرگز غلامی
قانع نہ ہو جانے دیں اور تمہیں زندگی کی ہر آتی جاتی سانس میں یہ یاد رکھنا ہوگا
ختم قرطاجنہ کے باشندے نہیں ہو اور تمہارا اس سرزمین پر عارضی قیام ہے، تم
ایک نہ ایک دن یہاں سے چلا جانا ہے!"

بچے نے پھر سر جھکا لیا۔ رقت زدہ لہجے میں بولا۔ "میں اپنے باپ،
ماں اور بہن بھائیوں کو کس طرح بھلا سکتا ہوں، یہ میری زمین نہیں ہے، یہ میرا وطن
نہیں ہے، میں اس جگہ سے کس طرح محبت کر سکتا ہوں!"

تھوڑی دیر بعد ان غلاموں کو شراب کی صراحیوں اور پیالوں کے ساتھ
ہل کمرت دیوتا کے روبرو پہنچنے کا حکم دیا گیا۔ ان میں بوڑھا بھی شامل تھا۔
بوڑھے کے دونوں کاندھوں پر شراب کی صراحیاں رکھ دی گئیں اور وہ آہستہ آہستہ
ہل کمرت دیوتا کے روبرو پہنچ گیا۔ مندر کے صحن میں بڑا خوب بھری ہوئی تھی
اور سورج کی تمازت سر چڑھتے دے رہی تھی، اس تمازت میں لوگوں کا اژدہام
اور زیادہ شدت پیدا کر رہا تھا۔ اسی جمع میں اس نے اپنا مرید اور اس کے
آٹھ نو سالہ بیٹے اپنی بال کو کھڑے دیکھا، ہل کمرید بھی مسلسل بین، اس کے
پڑوس کے کوارکس پر نگاہ نہ گئی تھی۔ اس وقت وہ بہت اداس تھا، تین
اور فکر مند پھر سے پیر پکھ کو دبنے کے شدید احساس نے دکھ کی بیڑی سی پھیلا
دی تھی۔ ہل کمرید کے ایک طرف اس کے کاندھے سے کاندھا ملائے بوڑھا
کاہن عمر آقا کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے بوڑھے کو قریب بلایا،
پھر یہ لوگ، لوگوں کے ہجوم اور دھوپ کی تمازت سے بچنے کی خاطر مندر کے اس
حجرے میں چلے گئے جہاں ہل کمرت دیوتا کا بت رکھا تھا۔ صراحی بردوش بوڑھا
ان کے ساتھ، دو قدم پیچھے چل رہا تھا۔ مرید خاندان کے بقیہ دو سرے محترمین
بھی ہل کمرید کے ہمراہ تھے۔ ان کے پیچھے چند غلام قربانی کی بھیڑوں کی رسیاں
پکڑے حکم کے منتظر کھڑے تھے۔ ہل کمرید کے حکم پر ایک بھیڑ کے چاروں پیر
ایک رسی سے باندھ دیے گئے اور اس بندھی ہوئی بے بس بھیڑ کو ہل کمرت
دیوتا کے قدموں میں ڈال دیا گیا۔ مجبور بھیڑ نے سر پیٹ اور پیروں سے فرش
کو گھسنا شروع کر دیا۔ اس طرح وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن پیروں کے
بندھے ہونے کی وجہ سے وہ اٹھ نہیں سکی۔ ہل کمرید دو قدم آگے بڑھا اور
قربانی کے گنڈاسے کی ایک ضرب سے بھیڑ کا سر الگ کر دیا۔ خون کی دھار اڑ اڑ
کر ہل کمرت دیوتا کے قدموں کو رنگین کرنے لگی۔ اس کے بعد ہل کمرید نے
بوڑھے کے کاندھے سے صراحیاں لے لیں اور یکے بعد دیگرے دونوں صراحیوں
کی شراب دیوتا کے جسم پر انڈیل دی۔ ان رسوم کی ادائیگی کے دوران تھا ہیئی بال
باپ کے قریب ہی موجود رہا۔ دیوتا کو بھیڑ کی قربانی دینے اور شراب میں نہلا

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

چکنے کے بعد ہمل کمر برقہ نے مندر میں موجود لوگوں کو حکم دیا کہ وہ سب اُس کے پیچھے ہٹ جائیں حکم کی فوراً ہی تعمیل کر دی گئی۔ ہمل کمر برقہ نے شیخی بھرے بال کا ہاتھ پکڑا اور قربان گاہ سے متصل لے گیا وہ دونوں دیوتا کے قدموں میں دوزانو بیٹھ گئے۔

ہمل کمر برقہ نے اپنا ایک ہاتھ دیوتا کے قدموں میں اور دوسرا ہاتھ بھیڑ کی مردہ پشت پر رکھ دیا اور قسم کھائی۔ "مقدس بل کمرت! آباد دیوتا! شہروں کے دیوتا! ہمیں نئی زمین اور نئے شہر عطا فرما اور مدام کو تباہ و برباد کر دینے کی قوت دے!" یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی۔ پھر اس نے اپنے ہینی بال کا ہاتھ قربانی کی بھیڑ پر رکھ کر حکم دیا۔ "ہینی بال! قسم کھا کہ اگر میں کوتاہ دیر بادنہ کر سکا تو میرا عہد تو پورا کر دکھائے گا!"

ہینی بال نے ایک نظر باپ پر ڈالی، جذبات سے بھرپور اس کے چہرے کی کیفیت خود اس کے چہرے پر طاری ہو گئی، اس نے گردن جھکا لی اور قسم کھائی۔ "رومیوں کی تباہی اور بربادی میری زندگی کا نصب العین ہے اور اہل قرطاجنہ کی سرخ روئی میرا مقصد ہو گا اگر میں اپنے عہد سے پھروں تو اے بل کمرت دیوتا! تمہیں اختیار ہو گا کہ مجھے تباہ و برباد کر دو!"

ہمل کمر برقہ نے اسی جگہ اپنے بیٹے کو اس فیصلے سے آگاہ کیا کہ وہ نئی زمینوں کی تلاش میں عنقریب روانہ ہو جائے گا کیونکہ وہ اگر اس سرزمین کو دینے کے بعد کسی اور آبادی کی دریافت اور اقتدار ضروری ہو گیا ہے، اس نے بیٹے سے دریافت کیا۔ "ہینی بال کیا تم اس سفر میں بھی میرے ساتھ رہنا پسند کرو گے؟"

ہینی بال نے تائید میں گردن ہلائی۔ پنارمسی بوڑھا اس عہد و پیمان کے عصے سے برداشت کر رہا تھا۔

اس عہد و پیمان کے کچھ دنوں بعد بوڑھے پنارمسی کی نگرانی میں ایک خوفناک بغاوت نے جنم لیا۔ یہ بغاوت آناً فاناً پھیلتی چلی گئی یہاں تک اس میں وہ لوگ بھی شامل ہو گئے جو غیر افریقی ہونے کے باوجود قرطاجنہ فوج میں ملازم تھے اور انہیں ماہ بہ ماہ تنخواہیں نہیں مل رہی تھیں، اور وہ غریب کاشت کار اور دست کار بھی بغاوت میں شامل ہو گئے جو قرطاجنہ کی حکومت کو بھاری محصول ادا کرتے کرتے تنگ آ چکے تھے، یہ آگ اتنی تیزی سے پھیلی

اس نے اتنا بڑا علاقہ گھیر لیا کہ قرطاجنہ اور اس کے حاکموں اور تاجروں کا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا۔ بغاوت زدہ علاقہ ہمل کمر برقہ کی تحویل میں دے دیا گیا۔ ہمل کمر برقہ نے افریقہ کے نومدیوں کو فوج میں لے لیا۔ اور حفاظتی اور وفادار سپاہ کو لے کر باغیوں کے گرد گھیرا تنگ کرنے لگا۔ باغیوں کے جن فوج کے آگے آگے تھیں، ہاتھیوں پر چمڑے کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں، ان دیو ہیکل جانوروں اور نومدیہ کے بے جگر سپاہیوں نے باغیوں کے جانبازوں کو گھیر لیا۔ باغی مجبوراً اپنی قوت کو مجتمع کر کے کھلے میدان میں لڑنے پر مجبور ہو گئے۔ ہمل کمر برقہ چاہتا بھی یہی تھا۔ اس نے باغیوں پر ہاتھیوں کی قطاریں دوڑا دیں اور جو ہاتھیوں کی روندنے سے بچ گئے انہیں ہمل کمر برقہ کی سیاہ فوج نے گھیر لیا۔ تلواروں کی دھار اور برچھیوں کی نوک پر رکھ لیا اور ایک بڑی تعداد کو گرفتار کر لیا گیا۔ قرطاجنہ سے مختلف اندرونی علاقوں میں جانے والی سڑکوں پر سولیاں گاڑ دی گئیں اور ان پر باغیوں کو ٹنگا دیا گیا، وہ پنارمسی بوڑھا جو اس بغاوت کا اصل بانی تھا۔ ہمل کمر برقہ کے ہاتھ نہیں آیا تھا اور اس کے نوجوان بیٹے ہینی بال کی طرح اس کی بوسونگھتے پھر رہے تھے۔ بوڑھا بچتا بچتا قرطاجنہ کی بندرگاہ تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اس کے بعد اس کی دوسری کوشش یہ ہوتی کہ کوئی غیر افریقی جہاز ساحل پر آ جاتے تو وہ کسی طرح اس میں سوار ہو جائے اور بندرگاہ سے آمد یا کسی بھی ممکنہ طریقے سے وہ جہاز کے ملاح کو ساتھ لے جانے پر آمادہ کر لے۔

پندرہ سولہ دن اِدھر اُدھر روپوش رہنے کے بعد وہ ایک پتھریلے میدان کی طرف دیر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس دن بیر ساکی چوٹی پر سرزمین کے بت تانیت کا کوئی میلہ ہو رہا تھا اور آبادی کے بیشتر لوگ وہیں جمع تھے، بوڑھا جس پتھریلے مکان میں داخل ہوا تھا۔ اس کے عقبی حصے میں ایک اجاڑ مگر گنجان باغ تھا اور مختلف قسم کے بڑے بڑے درختوں نے اندھیرا کر رکھا تھا۔ انہی میں وہ خاردار جھاڑیاں بھی تھیں جو ایک وسیع رقبے میں پھیلی ہوئی تھیں اور جنہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا، وہ مکان قدیمی دیواروں کی آڑ لیتا ہوا باغ میں داخل ہو گیا اور اسے اس جگہ کا سراسر ساز گار لگا۔ صحیح فیصلے تک پہنچنے میں ذرا بھی دیر نہ لگی۔ اس کا فیصلہ یہ تھا کہ کسی بھی طرح خطرناک خاردار جھاڑیوں میں پناہ لینا ہے، خواہ اس

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

کوشش میں اس کا جسم چھلنی ہی کیوں نہ ہو جاتے، موت تو ہر طرح اس کے تعاقب میں تھی۔ اگر پکڑا جاتا تو قتل کیا جانا یقینی تھا اور اگر خاردار جھاڑیوں میں کوئی زہریلا کیڑا اسے کاٹ لیتا، تب بھی موت یقینی تھی لیکن اگر خوش قسمتی سے جھاڑی کے کسی کیڑے نے اسے نہیں کاٹا تو زہریلے کانٹے اسے زخمی کر کے لہو لہان ہی کر سکتے تھے اور وہ کچھ اذیت جھیل کر زندہ تو رہ سکتا تھا۔ دہانے کھانے پینے کا مسئلہ تو اس پر اطمینان سے عقب کیا جا سکتا تھا۔ اس فیصلے کے بعد وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا خاردار جھاڑیوں کی طرف بڑھا لیکن عین اس وقت جب وہ باغ میں داخل ہو چکا تھا، اس نے اپنے پیچھے کسی کے بھاگ کر آنے کی آہٹ محسوس کی، وہ ٹھٹھک کر رک گیا اور پلٹ کر دیکھا، ایک گیارہ بارہ سالہ لڑکا اس کی طرف دوڑا چلا آ رہا تھا۔ پنارسی بوڑھا گھبرا گیا۔ اس نے تشویش سے زمین کا جائزہ لیا، وہاں ادھر ادھر مختلف حجم اور وزن کے پتھر بکھرے ہوئے تھے، اس نے فوراً ہی یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ لڑکا جیسے ہی اس کے قریب آئے گا وہ اسے کسی پتھر کی بھرپور ضرب سے ہلاک کر دے گا کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو یہ لڑکا اسے گرفتار کرا دے گا لیکن یہ لڑکا جیسے جیسے قریب ہوتا گیا۔ پنارسی بوڑھے کا جوش اور غصہ ٹھنڈا پڑتا گیا کیونکہ یہ لڑکا وہی پنارسی خدمت گار تھا جو اسے کچھ عرصے پہلے بیر سائی چوٹی پر پرل کرت دیوتا کی سیڑھیوں پر ملا تھا۔

بوڑھے نے لڑکے سے کہا۔ "فیقی کتنے میری تلاش میں ہیں، مجھے ان خاردار جھاڑیوں میں چھپ جانے دو!"

لڑکے نے کہا۔ "آؤ میں تمہیں ایک ایسی جگہ چھپا دوں کہ تم آرام سے روپوش رہو اور موقع ملتے ہی یہاں سے نکل جاؤ۔"

بوڑھے کی جان میں جان آئی اور ذرا سے تامل کے بعد لڑکے کی بات مان لی۔

لڑکے نے اسے خام مال کے اس گودام میں چھپا دیا جہاں گھر والے شاذ و نادر ہی جایا کرتے تھے اور اس گودام سے مال نکالنے اور رکھنے کا کام اسی لڑکے کے ذمے تھا۔ لڑکے نے بوڑھے کو یہاں چھپا دیا اور تسلی دلایا کہ اسے کھانا پینا یہیں ملتا رہے گا لیکن اگر کسی وقت ناغہ ہو جائے تو بوڑھا اسے معاف کر دے کیونکہ ایسا کسی خطرے ہی کی گھڑی میں ممکن ہوگا۔

ایک دن جب یہ لڑکا گودام میں داخل ہوا تو بوڑھے نے اس سے چند توقع سوالات کیے، سب سے پہلے تو اس نے لڑکے سے نام پوچھا۔ "میں نے ارا نام تو پوچھا ہی نہیں!"

لڑکے نے جواب دیا۔ "فلبی، یوں پورا نام فلباس ہے۔"

بوڑھے نے دوسرا سوال کیا۔ "اس گھر میں اور کون رہتا ہے؟"

"گھر کا مالک، اس کی بیوی، ایک لڑکی زیفو۔ ایک لڑکا بھی تھا جو پچھلی ہلوت میں مارا گیا۔"

بوڑھے نے ذرا پریشانی سے سوال کیا۔ "لڑکی کی عمر کیا ہے؟"

"یہی کوئی دس گیارہ سال!" لڑکے نے جواب دیا۔ "کیوں؟"

بوڑھے نے فکرمندی سے پوچھا۔ "تمہیں وہ لڑکی اچھی لگتی ہے؟"

"ہاں اچھی کیوں نہیں لگتی؟" لڑکا ان سوالات سے پریشان تھا۔ "کیوں؟ ن خاص بات ہے؟"

"کیا وہ لڑکی بھی تمہیں پسند کرتی ہے؟"

"ممکن ہے پسند کرتی ہو لیکن یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے رت نہیں کرتی!"

بوڑھے کے کان کھڑے ہوئے، پوچھا۔ "تم دونوں آپس میں بے تکلف ی ہو گے؟"

"ہاں خاصے بے تکلف ہیں، اور اسی لڑکی کے طفیل میری اس گھر میں دوں یا غلاموں جیسی حیثیت نہیں رہی، اب میں اس گھر کا ایک فرد سمجھا تا ہوں!"

بوڑھے نے خوف زدہ انداز میں پوچھا۔ "تم نے اس لڑکی سے میرا ذکر نہیں کیا؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ "زیفو بڑی لڑکی نہیں ہے، وہ میری باتیں کسی کو نہیں بتاتی!"

بوڑھے نے تلخی سے کہا۔ "میرے سوال کا جواب دو، تم نے اس لڑکی سے میرا ذکر تو نہیں کیا؟"

لڑکے نے کسی قدر ہچکچا کر جواب دیا۔ "نہیں!"

لیکن جھوٹ اس کے چہرے سے جھلک رہا تھا۔ اس نے راز داری کا وعدہ کر زیفو کو سب کچھ بتا دیا تھا۔

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

بوڑھے نے غصے اور خفگی سے کہا۔ "لڑکے تم نے یہ بہت برا کیا۔ تم نے مجھے میرے دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ میں نے تم پر اعتماد کر کے زندگی کا بہترین فریب کھایا ہے!"

لڑکا کھانے پینے کا جو سامان بوڑھے کے لیے لے گیا تھا۔ بوڑھے نے اسے نفرت سے واپس کر دیا۔

لڑکے نے جھک کر بوڑھے کے پیر پکڑ لیے، روتا ہوا بولا۔ "میں اپنی غلطی پر شرمسار ہوں، مجھے معاف کر دو۔"

بوڑھے کی آنکھیں بھیگ گئیں، بولا۔ "فلبی! تم میرے بچے ہو۔ میرے وطن کے بیٹے، میں تم سے کس طرح نفرت کر سکتا ہوں، تم نے لڑکپن کی سادگی میں بہت بڑی غلطی کی ہے اور اس غلطی پر میں تم سے نفرت نہیں، تم پر افسوس کر سکتا ہوں!"

فلبی نے بڑی کوشش کی کہ وہ کچھ کھا پی لے لیکن پنار مسی بوڑھا اپنی ضد اور انکار پر آخر تک قائم رہا۔

بوڑھے کا خدشہ بالکل صحیح نکلا، اسے اہل کر برقہ کے آدمیوں نے خام مال کے گودام سے برآمد کر لیا۔ فلبی خاموش تماشائی بنا اس کی گرفتاری کا منظر دیکھتا رہا۔ زیفو اس کے پاس کھڑی تھی۔ جب اہل کر برقہ کے آدمی پنار مسی بوڑھے کو ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے گودام سے باہر لاتے تو اس کے کولہے سے خون کا فوارا چھوٹ رہا تھا۔ اہل کر برقہ گودام کے باہر کھڑا اس نظارے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کے قریب داہنی طرف بینی بال کھڑا تھا۔

سپاہیوں نے بوڑھے کو بے دردی سے اہل کر برقہ کے سامنے ایک جھٹکا دے کر چھوڑ دیا۔

اہل کر برقہ نے پوچھا۔ "یہ اس کے کولہے سے خون کیسا بہہ رہا ہے؟"

ایک سپاہی نے جواب دیا۔ "جب ہم لوگ گودام میں داخل ہوئے تھے تو یہ خطرے کا صحیح اندازہ لگا کے خام مال کے نیچے چھپ گیا تھا، ہم اسے خام مال میں نیزے چبھو چبھو کر تلاش کر رہے تھے، اس تلاش میں ہمارا بھالہ اس کے کولہے میں اتر گیا اور جب ہم نے نیزا کھینچ کر باہر نکالا تو اس کی اتنی خون میں تر تھی!"

تکلیف سے نڈھال بوڑھے نے حاضرین کو دیکھا، پھر اس نے فلبی پر

سپاہیوں نے گاڑ دیں اور کرب سے چلایا۔ "مجھے اس کا غم نہیں ہے کہ میں گرفتار کر لیا گیا اور کچھ دیر بعد اذیتیں دے کر ہلاک کر دیا جاؤں گا۔ افسوس ہے تو صرف اس بات کا کہ میں ہمیشہ کے لئے اجنبیوں کی زمین میں دفن ہو جاؤں گا۔"

فلبی نے زیفو کو شکایت آمیز نظروں سے دیکھا اور آہستہ سے پوچھا۔ "کیا اس کی مخبری تم نے کی تھی؟"

زیفو نے معصومیت سے جواب دیا۔ "ہاں! کیونکہ تم اسے یہاں کب تک چھپائے رکھتے، ایک نہ ایک دن تو یہ پکڑا ہی جاتا، میں نے سوچا یہ خبر تمہارے لئے اچھی ہے میں خود ہی کیوں نہ دے دوں کیونکہ اس طرح تم ہمارے وفادار سپاہی بن جاؤ گے؟"

فلبی نے خاموشی اختیار کر لی۔ بوڑھا بدستور بڑبڑا رہا تھا۔ "معصومیت کی غلطی قابل معافی ہے لیکن جو لوگ جان بوجھ کر بھی اپنے آباؤ اجداد کی زمین کو بھلا دیں ان پر بھی دیوتاؤں کی لعنت بھیجتا ہوں!"

اہل کر برقہ نے نہایت سنجیدگی سے بوڑھے کا مقدمہ فیصل کر دیا۔ تماش بینوں کے ہجوم میں اہل کر برقہ نے دو گھڑ سواروں کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھوڑوں کی دو بدو مقابل ٹانگوں میں بوڑھے کی ایک ایک ٹانگ باندھ دیں، اہل کر برقہ کے حکم کی فوری تعمیل ہوئی۔ اس کے بعد دونوں سوار اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور اہل کر برقہ کے دوسرے حکم پر دونوں گھڑ سوار یکساں رفتار سے متوازی چلنے لگے، بوڑھے کا پٹھوں اور کنڈرز سے رگڑ کھاتا ہوا جسم لہولہان ہونے لگا تقریباً ایک فرلانگ کے بعد دونوں گھوڑوں نے اچانک دو مخالف سمتوں میں بھاگنا شروع کر دیا اور ایک جھٹکے سے بوڑھا دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ تماشائی فرطِ جوش میں خوشی سے نعرے لگانے لگے۔

فلبی آداس اور چپ چپ گھر واپس ہوا۔

زیفو نے پوچھا۔ "کیا تمہیں اس واقعے سے دکھ پہنچا؟"

فلبی نے جواب دیا۔ "اس سے میں خوش بھی نہیں ہوا!"

اس وقت زیفو کے باپ نے فلبی کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا۔ "فلبی! تمہارا بہت بہت شکریہ۔ اگر تمہاری مدد شاملِ حال نہ ہوتی تو یہ بوڑھا کبھی بھی پکڑا جا سکتا!"

فلبی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے کان میں بوڑھے کی آواز اب

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

بھی گونج رہی تھی۔ "معصومیت کی غلطی قابلِ معافی ہے لیکن جو لوگ جوان ہو کر بھی اپنے آبا و اجداد کی زمین بھلا دیں، ان پر میں دیوتاؤں کی لعنت بھیجتا ہوں!"

زیفو کے باپ نے قلبی کو تسلی دی اور اسے یقین دلایا کہ اگر وہ اہلِ قرطاجنہ کا سا طرزِ وفاداری رہا تو اسے بہت جلد وہی حقوق حاصل ہو جائیں گے جو انہیں حاصل ہیں۔

زیفو اس کی خاموشی سے پریشان تھی، جب اس کا باپ چلا گیا تو اس نے غصے سے کہا۔ "اب تمہارا یہی وطن ہے اور تم اسی زمین کے باشندے ہو، تمہیں اس غدار بوڑھے کے انجام پر آنکھیں نہیں ہونا چاہئیں!"

قلبی اپنے غصے اور صدمے کا برملا اظہار نہیں کر سکا۔ بمشکل جواب دیا۔ "زیفو! تم نے جو کچھ کیا، اگر یہ سب میرے علم میں لا کر کرتیں تو زیادہ اچھا ہوتا!"

اس واقعے کے کئی ماہ بعد ہمل کمر برقہ اپنے خاندان اور جاں نثار ساتھیوں کے ساتھ اس جہاز میں چلا گیا جو ایک نامعلوم دنیا کی تلاش میں جا رہا تھا۔ اس سرزمین کی جستجو میں جو کوہ وادکس کا بدل ثابت ہو سکے۔ تجارتی بندرگاہ کے ایک حجرے میں سیر و سفر کے دیوتا کے روبرو قربانی پیش کی گئی اور عود و عنبر کی خوشبو میں ڈھکے پوش عمائدِ شہر نے خیر و سلامت سے منزلِ مقصود تک پہنچنے کی دعائیں مانگیں۔ اس کے بعد پچاس بیڑے لمبے چوڑے حرکت میں آ گئے اور ہمل کمر برقہ کے جہاز نے پانی میں حرکت شروع کر دی۔ ساحل پر کوہِ ہیرسا کی مقدس چوٹی انہیں الوداع کہہ رہی تھی، جہاز نے احتراماً کوہِ ہیرسا کے سامنے ایک چکر لگایا اور پھر اس سمت میں روانہ ہو گیا۔ جہاں دو ساحلوں کے درمیان سورج ہر روز غروب ہوا کرتا ہے، بحر الشرار اور بحیرۂ قلزم کے درمیان۔

ساحل پر کھڑے ہوئے عمائدِ شہر اور دوسرے شہریوں کی نظریں جہاز کے مستولوں اور چوٹیوں پر بجھی ہوئی تھیں جو لمحہ بہ لمحہ منتشر ہوتے جا رہے تھے اور یہ منتشر ہوتے ہوتے دھبے کی شکل اختیار کر گئے، پھر یہ دھبے بھی سمندر کی وسعتوں میں گم ہو گئے اس وقت قلبی ایک ایسے جہاز کا تصور لیے کھڑا تھا جو اسے پنداس کی آبادیوں میں لے جائے گا۔ اس کے آبا و اجداد کی سرزمین میں، سامنے شمال کی ہواؤں میں اسے وطن کی بو محسوس ہو رہی تھی۔

اسی دن زیفو کے والدین نے اپنا یہ فیصلہ سنا دیا کہ اگر ہمل کمر برقہ ان کے لئے کوئی نئی دنیا حاصل کر سکا تو یہ لوگ بھی وہیں چلے جائیں گے۔

جیسے جیسے دن گزرتے گئے قلبی قرطاجنہ والوں کا اعتماد حاصل کرتا گیا لیکن دوسری طرف قلبی کے دل میں ہم وطن بوڑھے کی گرفتاری اور موت کے نقوش گہرے ہوتے چلے گئے، وہ اس سانحے کو بھول جانا چاہتا تھا مگر بوڑھے کی روح نے گویا اس کے دل پر قبضہ کر لیا تھا اور کسی طرح حافظے سے نکلنے پر تیار ہی نہ ہوتی تھی۔ زیفو اسے اچھی لگتی تھی لیکن اس اچھائی اور دل کشی میں بوڑھے کی موت شیشے میں بال پڑ جانے کی طرح شامل ہو گئی تھی، وہ اپنے اس دکھ کا زیفو پر اظہار بھی نہ کر سکتا تھا لیکن زیفو یہ تبدیلی تو محسوس کر ہی سکتی تھی اور قلبی میں کچھ تبدیلی آ گئی ہے مثلاً یہ تبدیلی کہ وہ اس سے باتوں اور معاملات میں گرم جوشی اور محبت کا مظاہرہ کرتے کرتے اچانک سرد مہری اختیار کر لیتا ہے۔ زیفو کا ننھا ذہن اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

ہمل کمر برقہ نے اسپین کے جنوب مشرق میں ایک نئی دنیا حاصل کر لی تھی اور اس کا نام "نیا قرطاجنہ" رکھ دیا تھا۔ قرطاجنہ کے حکام نے ہمل کمر برقہ کو وہاں حکمرانی کی ایک کمزور سی تحریر پہلے ہی سے دے رکھی تھی جس پر لفظ "شوفت" (حافظ) لکھا ہوا تھا اور جس کا یہ مطلب تھا کہ ہمل کمر برقہ کو عمائدِ قرطاجنہ نے کسی بھی علاقے کی حفاظت کا فرض سونپ رکھا ہے، ہمل کمر برقہ نے اس تحریر سے وہی کام لیا جو کسی حکومت کے عہدے دار پروانۂ تقرری سے لیا کرتے ہیں، ہمل کمر برقہ نے ایک پانچ رکنی وفد بھیج کر قرطاجنہ کے حکمرانوں کو یہ خوش خبری سنا دی، کوہِ ہیرسا کی بلندی پر مجلسِ قرطاجنہ کا وہ محل تھا جہاں حکومت کا ذمے دار مجلس اہم ترین فیصلے صادر فرمایا کرتی تھی، اس ایوان میں پردوں کے پیچھے ارکانِ مجلس سر جوڑ کے بیٹھتے اور گھنٹوں بحث مباحثے کرتے رہتے پھر جب کسی نتیجے پر پہنچ جاتے تو پردے سے نمودار ہو کر اپنے فیصلوں کا اعلان کر دیتے۔

ہمل کمر برقہ کی کامیابی کی خوشی میں ایک شاندار جشن کا اہتمام ہوا۔ بل ات دیلوتا کی قربان گاہ پر بھیڑوں، دنبوں کی گھنٹیاں اور تانیت دیوی کے نام سے شمار کبوتریاں چھوڑی گئیں، شہر کی شیبی آبادی کے لوگ بھی اکٹھے ہو

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

گئے اور ان سب نے مل کر شاندار جشن منایا۔ لوسدیہ کے زندہ دل اور بہادر سپاہیوں نے آگ کا الاؤ جلایا اور اس کے گرد بیٹھ کر شرابیں پینے لگے، قرطاجنہ کے شہری بھی بیرسا کے مختلف مندروں میں قربانیاں اور نذرانے پیش کرنے لگے تھے۔ انھیں میں زیفو کا خاندان بھی شامل تھا۔ زیفو کے باپ نے شراب کے کئی مرتبان ایک گاڑی میں لادے اور بیرسا کی چوٹی پر پہنچ کر دیوی دیوتاؤں کو شراب میں نہلانے لگا۔ اور اس نے یہ منت مانی کہ اگر دیوی دیوتاؤں نے اسے مجلسِ قرطاجنہ سے کسی علاقے کے شوفت کی سختی دلوادی تو وہ ان کے قدموں میں پچاس بھیڑیں قربان کرے گا۔ اور انہیں بیس سیر شراب سے غسل دلائے گا۔ تانیت دیوی سے یہ عہد کیا کہ اگر وہ اپنا دلی مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ تانیت دیوی کے نام پر پچاس کبوتریاں آزاد کرے گا۔

یہیں رات کے اندھیرے میں بل کرت کی سیڑھیوں پر زیفو اور فلبی بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ زیفو نے محسوس کیا تھا کہ وہ آج کے ہنگامے میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہا ہے، اور یہ احساس زیفو کے لیے بہت اذیت ناک تھا۔ ان دونوں سے تقریباً پانچ سو قدم دور لوسدیہ شہسوار الاؤ کے گرد بیٹھے نا ڈنوش میں مشغول تھے، الاؤ کی روشنی میں ان دونوں کے چہرے دمک رہے تھے۔

زیفو نے خاموش اور فکرمند فلبی سے پوچھا۔ "کیا تم آج بھی خوش نہیں ہو؟"

فلبی نے بے خیالی میں جواب دیا۔ "معلوم نہیں کیوں، ابھی کبھی میرے دل کی حرکت بہت تیز ہو جاتی ہے اور جب مجھ پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو میں بہت اداس ہو جاتا ہوں!"

زیفو نے پوچھا۔ "اس اداسی کا سبب؟"

"میں خود نہیں جانتا!"

"یہ کیونکر ممکن ہے!" اس وقت وہ خود بھی اداس تھی۔ "میں ایک بات آج تمہیں ضرور بتا دینا چاہتی ہوں، تم میرے گھر میں زر خرید غلام کی حیثیت سے داخل ہوتے تھے لیکن آہستہ آہستہ تمہارے دل نشیں انداز اور بے لوث خدمت گزاری سے تمہارے لیے میرے گھر میں بڑی عزت پیدا ہو گئی اور

اب یہ حال ہے کہ تم میرے گھر کے ایک فرد سمجھے جاتے ہو!"

فلبی نے جواب دیا۔ "بہت بہت شکریہ لیکن میں نے تمہارے خاندان میں اپنی شمولیت کی درخواست تو نہیں دی تھی۔ اگر تمہارے گھر کے لوگ مجھے اپنے خاندان میں شامل کر لینا چاہتے ہیں تو میں انہیں خوش آمدید کہنے کو تیار ہوں!"

"پہلے تم بہت خوش رہتے تھے لیکن اب اداس اور چپ چپ رہنے لگے ہو۔ آخر اس کا سبب؟"

"کہہ تو دیا کہ سبب تو میں خود بھی نہیں جانتا!"

زیفو نے کہا۔ "کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ قرطاجنہ کے بعض بڑے تاجر اپنے لڑکوں کے لیے مجھے پسند کرنے لگے ہیں، میرے باپ نے انہیں یہ جواب دیا ہے کہ زیفو ابھی بچی ہے لیکن تم خود سوچو کہ میرے باپ کا یہ جواب ایسا تو نہیں ہے جو ہمیشہ دیا جا سکتا ہو، وہ کچھ دنوں سے تمہاری پُراسرار تبدیلی پر بھی غور کر رہے ہیں چنانچہ کل رات میں نے خود اپنے کانوں سے سنا، وہ میری ماں سے کہہ رہے تھے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ فلبی ہمیں دھوکا دے جائے۔ کیونکہ اس کی پُراسرار خاموشی سے ڈر لگنے لگا ہے!"

فلبی نے جواب دیا۔ "ابھی ہمیں یہ باتیں نہیں سوچنی چاہئیں، کیا خود تمہیں یہ باتیں اچھی لگتی ہیں اور ان کا اصل مفہوم تمہاری سمجھ میں آتا ہے؟"

زیفو نے کہا۔ "یہ باتیں تو مجھے بہت اچھی لگتی ہیں، رہا ان کے مفہوم سمجھنے کا مسئلہ تو کبھی نہ کبھی تو ان کا اصل مفہوم سمجھتے ہی لگوں گی!"

فلبی نے کہا۔ "جب ان کا مفہوم سمجھنے لگو تو ان مسئلے میں باتیں بھی کر لینا، فی الحال تو اس موضوع کو یوں ہی پڑا رہنے دو!"

"واہ یہ کس طرح ممکن ہے!" زیفو تڑپ کر بولی۔ "تمہیں میری خاطر جیسا تو بننا ہی پڑے گا۔"

اسی وقت مندر کی سیڑھیوں سے ایک نوجوان اترتا ہوا ان دونوں کے قریب آ گیا۔ اس نے زیفو کو دیکھا اور ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ بولا۔ "لڑکی! تمہارا نام کیا ہے؟"

زیفو نے تنک کر جواب دیا۔ "میرے نام سے تمہیں کیا کام؟ کچھ بھی

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

ہمدیرا نام، تمہیں کیا؟"

نوجوان نے شرارت سے ایک آنکھ میچ لی اور آنکھ مار کے بولا: "تم ابھی چھوٹی ہو لڑکی، میرے باپ کو معلوم نہیں کیوں، تم بہت زیادہ پسند آگئی ہو لیکن اب میں اس سے یہ کہوں گا کہ ابھی کچھ دن انتظار کرو۔ ورنہ جلدی میں کام بگڑ جائے گا۔"

قلبی غصّے میں آکر کھڑا ہو گیا۔ بولا: "نوجوان! تم جاؤ اور ہمیں پریشان نہ کرو، میں یوں ہی بہت پریشان ہوں۔"

نوجوان نے شرارت سے کہا۔ "میرے چھوٹے سے دوست! اگر تم نے اس لڑکی کے حقوق کسی طرح بھی حاصل کر لیے ہیں تو مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں، تم دونوں عیش کرو، میں چلتا ہوں۔"

جب وہ چلا گیا تو زیفو نے قلبی کو آڑے ہاتھوں لیا، بولی۔ "یا تو تم خود کو پہلے جیسا بنا لو یا پھر اس کے لیے تیار ہو جاؤ کہ ہم دونوں کے درمیان جو فاصلہ اس وقت موجود ہے، وہ وقت کے ساتھ ساتھ بہت بڑھتا چلا جائے گا۔"

قلبی نے آہستہ سے جواب دیا۔ "زیفو! میں اپنی غائب دماغی کی معافی چاہتا ہوں، تم مجھے معاف کر دو، آئندہ میں پہلے جیسا بننے کی کوشش کروں گا۔"

پہاڑ کی خنک ہوا میں سمندر کی نمی سے سردی کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ یہ سردی دونوں ہی محسوس کر رہے تھے۔

قلبی نے پوچھا۔ "ہم گھر واپس کب چلیں گے؟"

زیفو نے جواب دیا۔ "میرے ماں باپ دیوتاؤں کو نذرانے پیش کرتے پھر رہے ہیں، وہ فارغ ہو کر آجائیں تو ہم دونوں بھی چلنے کی تیاری کریں۔"

قلبی نے کہا۔ "تب پھر چلو، چل کے ہم دونوں کسی شجر سے بیٹھیں جہاں یہ سرد ہوائیں نہ پہنچ سکتی ہوں۔"

زیفو نے فوراً کہا۔ "میں تیار ہوں۔"

یہ دونوں سمندر کی سیڑھیوں کو عبور کر کے تانیت دیوی کے مندر میں داخل ہو گئے، جہاں زیفو نے دیوی کے قدموں میں شراب انڈیلی

قلبی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہنے لگی۔ "او تانیت دیوی! قلبی کو پہلے جیسا بنا دے!"

لیکن قلبی نے کوئی دعا بھی نہ مانگی۔ زیفو نے کہا۔ "تم دیوی سے کچھ مانگتے کیوں نہیں، یہ زمین کی دیوی تانیت ہے اور لوگوں کا تجربہ ہے کہ اگر اس سے خلوص کے ساتھ کچھ مانگا جائے تو یہ اپنے پرستاروں کو مایوس نہیں کرتی!"

قلبی نے شرما حضوری دیوی سے دعا مانگی۔ "مجھے پہلے جیسا بنا دو۔"

زیفو نے مندر کے باہر اپنے باپ کو ایک طرف جاتے ہوئے دیکھا تو وہ یہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی کہ میں اپنے باپ سے مل کر ابھی آتی ہوں، کہیں میرا باپ مجھے تلاش کرتا ہوا اس ہجوم میں بھٹک نہ جائے۔"

اس کے جاتے ہی قلبی نے رو رو کر دعا مانگی۔ "تانیت دیوی! تم زمین کی دیوی ہو، تم مجھے میری زمینوں میں واپس کیوں نہیں بھیج دیتیں، میرے ماں باپ میرے غم میں رو رو کر نڈھال ہو گئے ہوں گے، میرے بھائی بہن آئی جائی سانسوں میں میرا نام لے رہے ہوں گے، تانیت دیوی! میں اس زمین کا آدمی نہیں ہوں، جیسا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں پنار سے ہوں، مجھے وہیں بھیج دو دیوی! یہ میری آخری اور سب سے بڑی دعا ہے، اسے قبول کر لو۔"

تھوڑی دیر بعد زیفو پھر واپس آگئی۔ اس وقت تک قلبی اپنے دل کا بوجھ اتار چکا تھا اور خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے زیفو کا استقبال کیا، قلبی کو ایسا لگا، جیسے اس کی دعا قبول کی جا چکی ہے۔ زیفو اسے خوش دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ قلبی نے اسے تسلی دینے کی خاطر کہا۔ "زیفو! ابھی میں نے دیوی سے یہ دعا مانگی تھی کہ وہ مجھے پہلے جیسا بنا دے، اس دعا کے فوراً بعد میرے دل کا بوجھ اتر گیا، میرا خیال ہے اب میں پھر پہلے جیسا ہو گیا ہوں۔"

زیفو نے فرطِ خوشی میں اس کا ہاتھ چوم لیا۔ "کاش دیوی ایسا ہی کر دے۔"

واپسی میں دونوں مست اور بے حال نوجوانوں کے الاؤ کے قریب گئے اور ان کی بلانوشی کا نظارہ کرتے رہے، اس کے بعد خالی مرتبانوں سمیت اپنے مرکز پر آ گئے۔

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

بوڑھے کی موت کو جتنا عرصہ گزرتا گیا، فلبی کے ذہن سے اس کی یادداشت
تعلیمات محو ہوتی چلی گئیں۔ اسے زیفو اور اس کے والدین نے اتنا آرام پہنچایا
اسے قرطاجنہ اور اہل قرطاجنہ سے محبت ہوگئی۔ زیفو کے باپ نے فلبی کو تجارت
میں لگا دیا۔ وہ بہت جلد اس لائق ہوگیا کہ بڑے بڑے بحری تاجروں کے ساتھ
اپنا مال فروخت کرنے لگا لیکن اٹھارہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے وہ اس منتہیٰ
پہنچ گیا کہ تجارتی سامان دوسرے ملکوں اور شہروں میں بھیجنا زیادہ نفع بخش
اس نے زیفو کے باپ کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ قرطاجنہ سے نکل کر
کے ساحلی شہروں اور جزیروں میں قسمت آزمائی کرے۔ زیفو کے باپ نے
کی تجویز سے نہ صرف اتفاق کیا بلکہ اس پر عمل کیا اور وہ فلبی کو ساتھ لے کر ایک
طے سفر پر روانہ ہوگیا۔ دونوں قرطاجنہ سے تقریباً چار سال دور رہے لیکن جب
واپس آئے تو اپنے ساتھ بڑی دولت کما لائے۔ زیفو کا باپ فلبی سے بہت
تھا۔ اس نے گھر میں داخل ہوتے ہی یہ اعلان کر دیا کہ وہ فلبی کو عنقریب اپنا
دامادی کا شرف بخش دے گا۔ دوسری طرف زیفو پر جوانی پھوٹ پڑی تھی اور اس
نے کئی نوجوانوں کو دلیرانہ بنا رکھا تھا لیکن خود زیفو فلبی کی دیوانی تھی اور اس کا
بے چینی سے انتظار کر رہی تھی، وہ فلبی کی عدم موجودگی میں بارہا ساحل پر
پر بیٹھ کر اس جہاز کا انتظار کر چکی تھی جو کسی بھی طرف سے نمودار ہو کر فلبی کو لا
والا تھا لیکن یہ تقدیر کی ستم ظریفی تھی کہ جب وہ قرطاجنہ کے ساحل پر آ
اس وقت زیفو اپنے گھر میں تھی اور جب فلبی اس کے باپ کے ساتھ گھر
اچانک داخل ہوا تھا تو وہ خوشی کے مارے پاگل سی ہوگئی تھی۔ پھر جب زیفو
باپ نے فلبی کو داماد بنانے کا اعلان کر دیا تو اہل قرطاجنہ نے اس اعلان کو
سے ہنس کر ٹالا کیونکہ فلبی بدقسمتی سے بنارسی تھا اور بنارسی رومی نسل سے
رکھتے تھے وہ رومی جنہوں نے قرطاجنہ والوں کو کئی لڑائیوں سے تہ و بالا کر دیا
اسی دوران ہیانوی قرطاجنہ سے یہ خبر ملی کہ اہل کرتھیہ کسی مقامی سازش میں فیل ہو
گیا اور جمہوریہ رومانے ان کے جزیرے سارڈینیا اور سالونیکا کو بھی خالی کرا
ہے۔ یہ بڑی تشویشناک خبریں تھیں۔ زیفو کے باپ کو کوہ پیرساکے ایوان میں طلب
کر لیا گیا، وہاں عمائد شہر جمع تھے اور ایوان کے دروازے سترہ برجوں میں
ہوتے تھے۔

مجلس کے صدر نے زیفو کے باپ سے سوال کیا۔ "کیا یہ خبر درست ہے
تم اپنی بیٹی زیفو کی شادی رومی نژاد فلبی سے کر دینا چاہتے ہو؟" وہ فلبی جو

ہونے کے ساتھ ہی تمہارا غلام بھی ہے!"

زیفو کے باپ نے جواب دیا: "وہ رومی اور غلام ہونے کے ساتھ ہی ہمارا
وفادار شہری ہے۔ میں اپنے فیصلے اور اس کے اعلان پر شرمندہ نہیں ہوں، فلبی ہر
طرح اس اعزاز کا مستحق ہے کہ میں اسے اپنا داماد بنا لوں!"

مجلس کے ایک ممبر نے تقریباً چیخ کر کہا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا، کبھی بھی
ایسا نہیں ہو سکتا! اگر ایسا ہوا تو میں اس منحوس کام میں ہر طرح کی مداخلت کا ارادہ
کر چکا ہوں!"

میر مجلس نے دھمکی دی۔ "اور ہر سا کی مجلس یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ اگر
ایک رومی کو کسی بھی طرح وہ عزت بخشی گئی جو اہل قرطاجنہ کا حق ہے تو وہ اس
قومی مجرم کو صنعت اور تجارت کے حقوق سے محروم کر دے گی!"

زیفو کا باپ دل شکستہ اور پاگر فتہ حالت میں پیرساسے نیچے آیا اور اپنے
کمرے میں منہ چھپا کے بیٹھ رہا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ پیرساکے ایوان
کا فیصلہ زیفو اور فلبی کو کس طرح سنائے؟ اس فیصلے کی سن گن زیفو کو بھی مل
چکی تھی، اس نے اپنے آدمی اس باپ کو کمرے میں جاتے دیکھا تو سمجھ گئی کہ
معاملہ کچھ زیادہ گمبھیر ہے، کچھ دیر تک تو اس نے یہ انتظار کیا شاید اس کا باپ
اسے بلا کر پیرساکے ایوان کا فیصلہ سنا دے لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو اس نے
خود بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس وقت فلبی گھر میں موجود نہیں تھا۔ وہ دبے
قدموں باپ کی خلوت گاہ میں داخل ہوئی تو وہاں ماں کو موجود پایا۔ دونوں کی
نظریں تقریباً ایک ساتھ اٹھیں اور افسردہ زیفو کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

ماں نے زیفو کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ بیٹھے ہوئے باپ نے کانوں پر
سے بالوں کی لٹیں ہٹائیں اور داڑھی کھجانے لگا۔ ماں نے زیفو کے سر پر ہاتھ
پھیرا اور مضبوط لہجے میں کہا۔ "اگر مقدس پیرسا کے ایوان نے متفق ہو کر بیک آواز
فیصلہ کر دیا ہے کہ میری بیٹی زیفو کا بنارسی نوجوان کے ہاتھ میں نہ دیا جائے تو
ہمیں بھی بے چون و چرا اس فیصلے کو قبول کر لینا چاہیئے کیونکہ یہ ہمارے بڑوں
کا فیصلہ ہے!"

زیفو کے باپ نے کہا۔ "میں اپنے بڑوں کے فیصلے کو رد نہیں کر سکتا ہوں
لیکن یہ بات بھی آسان نہیں ہے کہ میں اس شریف بنارسی نوجوان کو خود اپنی زبان
سے موت کا حکم سنا دوں!"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

ماں نے کہا۔ "تم زیفو کو ہمارے بڑوں کا فیصلہ سنا دو، میں سمجھتی ہوں یہ ناگوار فرض، جو خالصتاً زیفو کی ذات سے تعلق رکھتا ہے، یہ خود انجام دے لے گی!"

باپ نے پیرسا کی مجلس کا فیصلہ زیفو کو سنا دیا اور تاریک قلب کے ساتھ بولا۔ "یہ ایک نہایت ناہموار اور ظالمانہ فیصلہ ہے جو پیرسا کے بڑے لوگ دو انسانوں کی ذاتی اور خاندانی زندگی کے خلاف سنا بیٹھے ہیں، ہم چاہیں تو ان کے اس فیصلے کو ٹھکرا دیں لیکن ہمارے خاندان میں آج تک ایسی کوئی مثال نہیں ملتی دوسرے یہ کہ اس فیصلے کے خلاف قدم اٹھانے کی جو ہمیں سب سے بڑی سزا بھگتنا پڑے گی وہ یہ ہے کہ ہمیں صنعتی اور تجارتی حقوق سے محروم کر دیا جائے گا!"

زیفو کے دل پر مسلسل گھونسے سے لگ رہے تھے۔ وہ کافی دیر خاموش بیٹھی رہی، اس کے ماں باپ زیفو کا جواب سننا چاہتے تھے، جب دیر تک خاموشی طاری رہی تو ماں نے کہا۔ "زیفو! تو کیا سوچ رہی ہے؟ کیا تجھے مقدس پیرسا کے بڑوں کا یہ فیصلہ قبول نہیں ہے؟"

زیفو نے نہایت دھیمی آواز میں جواب دیا۔ "پیرسا کے بڑوں نے جو بھیانک فیصلہ کیا ہے، اس سے زیادہ بھیانک اور دردناک آپ دونوں کا یہ فیصلہ ہے کہ آپ مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ اس فیصلے کو قلبی تک میں پہنچا دوں!"

باپ نے کہا۔ "زیفو! تم ہماری بات سمجھنے کی کوشش کرو، ہم نے یہ فرض محض اس لیے تمہیں سونپا ہے کہ یہ مسئلہ تمہاری ذات سے تعلق رکھتا ہے، تم نے بچپن کا زیادہ زندگی میں یہی سیکھا ہے کہ جس کے دست جو کام ہے اسے وہ خود انجام دے، یہ مسئلہ تمہارا ہے، ہمیں تم سے ہمدردی ہے لیکن اس ہمدردی کو اپنے صنعتی اور تجارتی مفاد نہیں قربان کر سکتے!"

زیفو نے جواب دیا۔ "میں پیرسا کے بڑوں کا فیصلہ قبول کرتی ہوں لیکن ایک فیصلہ میں نے بھی کیا ہے، اور میں اس میں سمی اور کی مداخلت ہرگز نہیں برداشت کروں گی!"

اس کے ماں باپ نے حیرت اور تجسس سے زیفو کو دیکھا اور اس کا فیصلہ سننے کی خواہش کی۔

زیفو نے تجسس کی فضا زیادہ دیر نہیں قائم رہنے دی۔ اس نے

آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ "ہمارے بڑوں نے اس پنچایتی نوجوان کی اس خدمت کو کیوں بھلا دیا۔ جو اس نے اپنے ہم قوم خطرناک بوڑھے کی گرفتاری کی شکل میں انجام دی تھی، تم لوگ اپنے پتھروں جیسے دل سے اس کی خدمات نکال دو، لیکن میں نہیں نکال سکتی۔ اس نے تجارتی اور صنعتی معاملات میں ہمیں اور ہماری قوم کو بڑے فائدے پہنچائے ہیں اور یہ باتیں ایسی نہیں ہیں جنہیں بآسانی نظر انداز کر دیا جائے قلبی نے ان احسانات اور خدمات کا میں عملاً اعتراف کروں گی کہ زندگی بھر اسی کے نام پر کنواری بیٹھی رہوں اور یہی میرا وہ فیصلہ ہے جس میں میں اپنے کسی بڑے کی مداخلت پسند نہیں کروں گی!"

زیفو کی ماں نے پریشان ہو کے کہا۔ "یہ کس طرح ممکن ہے؟"

باپ نے خلا سختی سے کہا۔ "ہمارے خاندان میں ایسا آج تک نہیں ہوا میں نے تمہیں پالا پوسا ہے، اور تمہاری پرورش اور تربیت پر میں بہت کچھ خرچ کر چکا ہوں، قلبی سے زیادہ تم پر میں نے احسانات کیے ہیں کیا ان احسانات کا عوض تم نہیں دو گی؟"

زیفو نے اٹل اور سرد مہری کے انداز میں جواب دیا۔ "آپ لوگ اپنا فرض پہلے ہی وصول کر چکے ہیں!"

"وہ کس طرح اور کب؟" زیفو کا باپ تلملایا ہوا تھا۔

زیفو نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ "میں نے مقدس پیرسا کے بڑوں کا وہ فیصلہ جو انہوں نے آپ کے خلاف نافذ کیا تھا خندہ پیشانی سے قبول کر کے آپ کا فرض اتار دیا ہے!"

باپ غصے میں آ کھڑا ہوا۔ وہ شاید تشدد پر اتر آتا لیکن مہربان ماں نے دونوں کے درمیان حائل ہو کر زیفو کو ٹھنڈا کرنا شروع کر دیا۔ شوہر سے کہا۔ "زیفو ہماری بیٹی ہے، اور اس پر ہاتھ اٹھا کے یا کسی اور تشدد کے طریقے سے تم اس کے دل کو نہیں جیت سکتے ہمارے لیے فی الحال یہی مناسب ہے کہ اس معاملے کو کچھ دنوں کے لیے التوا میں ڈال دیں اور دو چار سال خاموش تماشائیوں کی طرح زیفو کا جائزہ لیتے رہیں، اور مجھے یہ یقین ہے کہ کوئی بھی نوجوان یکساں جذباتی حالت کو تادیر قائم نہیں رکھ سکتا!"

پھر اس نے سسکیاں لیتی ہوئی زیفو کو سینے سے لگایا اور سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔ "بیٹی! تیرا باپ مرد ہے اور مردوں میں اپنے فیصلے جبراً منوانے کی پرانی عادت چلی آ رہی ہے۔ ۔ ۔ ں یہ نہیں کہتی کہ تو نے کوئی غلط

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

فیصلہ کیا ہے ان حالات میں عموماً نوجوان لڑکیاں اسی قسم کے جذبا فیصلے کر لیا کرتی ہیں جن پر وہ زندگی بھر نہیں چل پاتیں اور بعد میں جب ان وقتی جذبوں پر حالات اور تقاضوں کی شدتیں غالب آتی ہیں تو وہ ماں باپ کا اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں جو صبح اور سچا راستہ ہوتا ہے!"

زلیخو نے روتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں نے جو فیصلہ کیا ہے اسے زندگی کی آخری سانسوں تک نباہوں گی۔"

"ٹھیک ہے؟" ماں نے کہا۔ "میں اس سلسلے میں تجھے پانچ سال دوں گی اس عرصے میں اگر تو اپنے فیصلے پر اسی شد و مد سے قائم رہی تو میں پانچ سال بعد اور توسیع کر دوں گی لیکن اگر تیرے قدم ڈگمگانے لگے تو میں تیرے لئے تیرے شایانِ شان کسی خوب صورت اور دولت مند فیشنی نوجوان کو پسند کر لوں گی!"

باپ نے درمیان میں مداخلت کی، کہا۔ "لیکن ان پانچ سالوں میں زلیخو ایک بات کا بطورِ خاص خیال رکھنا پڑے گا!"

ماں نے چڑ کر کہا۔ "تم معاملے کو ضرور بگاڑ دو گے، میں کہتی ہوں تم خاموش رہو!"

"اے کم عقل عورت!" زلیخو کا باپ گرجا۔ "تو نے زلیخو کو پانچ سال کی مدت دینے میں ایک خاص نکتہ نظر انداز کر دیا ہے، اور وہ ایسا نکتہ ہے کہ اگر اس کا خیال نہیں رکھا گیا تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ زلیخو ایک نہ زندگی تو کیا کئی زندگیاں اپنے اس عہد پر قائم رہ کر گزار سکتی ہے!"

زلیخو نے اپنے بے رحم باپ کو رحم کی نظروں سے دیکھا۔

ماں نے پوچھا۔ "وہ کون سا نکتہ ہے، خدا مجھے بھی تو بتاؤ!"

زلیخو کے باپ نے کہا۔ "تم زلیخو سے وعدہ لو کہ وہ ان پانچ سالوں میں فلبی سے دور بلکہ اس کی نظروں سے اوجھل رہے گی!"

زلیخو چیخ اٹھی۔ "ایسا نہیں ہو سکتا، ایسا نہیں ہو سکتا!"

ماں شش و پنج میں آ گئی، آہستہ سے بولی۔ "اس کے بغیر تو میری مان کردہ شرط کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔"

زلیخو چیختی رہی۔ "مجھ پر اتنا ظلم نہ کرو میں مر جاؤں گی میں یہ ظلم نہیں برداشت کروں گی!"

ماں اپنے شوہر کو زلیخو سے ذرا دور کمرے کے کونے میں لے گئی اور سرگوشی میں کہا۔ "میں سمجھتی ہوں اس نکتے کا زلیخو کے سامنے اظہار مناسب بات نہ تھی، یہ کام تو تمہارے کرنے کا ہے اب فی الحال خاموش رہو اور وقت کا انتظار کرو، کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا!"

زلیخو نے چیخ کر کہا۔ "ماں! تمہیں جو فیصلہ کرنا ہے میرے سامنے کرو، دشمنوں کی طرح پیٹھ میں چھرا گھونپنے سے کیا حاصل!"

ماں نے جواب دیا۔ "زلیخو! میں تیری ماں ہوں مجھے اپنا دشمن نہ سمجھو!"

باپ نے کہا۔ "زلیخو! جو ہونا تھا ہو چکا اب تم اپنا فرض انجام دو اور اپنے بڑوں کا فیصلہ قلبی کو جا کر سنا دو!"

زلیخو کوئی جواب دیئے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔

* * *

زلیخو نے اپنے بڑوں کا فیصلہ مکان سے ملحق پیچھے باغ میں قلبی کو جا کر سنا دیا۔ قلبی پر اس فیصلے کا اتنا برا اثر نہیں ہوا، جس کی زلیخو امید کر رہی تھی۔ اس نے افسوس سے پوچھا۔ "کیا تمہیں اس فیصلے سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی؟"

قلبی نے جواب دیا۔ "پہنچی کیوں نہیں لیکن میں اسے جھیل یوں گیا کہ میں اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھا!"

زلیخو نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا مطلب؟ کیا تم ہمارے بڑوں کے اس فیصلے سے قبل از وقت ہی آگاہ ہو گئے تھے؟"

"ہاں!" قلبی نے جواب دیا۔ "تم لوگوں میں بچپن سے رہ رہا ہوں، تمہاری قوم کے مزاج اور طبیعت سے اتنا واقف تو ہو ہی گیا ہوں کہ بہت سی باتیں وقت سے پہلے جان جاتا ہوں!"

زلیخو نے پوچھا۔ "اب کیا ہو گا؟"

"وہی جو تمہارے بڑے چاہتے ہیں!"

"لیکن میں نے تو ان سے یہ کہہ دیا ہے کہ میں ہیر سا کے بڑوں کا فیصلہ اس شرط پر قبول کر دوں گی کہ وہ بھی میری ذاتی زندگی میں آئندہ کسی قسم کی

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

رہیں!" اس کے بعد آہستہ سے گردن جھکا کے کہا۔ "کیونکہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ زندگی بھر کنواری رہوں گی، اور کسی فینیقی نوجوان یا مرد کو اپنا شوہر نہ بناؤں گی!"

فلبی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ زیفو کے ہونٹ تھرتھرا رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ تھوڑی دیر بعد قدموں سے پڑے ہوئے خشک پتوں پر کسی چیز کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ زیفو نے سر اٹھا کے فلبی کی طرف دیکھا وہ آنسو بہا رہا تھا اور آنسوؤں کے قطرات خشک پتوں پر گر گر کے ہلکا سا شور کر رہے تھے۔

"تم رو رہے ہو؟ مرد ہو کر رو رہے ہو؟" زیفو نے گھٹنے کے دامن سے اس کے آنسو خشک کرنے کی کوشش کی اور کہنے لگی۔ "رونے کا کام مجھ پر چھوڑ دو، میں روؤں گی اگر تم ہمارے بڑوں کے اس فیصلے کے خلاف کوئی بڑا عملی قدم اٹھا سکتے ہو تو ہمت کرو میں تمہارا ساتھ دوں گی!"

فلبی نے جواب دیا۔ "یہاں سے پنارمس بہت دور ہے اور درمیان میں سمندر حائل ہے اگر پنارمس تک پہنچنے کا کوئی بڑی راستہ ہوتا تو میں تمہیں دنیا کے آخری سرے تک لے چلا جاتا!"

زیفو نے کہا۔ "کوئی جلدی نہیں ہے پانچ سالوں کے دوران تم اس مسئلے پر آزادی سے سوچتے رہو اور جب کسی امید افزا نتیجے پر پہنچ جاؤ تو اس سے مجھے مطلع کر دینا میں اس منصوبے میں تمہارا ساتھ دوں گی!"

فلبی نے بے دلی اور مایوسی سے کہا۔ "میں کوشش کروں گا!"

زیفو سے جدا ہو کر فلبی اس جگہ پہنچا جہاں پنارمسی بوڑھا دو حصوں میں تقسیم ہو کر ہلاک ہو گیا تھا۔ اس کے جسم کے منتشر اعضا اس وقت بھی ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ گوشت مردار خور پرند چٹ کر گئے تھے، ہڈیوں پر بہت سی چڑیاں اور سرخاب بھی موجود تھا۔ اس نے انہیں یک جا کیا اور پھر ایک گڑھا تلاش کر کے انہیں اس میں ڈال دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر گھر واپس آیا اور رات کی تاریکی میں ایک بار پھر وہیں پہنچ گیا۔ اس نے اپنے کاندھے پر پڑی ہوئی چادر میں ایک چراغ، ایک کوزہ، ایک قاب اور کھانے پینے کے چند دوسرے برتن چھپا رکھے تھے۔ فینیقیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مردے بھی انہی کی طرح زندگی گزارتے ہیں اور انہیں بھی ان ضروری چیزوں کی ضرورت رہتی ہے

فلبی نے یہ چیزیں بوڑھے کے سر اور ہڈیوں کے پاس رکھ دیں اور مودب کھڑے ہو کر عرض کیا۔ "میرے معزز ہم وطن بزرگ! میں شرمندہ ہوں کہ تمہیں اتنے دنوں تک ان ضروری اشیاء کے بغیر دن گزارنے پڑے، تمہیں یقیناً پریشانی اٹھانی پڑی ہوگی لیکن تم میری بات کا یقین کرو کہ پہلے میں ان رسوم سے واقف نہ تھا، تم میری لغزشیں اور کوتاہیاں معاف کر دینا۔ آئندہ میں تمہارا خیال رکھوں گا!"

اس کے بعد اس نے تھوڑی دیر کے لیے سکوت اختیار کیا اور گڑھے کی طرف نظریں جمائے رہا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے بوڑھا اس گڑھے سے جھانک رہا ہے۔ فلبی کا دل بھر آیا وہ بھرائی آواز میں بولا۔ "میرے محترم ہم وطن بزرگ! تمہیں یہ جان کر یقیناً دکھ پہنچے گا کہ میں زیفو کو نہیں حاصل کر سکا کیونکہ مقدس پیر سا کے شرح پردوں والے ایوان نے یہ فیصلہ سنا دیا ہے کہ میں پنارمسی ہوں جو روم ہی کا ایک جزیرہ ہے، روم اور فینیقیہ والوں میں ازلی بیر چلا آتا ہے پھر وہ اپنی لڑکی ایک رومی کو کیوں دے دیں!"

پنارمسی بوڑھے نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن خوش عقیدہ فلبی یہی سمجھ رہا تھا کہ بوڑھا نہ صرف یہ کہ اس کی باتیں بغور سن رہا ہے بلکہ وہ اس کا کوئی حل بھی ضرور سوچ رہا ہوگا۔

فلبی نے مزید کہا۔ "میرے محترم بزرگ! میں تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ تم میرے اس جان لیوا مسئلے کو حل کر دو، میں تمہیں ایک بار پھر یہ یقین دلاتا ہوں کہ میں ابھی تک اپنے دھن کو بھولا نہیں ہوں، مجھے اپنی زمین آج اتنی ہی عزیز اور پیاری ہے جتنی خود تمہیں تھی اور مجھے آج بھی اپنے خاندانی قبرستان کی یاد ستاتی رہتی ہے، تم نے میرے دل میں دھن کی عظمت اور محبت کا جو چراغ روشن کیا تھا وہ آج بھی روشن ہے اور مرتے دم تک اسی طرح روشن رہے گا!"

اس کے بعد اس نے اپنے آنسو خشک کیے اور گھر واپس چلا گیا۔

* * *

اسپین کے شہر قرطاجنہ میں ہل کر رقعہ کا داماد بھی قتل کر دیا گیا اور وہاں کی قیادت ۲۵، ۲۶ سالہ نوجوان ہینی بال کو منتقل ہو گئی۔ ہینی بال حقیقت میں

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

جینی بعل تھا جس کا مطلب ہے بعل کے لطف و نوازش۔ ہینی بال کی پرورش اور تربیت مخصوص انداز میں ہوئی تھی، وہ بچپنے سے رومیوں کے خلاف جذبوں کی پرورش کرتا رہا تھا چنانچہ نئے قرطاجنہ کا اقتدار سنبھالتے ہی اس نے اسپین کے ان علاقوں کی تسخیر کا منصوبہ بنالیا جو یا تو روما کے زیر تسلط تھے یا اس کے حریفوں کے قبضے میں تھا۔ ایک پرانے معاہدے کی رُو سے شمال میں ابرو ندی کے اس پار جنوب میں نئے قرطاجنہ تک ہینی بال کا قبضہ تھا۔ اسی طرح شمال کا ساحلی شہر سگینتم ہینی بال کے برسر اقتدار آنے سے پہلے تک رومیوں کے زیر اثر تھا لیکن پُرجوش اور سرپھرے ہینی بال میں اب اتنا یارانہ تھا کہ وہ تمام جزائر اور ساحلی شہروں سے دستبردار ہو جاتے، وہ ایک مدت سے یہ محسوس کرتا چلا آرہا تھا کہ رومی حکومت اپنا پنجۂ اقتدار دور دور تک پھیلاتی چلی جارہی ہے اور یہ بات کم از کم نوجوان ہینی بال ہرگز برداشت نہ کر سکتا تھا بلکہ وہ تو اس فکر میں تھا کہ رومیوں سے وہ تمام علاقے واپس چھین لے جو اس سے پہلے گنوائے جا چکے ہیں، یہ سوچ کر اس نے ساحلی شہر سگینتم پر حملہ کر کے زیر کر لیا، سگینتم نے روما سے مدد مانگی لیکن جب تک یہ مدد آتے سگینتم ہینی بال کے قبضے میں جا چکا تھا، اور اس سے بڑی ستم ظریفی یہ ہوئی کہ ہینی بال نے ابرو ندی کی حد بندی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ روم کے عمائدین شہر اس فیصلے سے بہت ناخوش تھے، انہوں نے ایک پانچ رکنی وفد قرطاجنہ روانہ کیا اور اسے یہ اختیار دیا کہ وہ سے جیحک شاہانہ وقار سے بیرسا کی مقدس چوٹی پر جائے اور وہاں سرخ پردوں والے دروازوں کے پیچھے بیٹھی ہوئی مجلس کو یہ بتائے کہ اگر ہینی بال اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو روما کو مجبوراً کوئی سخت قدم اٹھانا پڑے گا۔

روم کا یہ پانچ رکنی وفد جب قرطاجنہ میں داخل ہوا تو شہر والوں نے اس کا استقبال متضاد جذبوں سے کیا۔ زیفو کے باپ کو ایک عجیب موقع ہاتھ آگیا اس نے فلبی سے کہا۔ "تمہیں ہمارے ساتھ بیرسا کے ایوان میں چلنا ہے۔"

فلبی کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس نے وہاں جانے سے انکار کر دیا، کہا۔ "بیرسا کے ایوان کی وہ مجلس، جو میرے خلاف ایک دردناک اور سوہان روح فیصلہ سنا چکی ہے، اس لائق ہی نہیں کہ اس کے سامنے جایا

جائے!"

لیکن زیفو نے کہا۔ "فلبی! چلے جانے میں کوئی ہرج نہیں، ہو سکتا ہے وہاں کوئی ایسی صورت پیش آجائے جس سے ہمارے بڑے اپنا فیصلہ بدل دیں، مجھے ایسا لگ رہا ہے، جیسے دیوتا ہم پر مہربان ہو رہے ہیں اور وہ بہت جلد ہمارے دکھوں کو ختم کر دیں گے!"

فلبی نے بے بسی سے کہا۔ "زیفو تم کہتی ہو تو میں تمہارے بڑوں کی مجلس میں چلا جاؤں گا ورنہ وہاں جانے کو میرا جی نہیں چاہتا!"

زیفو کا باپ فلبی کو ایوان میں لے گیا جہاں قرطاجنہ کی مجلس کے بڑے لوگ اور وفد کے پانچ رکنی وفد سے مصروف گفتگو تھے۔

وفد کے صدر نے قرطاجنی مجلس کے سامنے وہ الزامات دہرائے جو رومی حکومت نے ہینی بال پر عائد کیے تھے۔ انہوں نے غصے میں مٹھیاں بھینچ کر قرطاجنہ کے بڑوں کو بتایا کہ "ہینی بال ڈاکو کا کردار ادا کر رہا ہے اور اس نے ان سرحدوں کو توڑ دیا ہے جن کا احترام واجب تھا اور اس نے بعض ایسے علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے جو کمزور تھے اور انہیں رومیوں کی حلیفی کا شرف حاصل تھا!"

بیرسا کی مجلس نے رومی وفد کے الزامات بے دلی سے سنے اور پوچھا۔ "ہمیں یہ بتایا جائے کہ رومی حکومت ہم سے کیا چاہتی ہے؟"

وفد کے صدر نے سوچے سمجھے منصوبے کے ماتحت جواب دیا۔ "اہل قرطاجنہ کے بیٹے ہینی بال اور اس کے آدمیوں کو روما کی حکومت کے حوالے کر دیا جائے!"

بیرسا کی مجلس نے جواب دیا۔ "نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا!"

رومی وفد کے صدر نے سوال کیا۔ "کیا ہینی بال کے اقدامات میں قرطاجنہ کے بڑوں کی خواہش یا حکم شامل ہے یا اور یہ کہ کیا بیرسا کے بڑے لوگ ہینی بال کے اقدامات کو ناجائز نہیں سمجھتے!"

بیرسا کی مجلس کا صدر اپنی جگہ کھڑا ہو گیا اور کہا۔ "ہینی بال نے جو کچھ زیادہ ناجائز کس طرح ہے، اس نے جن قلعوں پر قبضہ کیا ہے وہ پہلے ہمارے حلیف تھے لیکن جب انہوں نے حلف توڑنے میں پہل کی تو ہینی بال کو اس بات کا حق حاصل ہو گیا کہ ان کی گوشمالی کر دی جائے!"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

روما کے وفد کا صدر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے
چغے کو سینے پر کس لیا اور کہا۔ "بیرساکے معزز سردارو! میں تمہاری باتوں
سے تھک چکا ہوں، میں اپنے چغے کی تہہ میں جنگ اور صلح کو لپیٹ
کر لایا ہوں، قرطاجنہ کی قسمت کے مالکو! مجھے جواب دو کہ تم کیا پسند
کرتے ہو؟"

قرطاجنی مجلس کا قائد اب بھی کھڑا تھا، اس نے کہا۔ "کیا میں اپنے ساتھیوں
کو ایک طرف لے جا کے مشورے کر سکتا ہوں؟"

روما کا صدر وفد مان گیا لیکن جب قرطاجنی مجلس کا قائد اپنی جگہ
پر دوبارہ واپس آیا تو اس نے خلافِ توقع جواب دیا۔ "روما کے معزز
نمایندو! اپنے چغے کی تہہ میں جو کچھ بھی لپیٹ کر لائے ہو اسے تم اپنی مرضی
سے نکال لو۔"

رومی وفد کے صدر نے غیر جذباتی آواز میں کہا۔ "تو پھر جنگ
ہے؟"

بیرساکے بڑوں نے بیک آواز جوش و خروش سے جواب دیا۔ "ہمیں
منظور ہے، منظور ہے!"

رومی وفد کے صدر نے قرطاجنی مجلس کو نہایت افسوس سے مخاطب
کیا۔ "افسوس کہ تم نے وہ پسند کیا ہے جو بالآخر قرطاجنہ کی تباہی پر ختم ہوگا۔ ہم روما
والوں نے جنگ کے دیوتا جانوس کے مندر کو ایک عرصے سے مقفل کر رکھا تھا۔
لیکن اب وہ ہمارے واپس جاتے ہی کھول دیا جائے گا!"

رومی وفد واپس چلا گیا۔ زیفو کا باپ اسی موقع کا منتظر تھا، وہ مجلس کے
قائد کی طرف بڑھا اور عرض کیا۔

"کیا بیرساکے بڑوں کا یہ فیصلہ ہل کر ہر قرہ کے بیٹے ہینی بال تک پہنچایا
جائے گا؟"

مجلس کے قائد نے جواب دیا۔ "ہاں، اسی وقت، ابھی کیونکہ ہمارے پاس
اب زیادہ وقت نہیں ہے!"

زیفو کے باپ نے کہا۔ "تب پھر اس کام کو میرا یہ بیٹا قلبی انجام دے
گا اسے دیوتاؤں کی طرف سے ہمت، عقل، استقلال اور دیانت کا جوہر عطا
ہوا ہے!"

قلبی نے بے دلی سے جواب دیا۔ "لیکن خود کو میں اس کا اہل
نہیں سمجھتا!"

زیفو کے باپ نے کہا۔ "یہ تمہارا انکسار ہے!"

مجلس کے قائد نے کہا۔ "تم اس نوجوان کو خواہ مخواہ مجبور کرتے ہو، اس
کام کے لیے ہمارے پاس اور بھی لوگ ہیں!"

زیفو کا باپ بیرساکے قائد کے پاس پہنچ گیا اور سرگوشی میں کہا۔ "میں
اس نوجوان کو اپنی بیٹی زیفو کی نظروں سے اوجھل کر دینا چاہتا ہوں اور یہ اسی
طرح ممکن ہے کہ اسے ہینی بال کے پاس بھیج دیا جائے!"

اس کے بعد مجلس نے اپنا یہ فیصلہ بھی سنا دیا کہ قلبی اس وفد کے
ساتھ جائے گا جو ہینی بال کو روما والوں کے فیصلے سے آگاہ کرنے کے لیے جا رہا
ہے۔ قلبی تو کیا کسی میں بھی اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ قرطاجنہ کے بڑوں کے
فیصلے سے روگردانی کر سکتا۔

قلبی وہاں تو کچھ بھی نہ بولا لیکن گھر آ کے شدید غم اور غصے کا اظہار
کیا۔ اس نے کہا۔ "میں خوب جانتا ہوں کہ مجھے قرطاجنہ سے دور کیوں بھیجا جا
رہا ہے لیکن اب میرے لیے یہ بالکل ناقابلِ برداشت ہے کہ میں بیرساکے
بڑوں کے ہر اذیت ناک اور سوہانِ روح فیصلے کے آگے سر جھکاتا چلا جاؤں۔
ان سوہانِ روح فیصلوں کا میں انتقام لوں گا، بھیانک اور اذیت ناک
انتقام!"

زیفو کے باپ نے نرمی سے کہا۔ "روما والوں نے ہمارے خلاف جنگ
کا اعلان کر دیا ہے، یہ بہترین موقع ہے کہ تم قرطاجنہ کو عملاً اپنی وفاداری کا یقین
دلا دو۔ مقدس بیرساکے بڑوں کا فیصلہ ایسا نہیں ہے جو بدلا نہ جا سکے، ہو سکتا
ہے کہ وہ تم سے خوش ہو کر ہمیں اجازت دے دیں کہ زیفو کو تمہارے
ساتھ کر دیا جائے!"

قلبی نے جواب دیا۔ "اب مجھے کسی بات کا یقین نہیں رہا!"

اس کے بعد جانے سے پہلے وہ زیفو سے ملا اور کہا۔ "زیفو! میں قرطاجنی
وفد کے ساتھ ہینی بال کے پاس جا رہا ہوں!"

"جاؤ!" زیفو نے اس طرح جواب دیا گویا وہ کچھ اور سوچ رہی ہو، پھر پوچھا
"یہ کب تک ہو گی؟"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

اس نے جواب دیا۔ "کچھ پتہ نہیں، مجھے یہ بھی یقین نہیں کہ ہیبی بال تک پہنچتے پہنچتے میں زندہ بھی رہوں گا یا نہیں کیونکہ تم سب کی قومی عصبیت ان حالات میں مجھے زندہ نہیں دیکھنا چاہتی!"

"ایسی باتیں مت کرو!" زیفو نے ناگواری سے کہا۔ "آخر تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ میں بھی اسی قوم سے تعلق رکھتی ہوں اور میں تم سے اتنی محبت کرتی ہوں جتنی ایک وہ پرستار اپنے دیوتا سے کرتا ہے جو بالآخر دیوتا کی قربان گاہ پر اپنی جان قربان کر دیتا ہے!"

قلبی نے جواب دیا۔ "کیا پتہ؟"

زیفو تلملا گئی، اٹھ کر کھڑی ہو گئی، شدید جذبات میں تنفس تیز ہو گیا اور جسم تھرتھرانے لگا۔ بولی۔ "تم میری محبت پر یقین نہیں رکھتے؟ یہ سب کچھ ڈھونگ ہے؟ میں نے اپنی یہ حالت جو بنا رکھی ہے اس میں جھوٹ اور ریاکاری کارفرما ہے؟ میں نے عمر بھر کنواری رہنے کا عہد جو کیا ہے تو کیا میں اس سے پھر جانے کا ارادہ کر چکی ہوں!" یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

قلبی پتھر کی طرح ساکت کھڑا رہا۔

زیفو نے اچانک اس کو شانوں سے پکڑ لیا اور بددعا دیتی ہوئی بولی۔ "اگر میں جھوٹی ہوں تو مجھے صحت و تندرستی کا دیوتا ایشمون اپنی نعمتوں سے محروم کر دے اور میں اپاہج اور معذور ہو جاؤں، یہ میری بدقسمتی ہی تو ہے کہ میں جس کی وجہ سے ان حالوں پہنچی، وہی مجھ پر اعتبار نہیں کر رہا، کیا تم کسی ایسے نوجوان کا نام بتا سکتے ہو جس نے اتنی قربت حاصل کی ہو اور میں نے اس کے سامنے لطف و محبت کے دو جملے بھی ادا کیے ہوں!"

قلبی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ زیفو کہتی رہی۔ "بہرحال تم اب واپس آؤ یا نہ آؤ، مجھے کوئی پروا نہیں، میں نے جو عہد کیا ہے، مرتے دم تک اس پر قائم رہوں گی!" اس کے بعد وہ رونے لگی، اس نے قلبی کے شانے چھوڑ دیے اور گھٹنوں میں سر دے کے سسکیاں بھرنے لگی۔ "اے مقدس ہیرساکے! کیا تم نے محبت اور سچائی کو اس دنیا سے اٹھا لیا ہے؟ آخر یہ کیسی دنیا ہے جہاں محبت کی کوئی قدر نہیں، اس محبت اور خلوص سے محروم دنیا میں میں خود کو اکیلی اور تنہا محسوس کر رہی ہوں، دیوتا ڈ! مجھ پر رحم کرو اور مجھے

پاس بلا لو!"

بے حس قلبی کھڑا دیکھتا رہا۔ اس کی باتیں سنتا رہا اور آخر اسے اسی حالت میں چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد زیفو اٹھی اور کھوئی کھوئی

ہیرساکی چوٹی پر تانیت دیوی کے مندر میں چلی گئی، تانیت دیوی جو ہندوؤں میں دھرتی ماتا کہلاتی ہے، وہ تانیت دیوی کے قدموں میں لیٹ گئی اور آنسو بہا کے درخواست کی۔ "دیوی! مجھے اپنی آغوش میں چھپا لو، میں غموں سے تنگ آ گئی ہوں، تیرے بیٹوں نے میرے دل کو طعن و تشنیع اور دل آزار برتاؤ سے چھلنی کر دیا ہے!"

قلبی قرطاجنی وفد کے ساتھ ہیبی بال کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے زیفو کے رویے میں پہلی بار یہ تبدیلی محسوس کی کہ وہ ساحل سمندر پر اسے الوداع کہنے نہیں آئی، زیفو کی محبت پر شک کر کے قلبی نے اس کا دل دکھایا تھا، زیفو نے اس کے خلاف خاموش احتجاج کیا تھا۔ ورنہ اس کا دل اپنے اس رویے پر خون کے آنسو رو رہا تھا۔

* * *

قرطاجنی وفد کو ہیبی بال کے پاس فوراً ہی پہنچا دیا گیا۔ اس وقت وہ بل کرت دیوتا کی سیڑھیوں پر کھڑا تھا، دراز قامت، کاندھے پر سیاہ شال پڑی ہوئی تھی، چوڑی اور گہری پیشانی کے نیچے پرعزم آنکھوں میں ایک خاص چمک پائی جاتی تھی۔ بال گھونگھریالے اور داڑھی چھوٹی تھی، کاندھے ذرا جھکے ہوئے تھے۔ قرطاجنہ کے بڑوں کا فیصلہ اس کے حوالے کر دیا گیا، اس نے مندر کی سیڑھیوں پر کھڑے کھڑے اس فیصلے کو پڑھا اور وفد کو جواب دیا۔ "میں اس فیصلے کو خوش آمدید کہتا ہوں، اب وقت آ گیا ہے کہ اہل قرطاجنہ روما کے سیاسی اور فوجی برتری کو خاک میں ملا دیں!"

اس نے وفد کو چند دنوں کے لیے اپنے پاس روک لیا۔ قلبی نے ہیبی بال میں کچھ ایسی غیر معمولی صلاحیتیں دیکھیں کہ وہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ہیبی بال روما پر ایک غیر معمولی اور فیصلہ کن ضرب لگانے کا بہت پہلے تہیہ کر چکا تھا۔ چنانچہ اس کی فوج میں اسپین، فرانس، افریقہ جیسے دور دراز علاقوں کے سپاہی ایک ہی صف میں کھڑے تھے اور ان میں اتحاد تھا، ہم

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

پل نے ان کے دلوں کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا۔ ان میں غلام بھی تھے اور آزاد بھی اور ان دونوں میں امتیاز نہیں برتا گیا تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ یہاں

اسے زیفو کی یاد بہت کم آتی تھی، چنانچہ جب ہینی بال نے قرطاجنی وفد سے یہ سوال کیا کہ "وفد کا کون رکن واپس جانا چاہتا ہے اور کون یہاں رکنا چاہتا ہے؟"

تو فلبی کا نام رکنے والوں میں شامل ہو چکا تھا۔

ہینی بال کو جب یہ معلوم ہوا کہ فلبی پنارس سے تعلق رکھتا ہے تو اس نے فلبی سے وفاداری کا سخت عہد لیا۔ اس نے فلبی کو مل کمرت دیوتا کے سامنے کھڑا کر کے حکم دیا کہ "اپنے سیدھے ہاتھ میں شگاف لگا کے خون بہا دو اور قسم کھاؤ کہ تم سازش یا غداری کے مرتکب نہیں ہو گے!"

یہ عہد فلبی ہی سے نہیں، بعض اور لوگوں سے بھی لیا جا رہا تھا۔ فلبی نے شانے سے ذرا نیچے ہاتھ کی ہتھیلی میں شگاف دیا اور خون کے چند چھینٹے مل کمرت دیوتا کے قدموں میں چھڑک دیے اور ہینی بال کے حلفیہ کلمات ادا کر دیے۔

صبح طلوع آفتاب کے بعد ہینی بال اپنی سپاہ کا جائزہ لینے نکلا۔ جب وہ فلبی کے قریب پہنچا تو اس نے اہل قرطاجنہ کے وہ مروجہ الم جو اس کی رو ڈھاتے گئے تھے ہینی بال کے گوش گزار کیے اور کہا۔ "برقہ خاندان کے سردار! میں نے خود دیکھا انسان اپنی وفاداریوں کے عوض یہ چاہوں گا کہ میرے دل پر قرطاجنہ کے بڑوں نے جو گھاؤ لگائے ہیں، ان کا ان سلوک سے اندمال کر دیا جائے!"

ہینی بال نے کوئی خاص اثر لیے بغیر جواب دیا۔ "اپنی وفاداریوں کا کس حد سے معاوضہ طلب کر رہے ہو، یہ گفتگو کی ہے تم نے اپنی جان ہمارے عزائم کے ہاتھ بیچ دی ہے اب یہ ہماری مرضی پر موقوف ہے کہ اس کا کیا اور طرح اپنی مرضی سے معاوضہ دیں اور اس کی صحیح قیمت اس وقت متعین ہو جب تم واقعی اپنی وفاداریاں ثابت کر چکے ہو گے ورنہ ابھی تو تم ایک عام انسان ہو عشق زدہ، ایک نوجوان حسینہ کی زلف گرہ گیر کے اسیر، اور یہ میں عشق کرنا کوئی قابل تحسین یا لائق عزت کارنامہ نہیں رہے۔ کبھی تو کرتے ہیں!"

فلبی اس پتھر دل نوجوان سے خوف زدہ ہو گیا۔ ہینی بال کہنا تو سچا تھا یوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ملک گیری اور کشور کشائی کے علاوہ کسی کام میں دلچسپی لیں، اسی سے وہ خود کو اور اپنی قوم کو سربلند رکھ سکتے ہیں، تجارت، صنعت، سیاست، مذہب سبھی اس کے تابع ہیں، طاقت، تلوار اور ہتھیار، عزت اور کامیابی کی کنجی ہیں، محبت کا عشق تو ایک سطحی اور اسفل جذبہ ہے، اس آبال کی طرح جو پانی میں تھوڑی دیر کے لئے آتا ہے، اس بلبلے کی طرح جو سطح آب پر ذرا سی دیر کے لئے نمودار ہو کر غائب ہو جاتا ہے!"

اس کے بعد اس نے اپنی سپاہ کو مخاطب کیا اور اس کو بتایا کہ "دیکھو ہم عنقریب روما میں داخل ہو جائیں گے، ایک فاتح اور کشور کشا کی حیثیت سے، وہاں گداز جسم اور تیکھے نقوش والی غزال صفت عورتیں تمہارے دلوں پر چھا جائیں گی، خبردار ہو تم نے ان عورتوں کے ہاتھوں مفتوح ہونا پسند کیا، اگر تم نے ایسا کیا تو لوگ تم پر ہنسیں گے اور کہیں گے کہ تم کتنے بے وقوف انسان ہو کہ روما کے مردوں کو تو فتح کر لیا لیکن ان کی عورتوں کے ہاتھوں مفتوح ہو گئے، یہ وہ ذلیل ترین داغ رسوائی ہے جو کسی مرد کی درخشاں پیشانی پر لگ سکتا ہے!"

ہینی بال کی تقریر اور خیالات نے فلبی کی دنیا ہی بدل کر رکھ دی وہ زیفو سے عشق کرتا تھا۔ شدید عشق لیکن ہینی بال کی تقریر کے بعد اسے یہ محسوس ہوا جیسے وہ اب تک عشق نہیں گناہ کرتا رہا ہے۔ کوئی جرم کرتا رہا ہے۔

ہینی بال نے اپنی تقریر کی صداقت کو عملاً یوں ثابت کیا کہ اس نے اپنی چہیتی بیوی املکہ اور چھوٹے سے بچے کو اور یفی قرطاجنہ روانہ کر دیا جس جہاز پر اس کا خاندان قرطاجنہ کے لئے روانہ ہوا تھا۔ ہینی بال اس کا نظارہ اب ساحلی دیدبان سے کرتا رہا۔

* * *

فلبی کے لئے یہ دنیا عجیب تھی، طاقت ور اور عظیم شخصیت کس طرح کمزور شخصیتوں کو مغلوب کر لیتی ہے، اس کی بہترین مثال ہینی بال اور اس کے آس پاس کے ماحول میں موجود تھی، یہاں ذہین لوگ بھی موجود تھے اور کوتاہ

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

مغز بہادر بھی، یہاں فرماں برداروں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی اور سرکشوں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی، اور ان سب پر ہینی بال کی شخصیت حاوی تھی۔ ترطاجنہ کی سڑکیں بھری رہتیں، چاروں طرف سے فوجی آتے چلے جا رہے تھے۔

افریقہ کے نومدی اپنی مخصوص وضع میں دور ہی سے پہچانے جاتے تھے۔ یہ بغیر لگام کے گھوڑوں پر سوار ہاتھی کی کھال کی ڈھالیں اپنی پشت پر ڈالے، سانگ (چھوٹی برچھی) اور پتھروں سے لیس گردنیں پیچھی کیے ہوئے گزر جاتے تھے۔ دنیا کی شجاعت اور بے جگری ان پر ختم ہو گئی ہے، یہ نومدی بے لگام گھڑ سوار جنگ کے دوران اپنے حریف پر سبقت لے جاتے کیونکہ ان کے حریف کا ایک ہاتھ تو گھوڑے کی لگام پکڑے ہوتا اور دوسرے ہاتھ سے وہ مقابلہ کرتے تھے۔ یہ سرفروش نومدی دونوں ہاتھوں سے جنگ کرتے اس لیے کہ یہ بے لگام گھوڑے پر سوار ہونے کی وجہ سے دونوں ہاتھ خالی رکھتے تھے۔ ان کی سانگ (چھوٹی برچھی) کی مار بہت مشہور تھی یہ اپنے حریف کو سانگ پھینک کر مارتے تھے جو اس کی زرہ توڑ کر جسم میں داخل ہو جاتی تھی، اس سانگ کے علاوہ قلاخنوں کی گولیاں رکھ کر بھی چلاتے تھے اور یہ گولیاں بھی اکثر زرہ توڑ کر جسم میں پیوست ہو جاتی تھیں۔

اسپین کے ری بیری بھی اپنے جھنڈوں سے پہچانے جاتے تھے، ان کے جھنڈوں پر ڈالا سورج اور ہلال ان کے امتیازی نشان تھے، اسی طرح قلطی بھی تھے جو چرمی کنٹوپوں میں منہ چھپائے اور بڑے بڑے برچھے سنبھالے ایک سرکشی سے آگے بڑھ جاتے، ان کے کنٹوپ میں لوہے کی کڑیاں لگی ہوتیں، میدانِ جنگ میں بڑا اچھا کام کرتی تھیں، ان میں قلطی بھی شامل تھے جو اپنی خصوصی تلواروں اور فولادی لٹھ کی وجہ سے دور ہی سے پہچانے جاتے تھے، ان کے عالی خاندان لوگ بھی شامل تھے یہ گل بوٹوں کی مرصع قبائیں پہنے اپنے گھوڑے اچکاتے ادھر ادھر بھاگتے نظر آتے۔ یہ سب پچاس ہزار تھے، ان میں چار ہاتھی تھے۔ ہینی بال اپنے لشکر کے ساتھ برندی کی طرف بڑھا یہ وہی ہے جس کی بابت رومائی حکومت بڑی فکر مند رہتی تھی اور اس نے اس قرطاجنہ کے بڑوں سے یہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ ابرندی کے شمالی ساحل رومہ والوں کے اقتدار کی حد شروع ہو جاتی ہے اور ہینی بال کی حدود اس کے جنوبی

تھیں اور یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ہینی بال کی افواج رومہ کی مرضی کے بغیر ان حدود کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔ ہینی بال اپنا لشکر لیے شکر سے کر ابرندی کی طرف بڑھا اور ابرندی میں پار اتر گیا۔ اس نے ہنستے ہوئے زیر لب کہا "خوب! معاہدہ تو یہ تھا کہ ہم افریقی علاقوں کے ساتھ ابرندی نہیں پار کریں گے لیکن آج میں اپنے پچاس ہزار لوگوں کے ساتھ دوسرے کنارے پر اتر چکا ہوں، رومانو! آؤ دیکھو یہ میں نے کیا کر دیا۔"

ہینی بال کے سپاہی ابھی تک اس کے عزائم سے پوری طرح باخبر نہ تھے، انہیں تو بس اتنا معلوم تھا کہ ہینی بال رومہ پر حملہ کرنے جا رہا ہے لیکن یہ حملہ رومہ پر کس سمت سے کیا جائے گا۔ ابھی تک کسی کو بھی نہیں معلوم تھا۔ ابرندی کے اس پار وہ پہاڑیوں میں داخل ہو گیا۔ یہاں کے بہادر لوگ اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے لیکن ہینی بال عظیم رومن امپائر کی بربادی کا ارادہ لے کر چلا تھا۔ المرجت کے بہادر اس کے ایک ہی ریلے میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے اور شکست کھانے کے بعد پہنتوں نے اس کی فوج میں نوکری کر لی۔

ابرندی سے پافاریں کے درّوں کا فاصلہ ایک سو اسی میل تھا اور یہ فاصلہ دو ماہ میں طے کیا جا سکتا تھا لیکن ہینی بال اپنے لشکر کے ساتھ جن دنوں یہ فاصلہ طے کر رہا تھا، موسم بہت خراب تھا اور قدم قدم پر موسم کی مزاحمت نے چھ دن کا سفر تین مہینوں میں پورا کرایا تھا۔ اگر اس کے سپاہیوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ آہستہ آہستہ ایلپس کے کوہستانی سلسلے کی طرف بڑھ رہا ہے جس کے دوسری طرف جنوب میں رومہ سینہ تانے کھڑا ہے۔ تو شاید وہ آگے بڑھنے میں تامل سے کام لیتے۔

اس سفر کی سب سے عجیب کیفیت یہ تھی کہ ہینی بال یہ دشوار گزار سفر سردیوں سے پہلے پہلے ختم کر لینا چاہتا تھا۔ پافاریں میں قلطیوں نے راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن ہینی بال نے پیسا اونا پڑا۔ یہ قلطیوں کی آبادی تھی۔ ہینی بال راہ مشکلات پر قابو پاتا ہوا ایلپس کے پہاڑستان میں داخل ہو گیا وہ جن علاقوں سے بھی گزرا دولت اور عورت کی بہتات دیکھی۔ ہینی بال نے اپنی فوج کو خراب نہیں ہونے دیا اور یہی کہتا رہا "بہادر! ان معمولی لوگوں کی دولت ضائع کرنے سے فائدہ، رومہ کی تسخیر کے بعد یہ لوگ خود سجود اطاعت قبول کریں گے، اس وقت تم لوگ آزاد اور خود مختار ہو گے اور جی بھر کے عیش کر لینا لیکن ابھی میں تمہیں اجازت نہیں دوں گا۔"

پافاریں کے دشوار گزار درّوں کے ساتھ ہی ایلپس کا سلسلہ راستہ روک کے کھڑا ہو گیا اور فوجوں کے حوصلے پست ہونے لگے۔ اس نے مذبذب اور کم ہمت سپاہیوں کے

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

چہرے پر خوف کا ہلکا سا سایہ محسوس کیا۔

اس نے اپنی پوری فوج کو مخاطب کیا اور کہا۔ "میں نے اپنے بہت سے سپاہیوں کے چہرے پر فکر اور تردد کی سیاہیاں محسوس کی ہیں، کیا تم لوگوں نے یہ ہمالے کر لیا ہے کہ رومادالوں کے سامنے روسیاہ پہنچو، ممکن ہے تمہیں اپنی عزت کا پاس نہ ہو لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا اور میں اپنی فوج کے سیاہ چہرے والوں سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

ایک اسپینی نے سوال کیا۔ "پہلے ہمیں یہ بتاؤ کہ تم ہمیں لے کہاں جا رہے ہو؟"

ہینی بال زور سے ہنسنے لگا، بولا۔ "سمجھا، سمجھا، تو یہ بات ہے۔" پھر سنجیدگی سے سوال کیا۔ "کیا میں نے تمہیں اپنے عزائم سے مطلع نہیں کر دیا تھا، میں رومادالوں کو ایک سبق دینے جا رہا ہوں جسے وہ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔"

"ہمیں یہ تو معلوم ہے۔" ایک اسپینی سردار نے کہا۔ "لیکن اب ہم زیادہ آگے نہیں جا سکتے۔"

ہینی بال نے کہا۔ "تم بزدل ہو، جنگ سے ڈرتے ہو۔"

اسپینی سردار نے جواب دیا۔ "نہیں ایسی کوئی بات نہیں، ہم لڑائی سے بالکل نہیں ڈرتے مگر ہم نامعلوم پہاڑوں میں جانا کبھی پسند نہیں کرتے کیونکہ ہم اس حقیقت سے بھی واقف ہیں کہ ان نامعلوم پہاڑوں میں اجنبی دیوتا مسلط ہیں۔ ہمیں اپنا عزیز ہے، اپنے وطن کے میدان پیارے ہیں، ہم آگے نہیں جانا چاہتے۔"

قلبی کو اپنا بوڑھا یاد آگیا، وہ بھی اسی طرح وطن کی رٹ لگائے رہتا تھا۔ اس دوران اسے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ ہینی بال اپنا لشکر ہاتھیوں سمیت ایلپس سے پار لے جانا چاہتا ہے، اس کے سامنے حدِ نظر تک سفید پوش پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ کوہان در کوہان سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔

ہینی بال نے اپنی سرداروں سے سوال کیا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟"

اسپینی سرداروں نے بیک آواز جواب دیا۔ "اپنے وطن واپس جانا چاہتے ہیں۔"

"بہتر ہے۔" ہینی بال نے اپنی سرداروں کا فیصلہ خندہ پیشانی سے قبول کر لیا۔ اس نے باوقار انداز میں مزید کہا۔ "جو لوگ واپس جانا چاہتے ہیں میں انہیں واپسی کی اجازت دیتا ہوں لیکن جو لوگ میرا ساتھ دینا چاہتے ہیں انہیں آفرین کہتا ہوں اور یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میرا مرنا جینا انہی کے ساتھ ہوگا۔"

ہینی بال کی طرف سے اجازت ملتے ہی سات ہزار اسپینی، فوج سے الگ ہو گئے قلبی کے جی میں آئی کہ وہ بھی اٹھی کے ساتھ ہو لے لیکن یہ اسپینی تھے اور اسپین اس کا وطن نہیں تھا۔

واپس جانے والوں نے دوسرے فوجیوں میں بد دلی اور مایوسی پھیلا دی تھی جب یہ لوگ دریائے رہون کے اس پار پہنچے اور ایلپس کے بلند تر برف پوش سلسلوں پر نظر ڈالی تو ہمت زیادہ گھبرا گئے۔ ہینی بال ان پر گہری نظریں رکھے ہوئے تھا اور وہ انہیں دیوتاؤں کی قابلوں میں رکھنے کا قطعی فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے ان پر مرتیاں حال بد حواس کو اپنے روبرو طلب کیا اور کہا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ بعضوں کے چہرے کی سیاہیاں گہری ہوتی جا رہی ہیں، آخر اس کا کوئی خاص مطلب ہے؟"

کسی سپاہی نے بدقت تمام عرض کیا۔ "میں نے نہایت غور سے آسمان اور پہاڑی سلسلوں کو دیکھا اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہی وہ بلند و بالا پہاڑ ہیں جن کی چوٹیاں نظر نہیں آتیں اور جن کی بابت عقل مندوں نے کہا ہے کہ یہ نیلے آسمان تک بلند ہیں!"

کسی دوسرے سپاہی نے کہا۔ "یقیناً ان بلند و بالا پہاڑوں نے ہمارا راستہ روک لیا ہے اور دوسری آفت یہ ہے کہ یہاں پھسلن بہت زیادہ ہے۔ مرطوب جنگل، ہوا کی وجہ سے کپڑے سکھانا یا بدن گرم رکھنا ناممکن ہے، لوگ کہتے ہیں کہ اس کی بلندیاں دیوتاؤں کے دیس تک چلی گئی ہیں!"

ہینی بال نے بے رخی سے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے، تمہارا خیال درست ہو لیکن میں یہ جانے کے بعد کہ ان پہاڑوں کی بلندیاں دیوتاؤں کے دیس تک چلی گئی ہیں، انہیں پار کرنے کا شرف حاصل کیے بغیر واپس نہ جاؤں گا۔"

اس کے بعد وہ ایک مقامی سردار کو پکڑ لایا اور ان شاکی اور نڈر دلوں کے سامنے کھڑا کر کے بولا۔ جوش میں بولا۔ "معزز دوستو! میں تمہارے روبرو کھڑا ہوں اور اپنے ساتھ ایک ایسے سردار کو بھی لایا ہوں جو ان پہاڑیوں کو کئی بار عبور کر چکا ہے ذرا اس کی بات تو سنو دیکھو یہ کیا کہتا ہے؟"

یہ مسلح سوار صفوں میں سے نکلا اور ہینی بال کی طرف بڑھنے لگا پھر اس کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا، ایک نظر مجمع پر ڈالی اور کہنے لگا۔ "میرے خوف زدہ اور ہراساں دوستو! میں دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اسے میں کئی بار عبور کر چکا ہوں یہاں کوئی دیوتا نہیں رہتا، ہاں راستے البتہ ہیں اور ان راستوں پر کوئی بھی چل سکتا ہے!"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

اس کے بعد ہینی بال مخاطب ہوا: "میں کہتا ہوں، تم لوگ خیالی اندیشوں میں مت پڑو اور حقیقت سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ ایلپس جسے تم یقیناً عبور کرو گے بس یہ ذرا اونچا پہاڑ ہے لیکن تم یقین کرو کہ یہ پہاڑ آسمان نہیں چھوتے، جب تم ان پر سے گزر رہے ہو گے تو یہ دلچسپ منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ ان میں آباد قلیل خاندان کیسی بارہ ماسی کر رہے ہوں گے!"

ادھر ہینی بال ایلپس کو عبور کرنے کی کوشش میں تھا دوسری طرف روما والے اس کی آمد سے خبردار ہو چکے تھے اور ان کا وہ لشکر جو پانچ برس کی وفد کے اعلانِ جنگ کے بعد قرطاجنہ جانے والا تھا روک لیا گیا تھا کیونکہ ہینی بال بلائے آسمانی کی طرح ان کے سروں پر منڈلانے ہی والا تھا۔

* * *

ہینی بال ایلپس میں داخل ہو گیا۔ یہاں جگہ جگہ ندیوں کا جال سا بچھا ہوا تھا اس عظیم لشکر میں قلبی کی حیثیت ایک ننھے جیسی تھی اور اسے صاف نظر آ رہا تھا کہ اب وہ برّ وطن واپس جا سکے گا نہ قرطاجنہ یا اسپین اور اسے یہ یقین بھی نہ تھا کہ وہ روما کی کسی جنگ میں شرکت کر سکے گا لیکن اسے یہ یقین ضرور تھا کہ وہ ایلپس کو عبور کرنا ہوا کہیں بھی کسی کھڈ میں غائب ہو جائے گا۔

ہینی بال نے بہت سارے آدمیوں کو برف توڑنے اور کھڈوں کو قابلِ عبور بنانے کے لیے بڑے بڑے شہیروں سے پاٹنے کے کام پر مامور کیا۔ یہ ایک کھڈ پاٹتے تو دوسرا سامنے آ جاتا۔ اسی طرح چٹانیں بھی حائل ہو رہی تھیں، ایک کے بعد ایک۔ یہ انہیں نہایت مشکوں سے عبور کرتا بڑھا چلا جا رہا تھا۔ اس کا ہر قدم ایلپس کی رکاوٹوں روک رہی تھیں پھر بھی نہایت احتیاط سے آگے بڑھتے اور جب ایک بار اپنا توازن کھو بیٹھتے تو دوبارہ وہ کہیں نظر نہ آتے کسی کھڈ میں ہمیشہ کے لئے غائب ہو جاتے۔ گرتے ہوئے ہاتھی کی چنگھاڑ سے پہاڑی چٹانیں گونج اٹھتیں اور سپاہ کے دلوں میں زلزلہ سا آ جاتا۔ بار بردار گاڑیاں بھی حرکت میں تھیں یہ لوگ ایلپس کی بلندی پر جا رہے تھے۔ سپاہ ادھر ادھر منتشر ہو چکی تھی اور مختلف سمتوں سے اوپر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی عالم میں انہیں طوفانِ باد و باراں کا مقابلہ کرنا پڑا اور کتنے ہی علاقے راستے کی صعوبتوں کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے ایلپس کی گہرائیوں میں ہمیشہ کے لئے مدفون ہو گئے۔

اس پُر صعوبت سفر کے نویں دن ہینی بال پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا اور وہاں اپنے ان

ساتھیوں کا انتظار کرنے لگا جو دوسرے راستوں سے اوپر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہیں وہ دو دن مقیم رہا۔ اس عرصے میں دوسرے لوگ بھی وہاں پہنچ گئے۔ برف اور طوفانِ باد و باراں نے ہتھیوں کو ہمارا دل دیا اور ان میں سے اکثر اوپر پہنچتے پہنچتے مر گئے۔ سپاہیوں میں سخت بد دلی پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں انہیں کھانے پینے کی دشواریاں بھی پیش آئیں، جس پہاڑی سطح پر وہ پہنچ چکے تھے اس کے دونوں طرف ایلپس کے سفید حصار کھڑے حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ سپاہیوں میں اب مزید چلنے کا یارا نہ رہا تھا۔ ان کے بدن اکڑ چکے تھے اور بھوک نے انہیں نڈھال کر دیا تھا زندگی کی طرف سے مایوسی نے سپاہ میں سرکشی اور سستی پیدا کر دی تھی۔ ہینی بال کے لیے یہ وقت بہت بُرا تھا۔ اس نے اپنے تیم مُردہ ساتھیوں کو ہاتھ کے اشارے سے حکم دیا کہ تھوڑی دیر ان کے ساتھ چلنے کی زحمت گوارا کریں۔ اس بار اس نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ وہ اپنے ساتھ ہاتھی والوں کو لے کر آگے بڑھے جو سرداروں میں حوصلہ اور برداشت زیادہ پایا جاتا ہے۔

یہ صبح کا وقت تھا۔ اس نے پہاڑ کی بلندی سے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ادھر دیکھو مشرق میں وہاں تمہیں کچھ دکھائی دے رہا ہے؟"

سرداروں نے دور نیچے کی طرف دیکھا وہاں دھندلے جنگل اور کھیت دکھائی دے رہے تھے۔

ہینی بال نے کہا۔ "یہ روما کے کھیت ہیں۔" اس کے بعد اس نے اپنا سیاہ چغہ کندھے سے ہٹا دیا۔ اس کے پٹکے ہی تلوار کا مرصع قبضہ صاف نظر آنے لگا۔ اس نے اک شانِ بے نیازی کے کہا۔ "یہ روما کے میدان ہیں، اور یہ پہاڑ جہاں ہم اس وقت کھڑے ہیں روما کی فصیلیں ہیں ہمارے دشمن کی فصیلوں پر قابض ہو چکے ہیں، اب نیچے آبادیوں میں حسین عورتیں اور دولت ہماری منتظر ہیں اور انہیں ہم اسی وقت حاصل کر سکتے ہیں جب ان فصیلوں سے نیچے اتر جائیں گے۔"

سرداروں کے مُردہ چہروں پر رونق آ گئی۔ عورت، دولت اور شہرت ایلپس کے نیچے دنیا کی ساری نعمتیں ان کی منتظر تھیں۔

ہینی بال نے ان سرداروں کو حکم دیا۔ "جاؤ اور اپنے اپنے سپاہیوں کو بھی خوش خبری سنا دو کیونکہ اس خوش خبری کے بغیر ان کے مُردہ چہروں پر رونق نہیں آ سکتے گی۔"

ہینی بال کا یہ پیغام ایک ایک سپاہی تک پہنچ گیا یہاں تک کہ بار بردار اور پہرے دار تک اس خوش خبری سے آشنا ہو چکے تھے۔ راستے کی صعوبتیں اٹھاتے، بھوک پیاس سے نڈھال اور اپنے وطن سے کئی سو میل دور ہر سپاہی خوشی سے ایک دوسرے کو یہ بتاتا تھا کہ "دو ستو اچھا کوڑا نہ گیا۔ اس وقت ہم روما کی فصیل پر قابض نیچے اترنے کے منتظر ہیں ہمارے نیچے روما کے

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

شہر ہیں جہاں گوشت، شراب، عورت، دولت، شہرت اور آگ کے الاؤ ہیں، وہاں سونے چاندی کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور وہاں کی مہذب عورتیں! کہتے ہیں، کہیں ساقی گری آتی ہے۔"

طوفان باد و باراں راستے کی صعوبتیں اور بھوک پیاس کی سختیاں جھیلتی ہوئی فوج تم دم ہو گئی اس میں زندگی کی حرارت دوڑ گئی۔

* * *

دو دن قیام کرنے کے بعد تیسرے دن پہاڑوں سے نیچے اترنے کے لیے فوج کمر میں آ گئی۔ آثار چڑھائی سے زیادہ دشوار ثابت ہوا، پہاڑی راستے جگہ جگہ جمی ہوئی برف کے نیچے چھپ گئے تھے۔ برف کی تہوں میں جمی ہوئی پہاڑوں میں حویلیوں کے لیے چارہ ملنا مشکل تھا، اس لیے بھوکے جانور اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ ہر قدم پر لڑکھڑا کر گر جاتے، کہیں کہیں برف کی پتلی تہہ ان حویلیوں کا بوجھ نہ سہار سکتی اور ٹوٹ جاتی تو جانوروں کے پیر ٹوٹ جاتے۔ برف میں دھنس جاتے اور جانور اس میں پھنس کر اچھا خاصا تماشا بن جاتے اور ہینی بال کے سپاہی ان دلچسپ مناظر سے خوش ہونے کے بجائے خوف زدہ اور پریشان ہو جاتے۔ ہینی بال کے فوجی مورخوں کو یہ تشویش تھی کہ اگر پہاڑوں کے نیچے اترتے ہی ان پر وحشی قبائلیوں نے حملہ کر دیا تو ان کا مقابلہ کس طرح کیا جائے گا لیکن ہینی بال کا چہرہ فکر و تشویش کے تاثرات سے بالکل عاری تھا۔

لشکریوں کی بڑی تعداد برف کے تودے توڑ توڑ کر راستے بنانے میں مصروف تھی، چلتے چلتے یکایک یہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں برف کی تہہ میں چھپا ہوا راستہ ایک دم ختم ہو جاتا تھا اور سامنے ایک بہت بڑی چٹان ان کا راستہ روکے کھڑی تھی، چٹان کے نیچے، دور میں سرسبز و شاداب جنگل یوں کھڑا تھا۔ جیسے بھوکوں کے سامنے ناقابل دسترس حد میں لذیذ اور خوش ذائقہ کھانوں کے خوان، پورا لشکر اس چٹان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ہینی بال کے حکم سے چند سپاہی توڑنے والے کدالیں لے کر آگے بڑھے، مشکل الاؤ جلایا گیا اور چٹان کی دراڑوں میں برس کے مرتبان انڈیل دیے گئے، آگ اور برس کے امتزاج نے چٹان کو کسی حد تک نرم کر دیا، اس کے بعد ان پر کدالوں کی بارش ہونے لگی، کدالوں کی پے در پے شدید ضربات نے چٹان کو توڑ ڈالا، اتنا راستہ نکل آیا کہ یہ لشکر وادی میں نظر آنے والے جنگل میں داخل ہو گیا۔ کہتے ہیں اوپر سے نیچے آنے میں ہینی بال کے پندرہ دن ضائع ہوئے تھے اور ہزاروں آدمیوں اور جانوروں نے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو لیا تھا۔

نیچے اطالیہ کی پہلی بستی کے لوگ ہینی بال کی سیاہ کو پہاڑ کی چوٹی سے اترتے دیکھ

ان کے لیے ہینی بال کی سپاہ کی جد و جہد بڑی پر لطف اور مزے دار تھی اور اس جد و جہد کو وہ بڑے شوق سے دیکھ رہے تھے جیسے تھیٹر کو تماشائی دیکھتے ہیں لیکن جیسے جیسے یہ لوگ نیچے سے مقامی لوگوں کو ہوش آتا گیا، انہوں نے ہینی بال کے دو آدمیوں کو نڈھال اور بے حال دیکھا اسی طرح ان کے حویلیوں کو لنگڑا لنگڑا کر چلتے دیکھا تھا۔ ان کے پاؤں سوجے ہوئے تھے۔ حویلیوں کی پشت پر لوسیدہ کپڑے پڑے تھے۔ مقامی لوگ تیزی سے اپنے گھروں میں داخل ہوتے ہتھیاروں سے لیس ہو کر ہینی بال کے مقابلے پر آ گئے، انہیں قرطاجنی سپہ سالار کے ارادوں میں کوئی کھوٹ محسوس ہوئی تھی ان کا خیال تھا کہ اگر اس تھکے ماندے پریشان حال لشکر پر دم بلا بول دیا جائے گا۔ تو بڑی جلدی قابو میں آ جائیں گے انہوں نے ان تازہ دم پر حملہ کر دیا۔ تھکی ماندی قرطاجنی سپاہ جان پر کھیل کر یہاں تک پہنچی تھی اسے کھانا درکار تھا۔ آگ جلانے اور مرچھپانے کے لیے ٹھکانوں کی تلاش تھی، انہوں نے ہلا بولنے والوں کو بلائے بے درماں کی طرح گھیر لیا اور انہوں کو قتل اور گرفتار کر لیا، کچھ گھروں سے فرار ہو گئے اور جب جنگ کا مطلع صاف ہو گیا تو مقامی لوگوں کی پوری بستی ویران اور سنسان پڑی تھی، ہینی بال نے ان خالی مکانوں میں اپنی سپاہ کو قیام کر جانے کا حکم دیا اور کہا۔ "ہم کچھ دن یہیں ستائیں گے اور ساز و سامان درست کریں گے، یہاں سے اپنے وحشی بندھان ہیں، ان کی توانائی بحال کریں گے۔ اس کے بعد آگے کا ارادہ کریں گے، یہاں سے اپنے رسدوں کا بھی انتظار کرنا تھا جو اب تک نہیں پہنچے تھے اور انہوں نے راہ میں اس کی رفاقت اور حفاظت اختیار کی تھی لیکن کافی انتظار کرنے کے بعد بھی جب یہ لوگ وہاں نہیں پہنچے تو ہینی بال کے ساتھی دوسرے فوجی افسروں کو بھی یہ یقین ہو گیا کہ ان حلیفوں نے انہیں دھوکا دیا ہے اور اب وہ شاید کبھی بھی نہ آئیں گے۔

ہینی بال کے عمر رسیدہ اور تجربہ کار سپہ سالار پرٹ اور مہر بال اس فکر میں پھنسے ہوئے تھے کہ گران کے حلیف واقعی نہ آئے تو ان چھبیس ہزار سپاہیوں سے وہ کس طرح فتح کیا جائے گا۔ اس ہزار میں سے اب صرف چھبیس ہزار سپاہی بچے تھے۔ ان دونوں سپہ سالاروں نے یہ بھی سوچا تھا کہ مقابلہ میں چھبیس ہزار سپاہ سے ہی کنارہ کر جائے تو پھر اس جنگ کو سرے دست ملتوی کر دینا چاہیے اور ہمیں واپس چلا جانا چاہیے، پرٹ اور مہر بال سپاہیوں کے درمیان بیٹھے مستقبل کے لائحہ عمل پر غور کر رہے تھے، ان کے ہم خیالوں میں قلبی بھی شامل تھا۔ اس نے کہا۔ "اہل قرطاجنہ نے جن فاقہ کشوں سے ڈر کر کوہ پار کرنا شروع کر دیا تھا اور پھر مارو بانا اور کورسیکا سے بھی بے دخل ہو گئے تھے۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ کیا ہم اپنے اس طاقت ور دشمن کو اپنی تھکی ماندی چھبیس ہزار فوج سے شکست دے دیں گے؟"

عمر رسیدہ سپہ سالار مہر بال نے بھی قلبی کی اس رائے سے کسی حد تک اتفاق کیا۔ بولا۔

Scanned and Uploaded By Mynamad.Net

پنار مسی نوجوان! تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میرا جنگی میدانوں کا وسیع تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اب حالات ذرا بدل گئے ہیں اور ہم معقول تعدادی فوج سے رومہ والوں کو شکست دے سکتے ہیں لیکن اتنی تعداد اور تھکی ہوئی فوج سے یہ کارنامہ نہیں انجام دیا جا سکتا۔"

ہینی بال کے بڑے بڑے کان اپنی سپاہ کے ایک ایک آدمی کی باتیں ہی نہیں ان کے دل کی دھڑکنیں تک سن رہے تھے۔ وہ مہر بال کی چوپال میں ہونے والی باتیں نہایت غور سے سنتا رہا۔ پھر اچانک اندر داخل ہو گیا اور قلبی کوفت محسوس کرتا ہوا بولا۔ "او پنار مسی نوجوان! کہیں تو ہماری جنگی سازش اور فراق کے خرچ تو نہیں بول رہا، تجھے یہاں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں، ہم روما کا قہر بن کے ٹوٹے ہیں اور تو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ روما والوں سے وہ سارا حساب کیا جائے گا جواب تک اہل قرطاجنہ ان سے لے نہیں سکے ہیں، کوہ ایلپس، سارڈینیا اور کورسیکا خالی کر دینے کی ذلت کا حساب میں اہل روما کو ان کی اپنی زمین میں غلام بنانے آیا ہوں۔"

پھر وہ بوڑھے مہر بال سے مخاطب ہوا۔ "تم میرے باپ کے زمانے سے سپہ سالاری کرتے چلے آ رہے ہو، اگر میری جگہ اس فوج کے تم سپہ سالار ہوتے تو ان حالات میں کون سا قدم اٹھاتے؟"

جرأت مند مہر بال نے جواب دیا۔ "ہینی بال! تم ابھی نوجوان ہو اور تمہیں وہ تجربہ حاصل نہیں جو میرے برف کے گالوں میں چھپا ہوا دماغ رکھتا ہے، تم جو کچھ کر رہے ہو اس میں نوجوانی کا جوش اور غیر مال اندیشی کارفرما ہیں۔ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو یقیناً روما میں داخلے کے لئے یہ شاہ کس راستہ اختیار کرتا اور اگر غلطی سے یہ راہ اختیار بھی کر لیتا تو یہاں سے۔ یہاں اس وقت ہم سب تمہارے ہوتے ہیں چپ چاپ واپس چلا جاتا کیونکہ طاقت صادر چاق و چوبند دشمن کے ہاتھوں ہزار مخواہ قتل ہو جانے سے یہ بہتر ہے کہ اپنی سپاہ کو بخیر و عافیت یہاں سے واپس لے جائے۔"

* * *

ہینی بال نہایت توجہ سے مہر بال کی باتیں سنتا رہا، پھر زور سے ہنس دیا۔ بولا۔ "میرے جوانی کا جوش اور غیر مال اندیشی کہہ رہے ہوں اس میں میرا اندر برکار ڈرا ہے، روما والے ان تمام کا شان دار اور ناقابل تسخیر دفاع کر سکتے ہیں، جدھر سے ان کا کوئی بھی دشمن وارد ہو سکتا ہے یہ راستہ جسے ہم بارقت عبور کر کے روما میں داخل ہو گئے ہیں، یوں ہی خالی پڑا تھا۔ اور روما والے یقین کیے بیٹھے ہیں کہ ان ناقابل گزر راستوں سے۔ برف باری کے زمانے میں کم از کم کوئی انسان نہیں گزر سکتا نہ کہ دشمن کی سپاہ، میں ان کی اسی غفلت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں، روما سے جو فوجیں اہل روما کے عمائدین اور سپاہ کو یہ معلوم ہو گا کہ میں کوہ ایلپس کی چوٹیوں سے اپنی فوج لے کر

ٹوٹ پڑا ہوں تو ان پر اس خبر کا ملا جلا نفسیاتی اثر پڑے گا آدھی جنگ تو اس نفسیاتی اثر ہی سے جیت لی جائے گی۔"

مہر بال نے سرکشی سے جواب دیا۔ "یہ خیالی باتیں ہیں، ان پر اس وقت تک یقین نہیں کر سکتا جب تک اس کے نتائج خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں!" پھر ٹھنڈی سانس بھر کے کہا۔ "اور جب تو نتائج دیکھنا شاید ہماری قسمت میں نہیں لکھا گیا۔"

ہینی بال نے سنجیدگی سے کہا۔ "بہر حال اور کوئی بات یقینی ہو یا نہ ہو لیکن ایک بات حرف یقین ہے اور وہ یہ کہ ہم یہاں سے واپس نہیں جائیں گے۔"

اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ جو لوگ اس سے جنگ کرتے ہوئے پکڑے گئے ہیں انہیں ایک میدان میں کھڑا کیا جائے جب یہ نیزہ بردار اور رسیوں میں جکڑے ہوئے قیدی میدان میں کھڑے کیے گئے تو اس نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ وہ بھی یہیں جمع ہو جائے کیونکہ ایک دلچسپ کھیل دکھایا جائے گا۔

قرطاجنی سپاہ بھی وہیں پہنچ گئی۔

ہینی بال ان قیدیوں کی قطاروں کے سامنے سے گزرتا چلا گیا پھر واپس آ کے ان کی صف کے درمیان کھڑا ہو گیا اور بآواز بلند اعلان کیا۔ "تم میں جو بھی آزادی کا خواہاں ہو اپنی صف سے باہر آ جائے!"

سبھی آزادی کے خواہاں تھے۔ ہینی بال مسکرایا کہنے لگا۔ "آزادی یوں ہی نہیں مل جایا کرتی اس کی حصولیابی کا ایک واحد طریقہ ہے اور وہ یہ کہ طاقت سے حاصل کی جائے۔ ہتھیاروں کی مدد اور شجاعت کے اظہار سے!"

ہینی بال کہنا کیا چاہتا ہے سبھی یہ جاننے کے لیے بے چین تھے۔ ہینی بال نے قیدیوں کی صف سے دو آدمی نکال لیے، بولا۔

"کیا تم اس پر تیار ہو کہ دونوں اپنی مرضی اور پسند کے ہتھیاروں سے ایک دوسرے کا مقابلہ کرو۔ آزادی صرف اس کا حصہ ہو گی جو اپنے مقابل کو شکست دے کر قتل کرے گا۔ آزادی اور ہتھیار اسی فاتح کا حق ہوں گے!"

دونوں نیزہ بکف مقابلے پر آمادہ ہو گئے۔ انہیں نیزہ و خنجر سے آراستہ کیا گیا اور انہیں ان کی پسند کے ہتھیار دے دیے گئے۔ پھر ہینی بال کے ایک اشارے پر دونوں آزادی کی خوف ناک جنگ لڑنے لگے۔ ان دونوں کو یہ احساس بھی تھا کہ اپنوں اور غیروں کی نظریں اندر جمی ہوئی ہیں دونوں نے بے مثال شجاعت اور بے جگری سے مقابلہ کیا اور ایک طویل مقابلے کے بعد ایک نیزہ بھک سے نیم کھا کے گر گیا اور دوسرا فاتح خوشی سے دیوانہ سا ہو گیا ہینی بال کی سپاہ اور قیدیوں نے نعرے

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

والے ہیں بھی ایک خاص اداد یکھی وہ اس شاندار مقابلے میں شرمندگی سے بچنے کے لئے تمکنت اور خودداری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

ہینی بال نے اپنی سپاہ کو مخاطب کیا۔ "اس لچپ تمثیل میں تمہاری قسمتوں کا فیصلہ موجود ہے۔ اہل روما کے مقابلے میں فتح کی شادمانی اور انعام واکرام کا خود کو مستحق ثابت کر دیا پھر اس کی طرح بہادرانہ موت مرجاؤ، تیسرا کوئی راستہ نہیں!"

* * *

ہینی بال کے شمالی روما میں مقابلے شروع ہو گئے۔ ہینی بال کی سپاہ نے اس کی تمثیل کو گرہ میں باندھ لیا تھا۔ انہوں نے ہر محاذ اور ہر معرکے میں بے مثل شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ اہل روما پر ہینی بال ہوا بن کر نازل ہوا تھا۔ ہینی بال کا انداز فکر بالکل درست نکلا۔ سرولیوں میں ایلپس کے دشوار گزار سلسلوں کو عبور کر کے روما پر حملہ آور ہونا ایک بڑا اور ناقابل فہم کارنامہ تھا' اہل روما کے ہوش اڑ گئے۔ ہینی بال نے اپنی فوج کی کمی کو یوں پورا کیا کہ مفتوحہ علاقوں کے نوجوانوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر لیا۔ ہینی بال شمال سے جنوب کی طرف بڑھا اور سیکرا ڈریا ٹک کے ساحلی شہر کناے تک پہنچ گیا اور یہی وہ شہر تھا جس کا اہل روما نے بھرپور دفاع کیا تھا۔

شروع شروع میں قلبی کا یہ خیال تھا کہ روما کے لوگ ہینی بال کو شکست دے دیں گے لیکن نتائج برعکس نکل رہے تھے، وہ خود جنگ و جدل کا خوگر نہ تھا۔ اس نے میدان جنگ کی ہولناکیاں جو دیکھیں تو دل دہل گیا۔ یہ ایلپس کی دشوار گزار راہوں سے زیادہ پرخطر راہ تھی، اس کی ذاتی عصبیت یہاں بھی جاگ اٹھی۔ اس کے لئے یہ منظر انتہائی اذیت ناک ہوتا تھا کہ قرطاجنہ کے لوگ روما کو اپنے ہتھیاروں سے ہلاک کر کے گھوڑوں سے روند ڈالیں' اسے ان نوجوانوں پر بھی غصہ آتا تھا جو دولت کی طمع میں ہینی بال کی فوج میں شامل ہو گئے تھے اور خود اپنے ہی ہم وطنوں کو ہلاک کر رہے تھے۔

کناے میں ہینی بال رک گیا کیونکہ یہاں رومیوں نے ان غیر ملکیوں کو خاک و خون میں ملا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

سیکرا ڈریا ٹک سے تین میل دور ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر ہینی بال نے اپنی سپاہ کا جائزہ لیا۔ افریقہ کے بے لگام سوار نوری مہر بال کی قیادت میں تھے اور انہوں نے اپنے ہاتھوں میں بھالے پکڑ رکھے تھے۔

ہینی بال کے سامنے اس کی فوج کے مقابل میلوں میں پھیلے ہوئے رومی تھے، جو اپنے بہترین ساز و سامان، تعداد اور باضابطگی اور ترتیب سے ہینی بال کی سپاہ کو متاثر کر رہے تھے۔ ہینی

بال اپنی سپاہ کی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ اس نے ان کا دل بڑھانے کے لئے ہنسی مذاق شروع کر دیا۔ اس نے اس جنگ میں جو تدبیر اختیار کی تھی اس کی کامیابی پر وہ کامل یقین رکھتا تھا۔ اس نے اپنے ٹیلے سے رومی سپاہ کا جائزہ لیا اور اپنے لشکر کی ترتیب اس طرح قائم کی کہ اس کا قلب بالکل کمزور رہ گیا۔

اعلان جنگ ہوا اور دونوں فوجیں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔ نوکدار نیزوں کی سانگیں سورج کی روشنی میں چمکیں اور رومی سپاہ کے سینوں میں پیوست ہونے لگیں۔ رومی بہادر تھے آسانی سے ہینی بال کے کمزور قلب میں داخل ہو گئے۔ ہینی بال کا قلب خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹتا چلا گیا، ہینی بال نہایت اطمینان سے یہ تماشا دیکھتا رہا۔ اس کے دائیں بائیں بازو قوس کے اردو کے سرے آٹھ (۸) کی شکل میں ایک طرف سے گھومتے اور دوسری طرف سے پھیلنا شروع کر دیا۔ ہینی بال کا کمزور قلب (۸) کے نقطۂ اتصال سے نکل کر رومی افواج کی پشت پر آ گیا اور اس کی واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ ہینی بال نے سوچی سمجھی تدبیر کے مطابق اپنے دائیں بائیں بازو قرطاجنہ کے سپاہیوں پر حکم دیا کہ درمیان میں گھر جانے والے رومیوں کو نیزوں کی طرح اپنے قابو میں لے کر بیس میل اس پر طرف یہ حرف عمل ہوا اور آن کی آن میں تقریباً ستر ہزار رومی موت کے گھاٹ اتر گئے جبکہ اس جنگ میں اسی ہزار رومیوں نے حصہ لیا تھا۔ ہینی بال کا یہ ایک عجیب فوجی پھندا تھا اور کسی تاریخ جنگ کی اس سے بہتر مثال ملنا مشکل ہے۔ جو رومی زندہ بچ گئے تھے، وہ ادھر ادھر راہ کی تلاش میں بھٹکتے پھر رہے تھے اور ہینی بال کی سپاہ انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل یا گرفتار کرتی پھر رہی تھی، ہینی بال نے اپنے گھوڑے پر بیٹھا میدان جنگ میں گشت لگایا اور اپنے فوجیوں کے نعرہ ہائے تحسین کا مسکراہٹوں اور ہاتھ کے اشاروں میں جواب دیتا ہوا اپنے خیمے میں داخل ہوا۔

فاتح سپاہیوں کی ہینی بال کی طرف سے ایک شاندار دعوت کی گئی۔ قلبی کا دل رومیوں کی شکست پر خون کے آنسو رو رہا تھا۔ جب ہینی بال کے حکم سے رومی جنرل کی لاش میدان جنگ سے ڈھونڈ کر لائی گئی تو قلبی نے اس کے سرہانے کھڑے ہو کر آنسو بہاتے اس جنگ میں وہ ہزاروں نام شریک ہوا تھا۔ ہینی بال نے مقتول رومی جنرل کی لاش پر کھڑے ہو کر کہا۔ "میں نے بچپن میں اپنی بہن کے رو برو اپنے باپ جنرل کر ہرتہ کی ہدایت پر یہ قسم کھائی تھی کہ تا رومیوں کا دوست نہیں ہوں گا آج کناے کے معرکے میں، میں نے اپنا عہد پورا کر دیا ہے!" پھر قلبی سے کہا۔ "اس رومی جنرل کے سرہانے کھڑا تو کیا کر رہا تھا؟"

قلبی نے جواب دیا۔ "روما کی عظمت پر ماتم کر رہا تھا۔ اگر میرا یہ عمل تمہاری نظر میں مجرمانہ ہے تو میں اس کی سزا کے لئے تیار ہوں جو تمہاری طرف سے دی جائے گی!"

Digitized & Uploaded By Mynammad Nadeem

ہینی بال نے پُروقار لہجے میں کہا: "تجھے رومیوں سے محبت ہے؟ حالانکہ تو نے قرطاجنہ کا نمک کھایا ہے اور تجھے ہم سب کا شکر گزار اور احسان مند ہونا چاہیئے!"

فلبی نے اپنی داستانِ حیات مختصراً سنا کے جواب دیا۔ "میں ایک سچا انسان ہوں اور اپنے دلی جذبات چھپانے پر قدرت نہیں رکھتا۔ ہینی بال! تم اپنے دیوتاؤں کی قسم کھا کے مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میری جگہ تم ہوتے تو اہلِ قرطاجنہ سے کیا سلوک کرتے اور ان کی بابت تم کیا سوچتے؟"

ہینی بال بات کو ٹال گیا۔ بولا۔ "اہلِ روما نے بھی ہم پر کچھ کم ظلم نہیں کیے!"

فلبی نے کہا: "اہلِ سرقہ کے بیٹے! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تم اس عہد کے بہت بڑے انسان ہو اور دیوتاؤں نے تمہیں بہت سے اوصاف سے نوازا ہے اس بڑائی کا یہ تقاضا ہے کہ میرے معاملے میں انصاف سے کام لو اور سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ ہی کہو۔ کیا تمہاری قوم نے مجھ پر ظلم نہیں کیے؟ کیا بیرسا کے بڑوں نے میرے معاملے میں ناانصافی سے کام نہیں لیا؟"

ہینی بال ہنس دیا۔ "میری فوج میں بہت سی قومیں جمع ہو گئی ہیں اور میں ان سب سے محبت کرتا ہوں لیکن میں اپنی قومی عصبیت کو اپنی ذات سے جدا نہیں کر سکتا اور میں اہلِ قرطاجنہ کو ان سب پر فوقیت دیتا ہوں، قرطاجنی ان سب پر فوقیت رکھتے ہیں، میں اس عہد کا بہت بڑا انسان، قرطاجنی ہوں۔"

فلبی تھوڑی دیر خاموش رہا۔ ہینی بال نے طنزاً پوچھا۔ "کیا تو قرطاجنہ جانا چاہتا ہے؟"

فلبی محاربات روما سے اکتایا ہوا تھا پوچھا۔ "اگر میں ہاں کہوں تو کیا مجھے قرطاجنہ واپس بھیج دیا جائے گا؟"

"بالکل!" ہینی بال نے جواب دیا۔ "کنائے کی فتح کی خوش خبری اور رومی امرا کی مہر لے کر میرا چھوٹا بھائی ماگو کل قرطاجنہ روانہ ہو جائے گا اگر تو جانا چاہے تو میں تجھے بھی بھیج دوں گا۔" پھر اس کی ہنسی اڑاتا ہوا بولا۔ "کیونکہ میں نے خوب اچھی طرح یہ سمجھ لیا ہے کہ تو بیگھور کا آدمی ہے جہاں پہلے تیری ماں تجھے پہلو میں لٹاتے لوریاں سنایا کرتی تھی اور اب جب کہ تو جوان ہو چکا ہے تو تجھے ماں کی جگہ ایک خوبرو عورت کی ضرورت محسوس ہوتی رہتی ہے اور یہ عورت بھی تھریا دیوی فرض انجام دے گی۔ یعنی تیرے پہلو میں لیٹ کر مشق و محبت کی لوریاں دیا کرے گی!"

فلبی کو ہینی بال کے طنز پر غصہ بھی آیا اور شرمندگی بھی ہوئی لیکن ہینی بال نے

پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اب بھی کچھ کہہ رہا تھا۔ "میں قرطاجنہ کے بڑوں کو ایک خط لکھوں گا اور اس میں تیری سفارش کروں گا کہ جس لڑکی سے تو محبت کرتا ہے وہ تیرے حوالے کر دی جائے۔ میرے بڑے لوگ کم از کم میری یہ حقیر سی درخواست رد نہیں کریں گے!"

ہینی بال کی تلخ اور طنزیہ گفتگو سے خاصا پریشان کن رہی، وہ اس مسئلے پر دیر تک سوچتا رہا اور عجیب و غریب منصوبے بناتا رہا۔

دوسرے دن ایک بحری جہاز ہینی بال کے سب سے چھوٹے بھائی ماگو کی نگرانی میں قرطاجنہ روانہ ہو گیا۔

* * *

بیرسا کی مقدس چوٹی پر سرخ پردوں والے ایوان میں قرطاجنی مجلس کے ارکان سرخ کرسیوں پر بیٹھے۔ ماگو نے ہینی بال کی فتح مندیوں کی داستان سنائی اور ثبوت میں ارکانِ مجلس کے سامنے وہ ٹوکرا الٹ دیا جس میں رومی امرا کی چھ ہزار انگوٹھیاں رکھی تھیں، مجلس کے حاسد ارکان نے اس خوش خبری کو جوش و خروش سے نہیں سنا۔ انہوں نے ماگو سے کہا: "تمہارے بھائی اگر ہینی بال نے اتنی ہی کامیابیاں حاصل کر لی ہیں تو وہاں اب کیا کر رہا ہے اور ہم سے کیا چاہتا ہے؟"

ماگو نے دل شکستہ لہجے میں کہا: "میرے بھائی کو چار ہزار توڑے سونا، چالیس ہاتھی اور کچھ اور چاندی درکار ہے تاکہ وہ اپنا ادھورا کام تکمیل کو پہنچا سکے!"

مجلس نے بے دلی سے یہ درخواست منظور کر لی۔

اس کے بعد ماگو نے مجلس کے سامنے ہینی بال کا وہ سفارشی خط پیش کرنا چاہا جس کا فلبی سے تعلق تھا۔ لیکن فلبی نے کچھ سوچ کر ماگو سے وہ خط لے لیا اور کہا۔ "ماگو! ابھی اس سفارش کا وقت نہیں ہے، قرطاجنی ایک بڑی جنگ میں الجھے ہوئے ہیں تم ہینی بال کی مطلوبہ امداد لے کر واپس جاؤ۔ فی الحال مجھے میرے حال پر چھوڑ دو!"

فلبی کی واپسی کو زیفو کے ماں باپ نے خوش دلی سے نہیں قبول کیا لیکن زیفو بہت خوش تھی لیکن اس خوشی کا اس نے اظہار نہیں کیا۔ ان میں سے فلبی کے علاوہ کسی کو بھی اس سفارشی خط کا علم نہیں تھا جو ہینی بال نے بیرسا کی مجلس کے نام لکھا تھا۔

فلبی اس جگہ پہنچا جہاں پنارسی بوڑھے کی ہڈیاں دفن تھیں، وہ کچھ دیر اس ویران قبر پر کھڑا رہا دیا سا کچھ دیکھتا رہا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے بوڑھے کی روح اسے یاد دلا رہی ہے کہ "آبا و اجداد کی زمین کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے، خبردار خبردار تو نے ان فلیقوں کی زمین کو اپنا وطن بنایا!" اسے یہ بھی محسوس ہوا کہ پنارسی اس پر لعن طعن کر رہا ہے کہ "تو ہینی بال کی فوج میں

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

شامل اہلِ ردما کا خون بہانے میں ان کا معاون یا ضامن شمار نہ کیا جائے۔"

فلپی برداشت نہ کر سکا۔ اس نے بوڑھے کی ہڈیوں سے کہا: "اے میرے ہم وطن پناہ دینے والے بزرگ! کچھ تم نے سنا قرطاجنہ کے ہل کر برقہ کا بیٹا ہینی بال ایک بہت بڑا فاتح بن کر اُبھر رہا ہے اس نے ردما کو اتنا ذلیل کر دیا ہے کہ کسی اور عہد میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ لیکن اپنے اس بڑے آدمی کا قرطاجنہ کے بڑوں کی مجلس نے اس طرح احترام کیا ہے کہ وہ اس کے کارناموں کو حسد اور شک و شبے سے منفی ہے۔"

پھر وہاں سے واپس ہوتے ہوئے اس نے بوڑھے کی ہڈیوں کو آخری بار سلام کیا اور کہا۔ "میرے بزرگ! مجھے ہمت بخشو کہ میں اپنے فیصلے پر عمل کر سکوں اور نہ کبھی بھر اس پر نادم رہوں۔"

یہاں سے وہ زیفو کے پاس پہنچا۔ یہ دونوں ابھی تک ایک دوسرے سے دور دور اور کٹے کٹے سے بیٹھے تھے۔ اس نے نہایت افسوس سے زیفو کو مخاطب کیا، بولا۔ "زیفو! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے وطن پناموس واپس چلا جاؤں۔"

زیفو کی زبان سے بے ارادی طور پر نکل گیا۔ "کیا تم نے میرے باپ سے اس کی اجازت لے لی ہے؟"

"نہیں!" فلپی نے جواب دیا۔ "کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ میرے اس ارادے میں مزاحم نہیں ہوں گے۔"

زیفو جو کچھ کہہ رہی تھی اس میں اس کے سوا کوئی خواہش نہ تھی کہ وہ کسی بھی بہانے اسے روک لے وہ خود یہ درخواست نہیں کرنا چاہتی تھی، اس نے کہا۔ "تمہیں میرے باپ نے خریدا تھا نہ میرے باپ کی ملکیت ہو اس لیے اپنے جانے نہ جانے کے بارے میں تم خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اس میں میرے باپ کی اجازت ضروری ہے۔"

فلپی، زیفو سے اس قسم کی گفتگو کی امید نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی رہی سہی امید بھی ٹوٹ گئی، سوکھاری سے جواب دیا۔ "تمہارے والد میرے اس فیصلے میں اس لیے مزاحم نہیں ہوں گے کہ وہ خود بھی یہی چاہتے ہیں لیکن اگر تم بھی جانتی ہو تو میں تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر دوں گا۔"

اس کے بعد فلپی نے زیفو سے باپ کے سامنے ایفا مدعا رکھا۔ اس نے نہایت خوشی سے اسے وطن چلے جانے کی اجازت دے دی۔

فلپی زیفو سے سرسری ملاقات کر کے قرطاجنہ کی بندرگاہ میں داخل ہوا۔ اس وقت اس کے تصور میں پناموس کی زمین تھی، جہاں اس کے بزرگوں کا قبرستان تھا۔ عزیز رشتے دار تھے جن کے آب و گل سے اس نے جنم لیا تھا۔

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

وہ ایک تجارتی جہاز میں بیٹھ کر ہندوستان روانہ ہو گیا اور ہینی بال کا سفارشی خط اگس نے
ایک واقف کے ذریعے زیفو کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیا کہ "ہینی بال کا یہ سفارشی خط شکریے کے ساتھ
اسے واپس کر دیا جائے اور اسے بتا دیا جائے کہ فلپی نیگھمڑے کا آدمی نہیں ہے اور نہ ہی بات
ثابت کرنے کے لئے اس نے زیفو کی سریع الحصول آغوش کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا ہے۔"

زیفو نے ہینی بال کا خط پڑھا اور فلپی کے زبانی پیغام کو جب خط کی عبارت سے
ملا کر مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کی تو یہ سب کچھ عقدۂ لاینحل بن کر رہ گیا۔ ہاں بس ایک بات البتہ
اسے کسی حد تک مسکون پہنچاتی رہی کہ اس نے محبت کا اعتبار نہ کرنے والے متعصب قلبی کے
سامنے خود کو کبھی سستا نہیں ثابت کیا اور یہ کہ اس نے ہمیشہ اپنے بڑوں کے فیصلے کو بے چون و
چرا تسلیم کیا ہے۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

بالآخر اُس کی دُلہن

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

اس نے گھوڑے کو پیپل کے نیچے چھوڑا اور لگام قریب ہی لگے ہوئے امرود کے درخت کی ایک شاخ سے پھنسا دی۔ ابھی سورج غروب نہ ہوا تھا۔ ہلکی زردی مائل دم توڑتی شعاعیں عالیشان مکان کی سرخ کھپریلوں پر پڑ رہی تھیں۔ اندر سے مختلف سازوں کی آوازیں آ رہی تھیں اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ مکان کے آس پاس ہرے بھرے درختوں کے جھنڈ تھے۔ رنگ برنگے کھلے ہوئے پھولوں کے درمیان سے گزرتا ہوا جب وہ دروازے پر پہنچا تو ایک دبلے پتلے نوجوان نے اس کا راستہ روک لیا، بولا "یادر خان واپس جاؤ آج کلیانی نہیں ملیں گی۔"

یادر خان کے ادا اس پہرے میں غصے کی آمیزش ہو گئی۔ "کیوں، کیا بات ہے؟ میں کلیانی سے ملے بغیر واپس نہ جاؤں گا۔"

ابھی ان دونوں میں ردّ و کد جاری تھی کہ اندر سے ایک نہایت حسین عورت نمودار ہوئی۔ اٹھارہ انیس کا سن لگے ہیں پڑے ہوئے قیمتی موتیوں کے ہار کو پیٹ تک جاتے سے سینے کی بلندیوں نے روک لیا تھا۔ آنکھیں بادام کی طرح جن میں سمار بھرا ہوا تھا۔ اوپر کا ہونٹ پتلا نیچے کا موٹا، لمبی لمبی انگلیاں، رنگ اتنا صاف کہ رگوں میں دوڑتا ہوا خون صاف دکھائی دیتا تھا۔ یادر خان نے اسے دیکھتے ہی کہا "کلیانی! تمہاری محفل کا یہ آج کیسا نیا دستور ہے کہ یہ جمالی میرا راستہ روک رہا ہے؟"

کلیانی کی نظریں یادر خان کی بغل پر گئیں جہاں ایک قیمتی شال دبا ہوا تھا۔ وہ مسکرا

رہی تھی۔ جمالی کو ہاتھ سے ہٹا کر ایک طرف کر دیا اور کچھ آگے بڑھ کر یادر خان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بولی "میں تو تمہارے فراق میں المیہ گیت گا رہی تھی اور یہ جمالی تمہارا راستہ روکے کھڑا ہے، آؤ، اندر میرے ساتھ آؤ۔"

جمالی ایک طرف ہو گیا۔ شرمندہ ہو کر کہنے لگا۔ "راستہ میں نے اپنی مرضی سے تھوڑی روکا تھا۔ جمنا کاکی نے مجھے اس کا حکم دیا تھا۔"

جب کلیانی یادر خان کو لے کر اندر بڑھی تو اسے پتہ چلا کہ اس کے پاؤں میں گھنگرو بندھے ہوئے ہیں۔

اندر کا سماں ہی کچھ اور تھا۔ سفید چاندنیاں بچھی ہوئی تھیں اور ان پر جگہ جگہ گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ چھت سے لٹکے ہوئے جھاڑ فانوس ابھی سے روشن کر دیے گئے تھے۔ کمرے کے آخری سرے پر سرخ ریشمی غلاف چڑھا ہوا تکیہ کسی معزز مہمان کی آمد کا منتظر معلوم ہوتا تھا۔ اس سے پانچ سات قدم دور سازندے اپنے اپنے ساز سنبھالے بیٹھے تھے۔

یادر خان کا خیال تھا کہ کلیانی اسے اسی مخصوص گاؤ تکیے کے سہارے بٹھا دے گی لیکن وہ اسے ایک عام سے گاؤ تکیے کے پاس لے کر بیٹھ گئی۔ یادر خان یا دل نخواستہ بیٹھ گیا، ہوشیار کلیانی نے اس کے چہرے سے اس احساسات کا اندازہ لگا لیا۔ کہنے لگی۔ "یہ نشست گاہ بھی تمہارے ہی لیے ہے لیکن اس وقت تم ہمیں بیٹھو۔"

اس کے بعد اس نے یادر خان کی بغل سے شال کھینچ لیا اور سامنے پھیلا کر بے چینی سے بنائی کے نقش و نگار دیکھنے لگی۔ ہلکی کتھئی رنگ کی شال کی بنائی میں بنے ہوئے سرخ اور نیلے پھول بڑے بھلے لگ رہے تھے۔ کلیانی خوشی سے پاگل ہو گئی۔ بولی۔

"بہت خوب! مجھے بہت پسند آیا تمہارا یہ تحفہ۔"

تحفے کی پسندیدگی اور شرف قبولیت بخشنے سے یادر خان کو بڑی خوشی ہوئی۔

"کلیانی!" یادر خان کہنے لگا۔ "تھوڑی دیر پہلے تک میں بہت ڈر رہا تھا کہ معلوم نہیں، تمہیں یہ شال پسند بھی آئے گی یا نہیں، اب جو تم نے پسند کر لی ہے تو میں بے حد خوش ہوں۔"

ابھی کلیانی کوئی جواب بھی نہ دے سکی تھی کہ ایک دروازے سے ایک ادھیڑ عمر عورت اندر آ گئی۔ یادر خان کی طرف ناگواری سے دیکھا، لیکن جب نظر شال پر پڑی تو ناگواری میں کچھ کمی آ گئی۔ کلیانی سے کہنے لگی۔ "کلیانی جب تجھے یہ معلوم ہے کہ اس وقت توقیر خان بھی تشریف لانے والے ہیں تو تو نے ان صاحبزادے کو کیوں روکے رکھا ہے؟"

توقیر خان کا نام سنتے ہی یادر خان کا چہرہ فق ہو گیا۔ یہ اس کے چچا تھے اور جائداد اور جاگیر کا سارا انتظام انہی کے ہاتھ میں تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ بھی یہاں آنے لگے ہیں۔

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

کلیانی نے جواب دیا۔ "کاکی! یہ سخت بداخلاقی کی بات ہے کہ میں انہیں دروازے پر ہی سے واپس کر دیتی!"

کاکی نے بے رخی سے جواب دیا۔ "لیکن یہ بات بھی تو بداخلاقی میں داخل ہے کہ اس جگہ چچا جیسے کا آمنا سامنا ہو جائے، آخر ہمیں بھی تو اپنے پیشے کے آداب اور اخلاق کا خیال رکھنا چاہئے۔" کاکی یہ کہہ کر واپس چلی گئیں۔

کلیانی کھڑی ہو گئی اور یادرخان کو افسوس سے مخاطب کیا۔ "یادرخان! مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میں تمہیں زیادہ دیر تک نہ بھگا سکوں گی!"

یادرخان بھی مجبور ہو گیا۔ کلیانی اسے دروازے تک چھوڑنے گئی یادرخان نے جانے سے پہلے حسرت سے کلیانی کو دیکھا تو اس نے ادا سے نظریں جھکا لیں، کہنے لگی۔ "میں تمہیں چاہتی ہوں، صرف تمہیں، لیکن تمہارا چچا توقیر خان بھی مجھے چاہنے لگا ہے، ہمارا پیشہ ایسا ہے کہ آپس دشمنی بھی نہیں سکتی، اب تمہی بتاؤ کہ میں کیا کروں؟"

یادرخان نے پیچھے مڑ کر دور تک دیکھا کہ کہیں چچا توقیر خان آتو نہیں رہے، پھر کہنے لگا۔ "کلیانی! تم تو جانتی ہی ہو کہ مجھے لڑکیوں سے نفرت ہے گھر میں جب سے لڑکی پیدا ہوئی ہے دل نہیں لگتا۔ تم سے مل کر یہ سوچا تھا کہ یہاں کچھ دیر غم غلط کر لیا کروں گا لیکن اب شاید یہ بھی ممکن نہ رہے!"

کلیانی نے گھور کر کہا۔ "اب تم جاؤ۔ پھر بات کروں گی اس موضوع پر!"

یادرخان نے اس پر ایک الوداعی نظر ڈالی اور واپس ہوا لیکن اسی وقت شام کے دھندلکے میں اس نے دیکھا کہ کئی گھوڑے پیپل کے درخت کے نیچے آ کر کھڑے ہو گئے۔ یادرخان نے خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر چھپنے کی جگہ تلاش کرنا چاہی، دروازہ بند ہو چکا تھا، وہ مہندی کے جھنڈ کی طرف بڑھا اور اس میں روپوش ہو گیا۔ اس نے ان آنے والوں کو درختوں کی جھریوں سے دیکھا: چچا توقیر خان اپنی نوکیلی مونچھیں ہلال کی طرح اوپر اٹھاتے اور ایک مشتی گھنی داڑھی میں حنا لگاتے دروازے کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دیا چار مصاحب پیچھے پیچھے تھے، ان کے ہاتھوں میں قیمتی کپڑوں کے تحائف تھے۔ دستک سے پہلے ہی دروازہ کھل گیا اور کلیانی کا مسکراتا ہوا چہرہ ایک بار پھر نمودار ہو گیا، یہ مسکراہٹ بھی بالکل ویسی ہی تھی جیسی تھوڑی دیر پہلے یادرخان کے لئے تھی۔ اسے احساس بھی ہوا اور غصہ بھی آیا وہ عورتوں سے یوں بھی تصور ہتا اور انہیں قابل اعتبار بالکل نہ سمجھتا تھا۔ اب یہ اعتبار بالکل ہی اٹھ گیا۔ اس نے بوجھل قدموں سے چل کر گھوڑے کی لگام پکڑی، فوراً ہی یہ احساس ہوا کہ چچا توقیر خان نے یقیناً اس کے گھوڑے کو پہچان لیا ہوگا اور شاید وہ اسے ادھر ادھر تلاش بھی کریں، اس خیال کے آتے ہی وہ اچک کر گھوڑے پر سوار

ہو گیا اور دریائے چنبل کے کنارے کنارے دور تک بھاگتا چلا گیا۔ بے مقصد، یوں ہی ادھر جانے کیا کیا سوچتا رہا۔ وہ اتنی دیر تک گھومنا پھرنا چاہتا تھا، جتنی دیر تک اس کے خیال میں چچا توقیر خان کلیانی کی محفل میں وقت گزارتے لیکن پھر کچھ سوچ کر گھر چل دیا۔

سخت اندھیرا ہو گیا عالم، تاروں کی مدھم روشنی میں آبادی کے مکانات طلسماتی سایوں کی طرح نظر آ رہے تھے، جب اس نے اپنا گھوڑا اصطبل میں سائیس کے سپرد کیا تو اسے یہ تشویشناک پیغام ملا کہ۔ "اندر چچا توقیر خان اس کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں!"

وہ اس انتظار اور بے چینی کی وجہ سے واقف تھا، خوف سے اس کا دل دھڑکنے لگا اس خوف میں چچا کا ادب، احترام اور ان کی بزرگی کی دہشت شامل تھی، توقیر خان اس کا محض چچا ہی نہیں تھا، خسر بھی تھا۔

بیوی نے بیزاری سے شوہر کو دیکھا اور بھوکی شیرنی کی طرح دہاڑی۔ "باوا جان کہتے ہیں کہ تم مجھے طلاق دے دو!"

یادرخان نے اطمینان سے پوچھا۔ "وجہ؟"

اسی لمحے توقیر خان بھی اندر داخل ہوا اور شال یادرخان کے منہ پر مارتا ہوا بولا۔ "تمہیں شرم نہ آئی اس قیمتی اور یادگار شال کو اس کٹنی کو تحفے میں پیش کرتے ہوئے! یہ ہمارے خاندان میں شہنشاہ ہند سکندر لودھی کے عطیے کی حیثیت سے یادگار چلا آیا تھا لیکن تم نے اسے اس دو ٹکے کی کٹنی کے حوالے کر دیا!"

یادرخان کوئی جواب نہ دے سکا۔ توقیر خان دیر تک لعنت ملامت کرتا رہا اور دو چار فقروں کے بعد طلاق کا مطالبہ کرتا رہا۔ اس کا کہنا تھا کہ یادرخان جیسے اوباش اور عیاش سے اس کی لڑکی کا نباہ نہیں ہو سکتا۔ جب وہ بک جھک کر چلا گیا تو یادرخان نے بیوی سے پوچھا۔ "کیا تم بھی طلاق چاہتی ہو؟"

"ہاں!" بیوی نے بے تامل جواب دیا۔

"کیوں؟"

"اس لئے کہ تم طوائفوں کے پاس جاتے ہو، تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے!"

یادرخان نے جواب دیا۔ "لیکن جہاں میں جاتا ہوں، وہیں تمہارے باوا جان بھی تشریف لے جاتے ہیں، اور تمہاری طرح تمہاری اماں کو بھی ان سے طلاق حاصل کر لینی چاہئے؟"

بیوی نے غیر جذباتی آواز میں کہا۔ "ان کی دوسری بات ہے!"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

"کیوں، ان کی دوسری بات کیوں ہے؟"

"اس لئے کہ اماں بوڑھی ہو چکی ہیں!"

"واہ! یادرخان ہنسا۔ "خوب، یہ خوب رہی۔ تمہارے باوا جان بھی تو بوڑھے ہو چکے ہیں انہیں تو اور زیادہ نیکوکار ہونا چاہئے۔"

"میں کچھ نہیں جانتی!" بیوی نے حتمی انداز اختیار کیا۔ "میں طلاق چاہتی ہوں!"

"میں خوب جانتا ہوں کہ تم لوگ طلاق پر کیوں بضد ہو!"

بیوی نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "تم کیا جانتے ہو؟"

یادرخان نے ٹھیرے ہوتے لہجے میں جواب دیا۔ "تمہارا مہر دو لاکھ اشرفی قرار پایا تھا اور میری جاگیر کی مالیت بھی اتنی ہی ہوگی گویا تم لوگ اس طرح میری جاگیر کو ہتھیانا چاہتے ہو!"

یہ کہہ کر وہ پنگوڑے میں ہولے ہولے بچی کے پاس چلا گیا۔ فرشتوں جیسی معصومیت لئے وہ سو رہی تھی، کچھ دیر کھڑا وہ اسے دیکھتا رہا، بچی سوتے ہی میں کسی لمحے منہ بسورنے لگتی اور کسی لمحے مسکرا دیتی، پھر کراہت سے اس نے منہ پھیر لیا اور بیوی کے قریب پہنچ کر بولا۔ "اگر تم لڑکی کی جگہ لڑکا پیدا کرتیں تو شاید میں ادباش نہ ہو جاتا۔ اس میں بھی قصور تمہارا ہی ہے!"

بیوی نے غصے سے جواب دیا۔ "بیکار کی باتیں ہیں، کوئی عورت بھی اس پر قادر نہیں ہوتی کہ اپنی مرضی سے لڑکی یا لڑکا پیدا کر سکے۔"

یادرخان کے چہرے پر نفرت اور بے زاری کی شکنیں پڑ گئیں، وہ چیخا۔ "مجھے لڑکیوں سے نفرت ہے، نفرت ہے، میں اس کا گلا گھونٹ دوں گا!"

بیوی نے خوفزدہ ہو کر بچی کو گود میں اٹھا لیا اور بھاگ کر باپ کی طرف چلی گئی۔

اس کے بعد بیوی اور بچی کو اس سے چھپا دیا گیا۔ تو یادرخان کو اس کا بالکل یقین تھا کہ جنونی یادرخان کسی وقت بھی جوش نفرت سے بچی کو ہلاک کر دے گا، یادرخان پہلے ہی ادامیہ کا شکار تھا، اب اور زیادہ اداس رہنے لگا۔ چچا کی طرف سے روز بروز دباؤ بڑھنے لگا کہ ان کی لڑکی کو طلاق دے کر آزادی دی جائے، ابھی جوان ہے، اس کا دوسرا گھر بسایا جا سکتا ہے، لیکن یادرخان اس پر بالکل تیار نہ تھا کیونکہ اس کی عاقبت اندیشی اسے بتا رہی تھی کہ جس دن بھی اس نے بیوی کو طلاق دی، اسے اپنی جاگیر سے ہاتھ دھونا پڑ جائے گا۔ وہ گم سم رہ کر وقت گزارنے لگا۔

وہ کئی روز تک دن میں برابر کلیانی سے ملنے جاتا رہا لیکن اس سے ملاقات نہ ہو سکی، جمنا کاکی اسے نہایت خوش اخلاقی سے خوش آمدید کہتیں جب بھی وہ جمنا کاکی سے کلیانی کی بابت پوچھتا یہی جواب ملتا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے فتح پور گئی ہوئی ہے۔ جمنا کاکی اس سے دل جوئی کی باتیں کرتیں، بیوی سے ہمدردی اور کلیانی کی دوری نے جمنا کاکی میں حسن بھرنا شروع کر دیا ـــــ ادھر جمنا کاکی بھی ایک سوچے سمجھے منصوبے پر عمل پیرا تھیں، ان کی عمر کوئی پینتیس چھتیس سال رہی ہوگی، کسے ہوئے جسم میں اب بھی بلا کی کشش تھی، جب تک کلیانی ساتھ رہتی، جمنا کاکی کا حسن ماند پڑ جاتا لیکن اس کے ہٹتے ہی ان میں بلا کی دلکشی اور جاذبیت محسوس ہونے لگتی، آخر کلیانی کی عدم موجودگی میں وہ جمنا کاکی کی طرف مائل ہو گیا۔ جمنا کاکی اسے اپنی سریلی آواز میں گیت سناتی رہتی جو کچھ اس کے پاس تھا آہستہ آہستہ جمنا کاکی کو منتقل ہوتا رہا۔ اس کا دل بھی جمنا کاکی کی طرف شدت سے راغب ہوتا رہا یہاں تک کہ وہ جمنا کاکی کے لئے دل میں کسک سی محسوس کرنے لگا۔ کسی کسی وقت کلیانی یاد آتی تو دکھ ہوتا لیکن یہ خیال زیادہ دیر تک نہ قائم رہتا۔

اس صورت حال کو کئی ماہ گزر گئے، وہ نہ بیوی کی شکل دیکھ سکا نہ کلیانی کی، اسے عورت درکار تھی، وہ جمنا کاکی کی صورت میں حاصل تھی لیکن پھر اس سے بھی دل اکتا گیا اب اسے کسی اور کی تلاش رہنے لگی، اس تبدیلی کو جمنا کاکی نے بھی محسوس کر لیا۔

اب وہاں کا جانا بھی کم ہو گیا اور دینے لینے میں بھی کمی ہو گئی، جاگیر سے اس کے حصے کا سالانہ رقم جو ملتی تھی وہ تقریباً ختم ہو چکی تھی، اس نے جاگیر کے ناظم سے مزید رقم کا مطالبہ کیا تو معلوم ہوا چچا نے اسے منع کر رکھا ہے، اسے غصہ تو بہت آیا لیکن کچھ کر نہ سکتا تھا عورت کی خواہش نے اسے ایک بار پھر جمنا کاکی کے حضور میں پہنچا دیا لیکن دل میں شرمندہ تھا، پاس رقم بھی، اور کئی دن کی غیر حاضری کے بعد وہ جمنا کے پاس پہنچا تھا، اسے خوب معلوم تھا کہ اس کے پیسے میں رقم کے بغیر جانے کا کیا مطلب ہوتا ہے، جمنا کاکی نے اس کا جوش و خروش سے استقبال کیا اور پاس بیٹھ کر جدائی کے گلے شکوے کرنے لگی۔ جمنا کاکی نے جس قسم کا بناؤ سنگھار کر رکھا تھا، اس سے شباب خفتہ گویا بیدار ہو گیا تھا۔ دل سے اتری ہوئی جمنا کاکی پھر اچھی لگنے لگی۔ جب جمنا نے اس سے نہ آنے کی وجہ معلوم کی تو اس نے جواب دیا۔ "جمنا! تم سے میں کچھ نہیں چھپانا چاہتا، قصہ دراصل یہ ہے کہ میرے حصے کی جاگیر کا انتظام بھی میرے چچا یادرخان ہی کے ہاتھ میں ہے، آج کل ان سے ذرا کشیدگی چلی آ رہی ہے، مجھے جو سالانہ

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

رقم ملی تھی وہ تقریباً ختم ہو چکی ہے، مزید رقم مل نہیں سکتی۔ اس کے لئے کم از کم مجھے تین ماہ انتظار کرنا پڑے گا۔" پھر کچھ نادم ہو کر بولا۔ "اور یہاں خالی ہاتھ آتے اچھا نہیں لگتا۔"

جمنا کاکی کچھ دیر سناٹے میں رہیں، یادر خان کی شکل دیکھتی رہیں، پھر اداس دل سے بولیں۔ "تمہیں آنا جانا تو نہیں بند کرنا چاہیئے تھا۔ تم یقین کرو، مجھے تم سے کچھ محبت سی ہو گئی ہے، جب نہیں آتے تو دل بجھا بجھا اور اداس اداس رہتا ہے۔"

یادر خان نے جمنا کو سینے سے لگا لیا اور فرطِ جوش میں اس کے بوسے لینے لگا۔ اگلی وہ کچھ زیادہ تجاوز نہ کر سکا تھا کہ ایک دروازے سے کلیانی نمودار ہوئی اور دونوں کو اس حال میں دیکھ کر ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ جمنا کی، اس کی طرف پشت تھی اور یادر خان کا چہرہ اس کا سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔ کلیانی کے چہرے کی حیرت غصے میں تبدیل ہونے لگی اس کے ہونٹ کپکپائے وہ چیخ کر بولی۔ "کاکی!"

جمنا کاکی سہم کر الگ ہو گئیں اور پلٹ کر کلیانی کو دیکھا، کلیانی انہیں خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی۔

کاکی نے شرمندگی سے پوچھا۔ "اپنی ماسی کے پاس سے کب واپس آئیں؟"

کلیانی نے کوئی جواب نہ دیا اور یادر خان کا ہاتھ پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے چلی گئی۔ جمنا کاکی معلوم نہیں کدھر گم ہو گئیں، کلیانی شرمندہ یادر خان کو گدیلے کے سہارے بٹھا کر خود بھی سامنے بیٹھ گئی اور پھر برس پڑی۔ "تمہیں کاکی سے تعلقات بڑھاتے شرم آئی، وہ میری ماں ہیں، ماں اور بیٹی سے بیک وقت تعلقات رکھنا کس مذہب میں جائز ہے؟"

یادر خان گردن جھکائے کلیانی کی ڈانٹ پھٹکار سنتا رہا اور چپ رہا لیکن جب کچھ دیر بڑھی تو اسے بھی بولنا پڑا کہنے لگا۔ "کلیانی! میں تم سے محبت کرتا ہوں، جب سے تم سے مایوس ہو گیا اور جیا تو تیر تم سے ملنے جلنے لگے تو میں نے مجبوراً جمنا کاکی سے دل لگایا جمنا کاکی میں تمہاری شبیہ جو دیکھی جاتی ہے۔"

کلیانی نے طنزیہ کہا۔ "تم جھوٹ بولتے ہو، مشابہت کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اگر ماں میں بیوی کی مشابہت آجائے تو اس سے بھی بیوی ہی کی طرح تعلقات قائم کر لئے جائیں۔"

یادر خان نے کلیانی کو ڈانٹ دیا۔ "بس زیادہ بکو اس کی ضرورت نہیں، خبردار

بند کمرو۔"

کلیانی نے بھی چیخ کر کہا۔ "تم آئندہ یہاں مت آنا، اگر آئے تو میں تمہیں دھکے دے کر نکلوا دوں گی۔"

یادر خان نے کہا۔ "یہاں آنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ جمنا کاکی سے ملنے سے تم مجھے نہیں روک سکتیں۔"

"پھر وہی بے شرمی کی بات!"

یادر خان نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "خوب! اس کو پتے میں بھی شرم و حیا پائی جاتی ہے، یہ بات مجھے نہیں معلوم تھی۔"

کلیانی نے لاجواب ہو کر اسے گھور کر دیکھا۔

یادر نے مزید کہا۔ "کلیانی! اگر اب تک تمہیں معلوم نہیں تھا تو جان لو کہ تم جس کوچے سے تعلق رکھتی ہو، یہاں صرف ایک ہی رشتہ ہوتا ہے، تم اور تمہاری جمنا کاکی بکنے والی شے ہیں اور ہم لوگ خریدار ہیں، جب جس پر طبیعت آئے گی قیمت ادا کر کے خرید لیں گے۔"

کلیانی اپنی اہانت پر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

یادر خان جانے کے لئے جیسے ہی کھڑا ہوا، کلیانی نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔ خجل ہو کر بولی۔ "تم نے ہماری جس حیثیت کی بابت ابھی نشان دہی کی ہے، میں اس کے لئے شرمسار ہوں۔" اس کے بعد وہ لمحہ بھر کے لئے رکی اور دوسری طرف جھانک کر دیکھا اور مطمئن ہونے کے بعد مغموم لہجے میں کہنے لگی۔ "یادر خان! معلوم نہیں کیوں میں تمہیں چاہنے لگی ہوں، تمہیں نہیں معلوم کہ جب تمہارے چچا یہاں آتے تھے تو انہیں میں نے ہی یہاں سے کاٹنے کی تدبیر کی تھی کہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے اپنی ماں کے پاس چلی گئی تھی، میرا خیال تھا کہ جمنا کاکی نے بھی اس خطرے کو محسوس کر لیا تھا اور اسی لئے انہوں نے یہ چال چلی اور تم اس کے شکار ہو گئے۔"

یادر خان بھی چونک پڑا اور کلیانی کی باتیں کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگیں۔ بولا۔ "اب کیا گیلہ ہے کلیانی! اگر تم وعدہ کرو کہ میرے چچا کو اسی طرح مسترد کرتی رہو گی تو میں بھی تم سے وعدہ کرنے کو تیار ہوں کہ اب میں جمنا کاکی کو نظر بھر کے دیکھوں گا بھی نہیں۔"

کلیانی نے جواب دیا۔ "یہ ساری باتیں یوں کھڑے کھڑے نہیں ہو سکتیں، اگلی کسی وقت

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

آجاؤ، آخر میں بھی تو تم سے کچھ ٹھوس وعدے چاہوں گی۔"

یادر نے حیرت اور سوالیہ نظروں سے کلیانی کو دیکھا۔ "کیسے وعدے؟"

کلیانی نے کہا۔ "کل دوپہر کے بعد دو ساعتوں کے لئے کاکی تمہارے چچا کے ساتھ گھر جائے گی، تم اسی وقت آجانا، میں تم سے کھل کر کچھ باتیں کروں گی۔"

یادر خان نے حیرت سے پوچھا۔ "لیکن تم تو ابھی ابھی چلی آرہی ہو اپنی ماں کے پاس سے، تمہیں اپنی کاکی کے منصوبے کا کس طرح علم ہو گیا؟"

کلیانی نے جواب دیا۔ "یہ بات نہالی نے مجھے آتے ہی بتادی تھی۔"

یادر خان کے لئے یہ انکشاف بھی نیا تھا کہ کاکی جمنا سے چچا تویر کے تعلقات بھی ہیں۔ اسے جمنا سے بھی نفرت ہو گئی۔ جاتے جاتے آہستہ سے بولا۔ "کل دوپہر کے بعد میں تمہارے پاس آؤں گا، تم میرا انتظار کرنا۔"

یادر خان رات کو دیر تک جاگتا رہا۔ چچا نے اس کی بیوی اور بچی کو کچھ اس طرح غائب کیا تھا جیسے کبھی ان کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ معلوم نہیں کب اس کی آنکھ لگ گئی لیکن جب آنکھ کھلی تو اس کے آس پاس کا منظر ان کچھ عجیب اور ہولناک تھا۔ چچا تویر نے اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کیا تھا۔ ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا، وہ گھبرا کر بیٹھ گیا۔ اس کے آس پاس چھ آدمی کھڑے تھے اور ان سب کے ہاتھوں میں خنجر اور تلواریں چمک رہی تھیں، ان کے چہروں سے بے رحمی اور آنکھوں سے خوں خواری ٹپک رہی تھی۔ چچا نے ہاتھ کا کاغذ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس پر دستخط کر دو۔"

یادر لڑنے کے لئے آمادہ تھا، اس نے خوف زدہ ہوئے بغیر پوچھا۔ "اس کاغذ پر کیا لکھا ہے؟"

"یہ بعد میں بتایا جائے گا۔" چچا نے کہا۔ "پہلے دستخط کر دو۔"

یادر نے خشمگیں نظروں سے چچا کو دیکھا اور جواب دیا۔ "اگر دستخط نہ کروں تو؟"

ایک وحشی آگے بڑھا اور خنجر کی نوک اس کے پہلو میں کچھ اندر اتار دی اور بولا۔ "اگر نہ کیے تو یہ خنجر یہاں سے اندر داخل ہو جائے گا۔"

دوسرے وحشی بھی ذرا قریب پہنچ گئے۔

یادر نے کاغذ ہاتھ میں لے لیا اور اسے پڑھنا چاہا۔ یہ طلاق نامہ تھا جس میں یہ طرف سے یہ لکھا گیا تھا کہ وہ بخوشی اپنی بیوی کو طلاق دے رہا ہے اور حق مہر میں اپنی جائیداد اس کے نام منتقل کر رہا ہے۔ اس نے ایسا محسوس کیا جیسے اس کے نیچے سے زمین کھسک

رہی ہے اور آسمان سر پر آرہا ہے، اس نے نہایت کرب سے کہا۔ "یہ تو طلاق جبر کہلائے گا، کیا فقہ اسے مان لے گی۔؟"

چچا نے جواب دیا۔ "تم دستخط کر دو، اگر فقہ نہیں مانے گی تو تم اسے امتروتے فقہ کا عدم قرار دے دینا۔"

یادر نے سوچا اگر اس نے دستخط نہ کیے تو یہ ظالم اس کے ساتھ کوئی مروت نہ برتیں گے اور اسی وقت اس کی تکہ بوٹی کر دیں گے اور اگر دستخط کر دے گا تو فقہ سلامی کی رو سے اس طلاق کو کالعدم قرار دے دینے کا حق اور اختیار تو اسے حاصل ہی رہے گا۔

اس نے بے بسی سے چچا کو دیکھا اور اشک بار آنکھوں اور لرزتے ہاتھ سے کاغذ پر دستخط کر دیے۔

چچا جب اپنے آدمیوں کے ساتھ واپس ہو گئے تو انہوں نے یادر کو تسلی دی، بولے یہ میں نے محض اس لئے کیا ہے کہ مجھے تمہاری طرف سے اس بات کا اطمینان نہ تھا کہ تمہارے ہوتے ہوئے میری بیٹی اور نواسی کی زندگی محفوظ ہے، اب تم آزاد ہی سے رہو، تم سے کوئی تعارض نہ ہوگا، میری بیٹی عدت کے دن گزار کر اپنے ماموں کے لڑکے احمد خان سے وابستہ ہو جائے گی۔"

یادر خان کیا بولتا، وہ تو یہ بازی ہار چکا تھا۔ جب چچا چلے گئے تو وہ اٹھا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کی وہ باہر سے بند تھا، چچا اپنے آدمیوں کے ساتھ اب بھی باہر موجود تھے اور غالباً انہیں یہ معلوم تھا کہ ان کے ہٹتے ہی یادر باہر آنے کی کوشش کرے گا، جیسے ہی دروازہ ہلا، باہر سے چچا نے کہا۔ "یادر! میں نے دروازے باہر سے بند کرلئے ہیں، تم جب تک ہمیں آرام کرو، فجر کی نماز کے بعد تمہارے کہے بغیر ہی یہ دروازے کھل جائیں گے اور ہاں ایک بات بطور خاص ذہن نشین رکھو کہ اگر تم نے انتقام لینے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بہت برا نکلے گا۔ میں نے اس کا بھی بندوبست کر لیا ہے!"

یادر قبل از وقت کچھ بھی نہ کہنا چاہتا تھا۔ چپ چاپ بستر پر گر گیا اور صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ پہلو کے زخم سے خون رس رہا تھا اور اس میں شدید سوزش ہو رہی تھی۔

صبح کچھ کھائے پیئے بغیر ہی وہ گھر سے نکل گیا۔ دوپہر سے پہلے پہلے اس نے کئی لوگوں سے طلاق جبری کا مسئلہ پوچھا تو سبھوں نے متفقہ یہ فیصلہ دیا کہ طلاق ہو چکی۔ یادر خان

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

تھا کہ اس طرح کیسے طلاق ہو سکتی ہے لیکن علما نے کہا کہ اگر تم طلاق نامے پر دستخط نہ کرتے تو طلاق نہ ہوتی، یادر نے کہا کہ اگر میں دستخط نہ کرتا تو قتل کر دیا جاتا۔ علما نے کہا۔ وہ تو درست ہے لیکن قتل کیے جانے کی صورت میں قاتلوں سے قصاص بھی تو لیا جا سکتا تھا۔

یادر نے کہا۔ "قصاص کون لیتا؟ جن کو قصاص لینے کا حق پہنچتا ہے، وہی تو قاتل ہوتے!"

علما نے کہا۔ "کچھ بھی ہو فقہ یہی کہتی ہے کہ طلاق ہو گئی۔"

اب یادر کے لئے دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ دوپہر کے ذرا دیر بعد وہ کلیانی کے پاس پہنچا۔ کلیانی کو ابھی تک کچھ بھی نہ معلوم تھا کہ اب یادر صاحب جاگیر نہیں رہا۔ جمنا کا کی چچا تو پیر کے ساتھ کہیں سیر سپاٹے کو چلی گئی تھیں، گھر میں نہالی تھا اور کچھ سانٹرے تھے۔ پورے گھر پر سکوت اور سناٹا طاری تھا۔ کلیانی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

یادر مقصوص کا دو تکیے سے کوچے لگا کر بیٹھ گیا۔ کلیانی اس کے سامنے جا بیٹھی۔ اچھی باتیں شروع بھی نہ ہوئی تھیں کہ نہالی بھی آ گیا اور یادر خان کے قریب جا بیٹھا۔ کلیانی نے اسے اٹھانا چاہا لیکن وہ نہ اٹھا۔ اسے اس خدمت پر کاکی نے مامور کیا تھا۔ دونوں کو بات کرنا مشکل ہو گیا۔

یادر خان تو جیسے اپنے حواس ہی میں نہ تھا پوچھا۔ "ہاں اب بتاؤ تمہیں مجھ سے کیا باتیں کرنا ہیں؟"

کلیانی نے اشاروں میں بات شروع کی۔ "تمہاری بیوی کا کیا بنا؟ اختلافات کچھ کم ہوئے یا دیسے ہی چل رہے ہیں ابھی؟"

یادر خان کو اس ذکر سے تکلیف پہنچ رہی تھی، کہنے لگا۔ "اس کے علاوہ باتیں کرو تو اچھا ہے!"

کلیانی نے نیا سوال کیا۔ "سنتی ہوں جتنی مالیت کی تمہارے حصے کی جاگیر ہے اتنا تمہاری بیوی کا حق مہر ہے!"

ہاں!" یادر نے بیزاری سے کہا۔ "لیکن میں کہتا ہوں کہ کیا آج اس موضوع کے علاوہ کسی موضوع پر گفتگو نہیں ہو سکتی؟"

کلیانی نے گویا نیا موضوع چھیڑا۔ "آج تم ضرورت سے زیادہ اکھڑے اکھڑے نظر آتے ہو، کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ کیوں؟"

"ہاں، بالکل پوچھ سکتی ہو!" یادر نے کہا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ میں زندگی سے

عاجز ہوں!"

"کیوں، خیریت تو ہے؟"

یادر نے پوچھا۔ "کلیانی! تم ایک بات بتاؤ اور دیکھو جواب میں لاگ لپیٹ نہیں ہونی چاہیئے!"

"پوچھو!"

یادر نے کہا۔ "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس کے حق مہر میں اپنی جاگیر اس کے نام کر دی اور اس وقت میں بالکل قلاش ہوں، تو تم میرے ساتھ کیسا سلوک کرو گی؟"

کلیانی کو اس کی باتوں پر یقین نہ آیا۔ بولی۔ "میں نہیں سمجھتی کہ تم اتنی بعید از عقل باتیں بھی کر سکتے ہو۔"

یادر نے آنکھوں میں آنسو بھر کے کہا۔ "تم میری باتوں پر یقین کر دیا نہ کرو لیکن یہ سب کچھ ہو چکا۔ اب میں بالکل مفلس و قلاش ہوں کیا ان حالات میں بھی تم میرا ساتھ دے سکتی ہو؟"

کلیانی کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آ رہی تھیں۔ نہالی کی سمجھ میں بھی یہ باتیں نہیں آ رہی تھیں۔ یادر نے محسوس کر لیا کہ نہالی ان دونوں کی مخبری کی خدمت پر تعینات ہے تو اسے غصہ آ گیا، نہالی کو غصے سے مخاطب کیا۔ "تم یہاں فضول بیٹھے ہو، اب میں یکسر مفلس تماشائی ہوں، مجھ سے بالکل نہ ڈرو اور ذرا سی دیر کے لئے یہاں سے ہٹ جاؤ!"

کلیانی نے بھی اسے آنکھیں دکھائیں، نہالی باہر چلا گیا۔

یادر نے سب کچھ صاف صاف اسے بتا دیا تو کلیانی نے سرد مہری سے کہا۔ "ان حالات میں اگر میں تمہارے ساتھ چلنا بھی چاہوں تو تم مجھے کہاں لے چلو گے، تمہارے پاس نہ کھانے کو رقم ہوگی نہ سر چھپانے کو ٹھکانا، پہلے ان دونوں کا کوئی انتظام کر لو، اس کے بعد میرے گھر آ کر پھر میں کچھ سوچوں گی۔"

یادر خان کھسیا کر ہنسنے لگا۔ بولا۔ "میں تو تمہارے بلاوے پر اس وقت آ گیا تھا نہ تم لوگوں کی فطرت سے واقف ہوں۔"

کلیانی چڑ گئی اور خفا ہو کر بولی۔ "اس وقت تم پریشان ہو اس لئے معقول باتیں تمہاری سمجھ میں نہ آئیں گی۔"

یادر خان نے اٹھنا چاہا تو کلیانی نے کہا۔ "یادر خان! تم یقین کرو یا نہ کرو لیکن

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

میں سچ کہتی ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے لیکن میرا خاندان ایسا ہے جس کی محبت کا یقین نہیں کیا جاتا اگر تم میرا امتحان کرنا چاہو تو جب کبھی تم سر چھپانے کی جگہ حاصل کرلو اور معاش حالت سدھار لو تو میرے پاس آجانا، میں کسی بھی طرح یہاں سے نکل چلوں گی۔"

یادرخان نے یقین نہ کرنے والے لہجے میں کہا "شکریہ۔ لیکن میں بھی تمہیں دھوکے میں رکھنا پسند نہیں کرتا۔ میرے دل میں تمہارے لئے انسیت ضرور ہے لیکن شاید اسے محبت نہیں کہا جاسکتا، تم مجھے اچھی لگتی ہو لیکن اب ایسا بھی نہیں ہے کہ اس دنیا میں تنہا تمہی کو اتنا حسن ملا ہے، اور بھی حسین شکلیں ملیں گی، اور جب مجھے رہنے کا ٹھکانہ اور ذریعۂ معاش میسر آجائے گا تو کیا ضرورت ہے کہ میں تمہی سے ملنے کی فکر کروں، رقم پاس ہو تو حسین کی کیا کمی ہے۔"

کلیانی کے دل کو ان کھری کھری باتوں سے سخت چوٹ لگی۔ بولی "تم صرف عورت اور شباب کی ہوس رکھتے ہو، تم محبت کے پاکیزہ جذبے سے بالکل واقف نہیں" پھر کچھ رک کر کہا "اسی لئے تو تم کو محبت میں اور جسا کاکی میں کوئی فرق نہیں محسوس ہوتا۔"

وہ آبدیدہ ہوگئی اور اس کے ہونٹ تھرتھرانے لگے۔

یادرخان نے کئی بار اٹھنا چاہا لیکن کلیانی نے اس ملاقات کو آخری سمجھ کر اٹھنے نہ دیا، یہاں تک کہ جسا کاکی بھی گھوم پھر کر آگئیں۔ یادرخان سے جیسے ہی نظریں ملیں، کاکی نے ہنس کر پوچھا "یادر کیسے ہو؟ خیریت سے تو ہو؟"

یادر نے پھیکے لہجے میں جواب دیا "خیریت کہاں؟ اس دنیا میں خیریت کہاں ہے چچی اپنا سینہ چاک کر لیتے ہیں اور ہوا مضطر یارہ خاک اڑاتی پھرتی ہے!"

جسا کاکی نے کلیانی کو ہٹ جانے کا اشارہ کیا وہ چپ چاپ چلی گئی تو جسا نے ایک قیامت خیز انگڑائی لی "یادر کو ایسا محسوس ہوا جیسے چولی سک گئی ہو۔ اس کا گمان غلط تھا اب جسا کاکی کی گھر کی ساری روداد کرید کرید کر پوچھیں گی لیکن کاکی سے بالکل برعکس سوال پوچھا کئی دن ہوئے میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے مور بھنورا درکار ہیں، سی ڈھنچ کے مور بھنور، جن کی شکل مور کی طرح ہوتی ہے، درکانوں میں پہنے جاتے ہیں، بہت جی چاہتا ہے کہ انہیں بنوں، تم نے ان کی فراہمی کا وعدہ بھی کر لیا تھا لیکن پھر شاید بات ذہن سے نکل گئی۔"

یادرخان نے اپنی بدلی ہوئی حالت کا اظہار کر دیا۔ سب کچھ بتا کر کہنے لگا "جسا تمہیں اپنی ذہانتوں کی تعمیل کے لئے کچھ دنوں انتظار کی زحمت گوارا کرنا ہوگی۔ سردست میں اس

حالات میں نہیں ہوں کہ تمہاری یہ حقیر سی خواہش پوری کر سکوں۔"

جسا کاکی نے نگاہیں پھیر لیں بے مروتی سے بولیں "تو جناب جب آپ ان برے حالات میں مبتلا ہو چکے ہیں اور پتے بھی کچھ نہیں رہا تو کیا ضرورت ہے کہ تماش بینی بھی برستور کرتے رہیں، یہ جگہ جہاں آپ اس وقت تشریف فرما ہیں، بازار کی طرح ہے، رقم کے بغیر بازار جانے کا خیال ہی دل میں نہ لانا چاہیئے۔ آپ تو جلتے ہی ہیں کہ ہم لوگوں نے اس ذلیل پیشے کو ذریعۂ معاش کے طور پر اختیار کر رکھا ہے، یہاں کسی قلاش یا مفلس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔"

یادرخان پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ فوراً کھڑا ہو گیا۔ بولا "جسا معاف کرنا اب تک تو میں اس غلط فہمی میں تھا کہ شاید تم مجھے چاہنے لگی ہو لیکن میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے بروقت ہوشیار کر دیا۔"

جسا کاکی نے قینچی کی طرح زبان چلائی، بولیں "چاہنے داہنے کا کھیل شریف زادیاں ہی کھیلتی ہیں، ہم ٹھہرے کاروباری لوگ، گھڑی گھاس سے آشنائی کرے گی تو کھائے گی کیا؟"

یادرخان نے ایسا محسوس کیا جیسے کمرہ گردش میں ہو۔ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکلا اور ایک طرف روانہ ہوا، کہاں اور کیوں جا رہا ہے، اسے کچھ پتہ نہ تھا۔

وہاں سے نکل کر اس نے ایک جوا کھیلنا پسند کیا۔ آگرے پر بابر کا قبضہ ہو چکا تھا، لودھیوں کی حکومت ختم ہو چکی تھی لیکن پٹھانوں کا حسن خان میواتی اب بھی ہمت نہ ہارا تھا اور حکومت کی بازیابی کی کوششیں کر رہا تھا، اس نے رانا سانگا سے معاملہ کر لیا اور پٹھان اور راجپوت آپس میں اتحاد کر کے اس نئے مغل حملہ آور اور فاتح کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اس آویزش میں یادرخان چاہتا تو بابر کے مخالفین کا ساتھ دیتا کیوں کہ اس طرف اس کے ہم قوم تھے اور فتح کے زیادہ امکانات بھی انھی کے حق میں تھے لیکن اس نے بابر کا ساتھ دینا طے کیا۔ اس کا چچا تو تیر رانا سانگا اور حسن خان میواتی کے ساتھ تھا۔ آناً فاناً آگرے، بیانہ اور اس کے گرد و پیش کے صاف ستھرے اور پُرامن مطلع پر جنگ کی بھیانک گھٹائیں چھانے لگیں، آبادیاں جنگ کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لئے ادھر ادھر منتقل ہونے لگیں، لیکن تو تیر خان کو حسن خان میواتی اور رانا سانگا کی فتح اور شکست کا یقین تھا، اس نے اپنے خاندان کی منتقلی کو غیر ضروری سمجھا، اب تو تیر خان محض ایک

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

سپاہی تھا' افغان سپاہی شمشیر دستاں کو اولیت حاصل ہو گئی تھی اور طاؤس و رباب کو عقب میں ڈال دیا گیا تھا۔

یادگار خان کے جی میں کئی بار آئی کہ وہ کلیانی کے پاس جائے اور جمنا کا کی سے ملے۔ مطلقہ بیوی اور بچی کو بھی دیکھنے کو جی چاہتا تھا لیکن ان سب کے خلاف نفرتیں اس کے قدم پکڑ لیتی تھیں۔ وہ بابر کی فوج میں سپاہی کی حیثیت سے داخل ہوا اور چھ ماہ کے اندر ہی ایک ہزاری منصب حاصل کر لیا' اب اس کے پاس رقم بھی تھی اور اعزاز بھی۔ جب زیادہ دل گھبراتا اور نفسانی محو ابہامات تنگ کرتیں تو وہ کلیانیوں اور جمنا کا کیوں کے پاس چلا جاتا۔ وہ اب شادی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا' اسے عورت سے نفرت ہو گئی تھی اور وہ اسے بیوی بنا کر رکھنے کو تیار نہ تھا۔

جمادی الآخر کی ۹ تاریخ تھی اور منگل کا دن ـــــ کہ بابر نے اپنی چوبیس ہزار فوج کو صف بندی کی۔ پھر بارہ تاریخ کو اس نے یہ جگہ چھوڑ دی اور دو میل آگے بڑھ کر میانہ کے قریب قصبہ کانوہ میں مقیم ہو گیا' ابھی ان لوگوں نے خیمے بھی کھڑے نہ کیے تھے رانا سانگا اور حسن خان میواتی کی افواج کیڑے مکوڑوں کی طرح نمودار ہوئیں' گرد و غبار میں سورج چھپ گیا اور زمین لرزنے لگی' ہاتھیوں کی قطاریں سب سے آگے تھیں' راجپوتوں اور پٹھانوں پر مشتمل دو لاکھ فوجی اور دو ہزار جنگی ہاتھی بابر کی چوبیس ہزار افواج کے سامنے کھڑے اس کی قلت کا مذاق اڑا رہے تھے' مغلوں کی ہمتیں جواب دینے لگیں لیکن بابر اپنی تقریروں سے ان کی ہمت بندھاتا رہا۔

دونوں فوجیں آندھی طوفان کی طرح آگے بڑھیں اور ایک دوسرے میں گتھ گئیں۔ نعرے' شور پکار' تلواریں اور دم توڑتے مرنے والوں کی چیخیں میدان کو سر پر اٹھائے لے رہی تھیں۔ یادگار خان اپنے گھوڑے کو ادھر ادھر دوڑا کر بچا توقر خان کو تلاش کرتا رہا بڑی مشکلوں سے قلب کے قریب میسرے میں توقر کی جھلک دکھلائی دی۔ وہاں تک پہنچنا آسان کام نہ تھا۔ اس نے کمان میں تیر جوڑا اور نشانہ لے کر تیر جو چھوڑا تو وہ توقر کے حلق کو چھید کر دوسری طرف نکل گیا۔ توقر چیخ مار کر گر گیا۔ اس نے لب بھینچ کر کہا "حساب کتاب برابر ہو گیا' یہ تھا میرا انتقام!"

اس نے سوچا اب جب کبھی امن ہو گا تو وہ اپنی مطلقہ بیوی اور بچی سے ملنے ضرور جائے گا اور اب انہیں ملنے سے کوئی بھی نہ روک سکے گا۔

شام کے ہوتے ہوتے قسمت کا فیصلہ بابر کے حق میں ہو چکا تھا حسن خان میواتی مارا گیا اور رانا سانگا جان بچا کر بھاگ نکلا' قرب و جوار کی دشمن بستیوں میں آگ لگا دی گئی

اور ان کی آبادیوں کو تہ تیغ کر دیا گیا اور اس میں بچے' بوڑھے جوان' بیمار' عورت اور مرد کا کوئی خیال نہ رکھا گیا۔ بابر نے حکم دیا کہ مقتولوں کے سروں کا ایک مینار تعمیر کیا جائے' آناً فاناً سروں کا مینارہ کھڑا کر دیا گیا۔

بچا توقر کا سر بھی مینار سے میں لگ گیا۔ یادگار نے بچا کے سر کو پہچان لیا' ہلال مونچھیں اور ایک مشتی داڑھی میں سازشی اور بد دیانت چہرہ دور سے پہچانا جا سکتا تھا' اس نے قریب جا کر بچا کے منہ پر تھوک دیا اور کہنے لگا "تم نے مجھ پر ظلم کیا تھا' خدا نے تمہیں اس کا بدلہ دیا' کہو اب کس حال میں ہو اور تم پر کیسی گزر رہی ہے؟"

بچے نے کوئی جواب نہ دیا۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن بصارت سے محروم تھیں' کان اپنی جگہ پر تھے لیکن سن نہ سکتے تھے۔ کئی دن بعد وہ ہمت کر کے اپنے آبائی گھر گیا لیکن اب وہاں کچھ بھی نہ تھا' پوری آبادی قتل کی جا چکی تھی' انہی میں اس کی بیوی اور بچی بھی شامل تھی کلیانی کا گھر تو موجود تھا لیکن وہاں متنفس ایک بھی نہ تھا۔ اس کے پتھر دل پر اس انقلاب کا کوئی اثر نہ ہوا' وہ فوج میں واپس گیا اور اپنے فرائض پوری تن دہی' مستعدی اور خوش اسلوبی سے انجام دینے لگا۔ اس طرح ایک سال گزر گیا۔

ایک دن وہ بابر کے دسترخوان پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا بابر کے رعب سے لوگوں کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور کھانے کے لئے ہاتھ نہایت ادب اور تکلف سے اٹھ رہے تھے۔ بابر کے قریب ایک قاب میں حلوے جیسی کوئی چیز رکھی تھی' شریک طعام ایک پٹھان نے اس قاب کو بے تکلفی سے اٹھایا اور ادھر ادھر چمچے کی جستجو میں نظر دوڑائی' جب چمچا نہ مل سکا تو اس نے کمر میں اڑسے ہوئے خنجر کو نکالا اور اس کی نوک سے قاب کی حلوہ نما شے کھانے لگا۔ بابر نے ندیدہ لگا ہی سے اس جری پٹھان کو دیکھا اور اپنے وزیر سے کہا۔ "ہمیں اس پٹھانی میں سرکشی اور تمرد کے آثار ملتے ہیں' کیوں نہ اسے گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا جائے۔"

بابر نے بات تمکی میں کی تھی لیکن پٹھان اس کے لب و لہجہ کو بھانپ گیا۔ کھانے کے بعد وہ باہر نکلا۔ یادگار خان اس کے پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا۔

یادگار خان نے اسے مخاطب کیا۔ "دوست! کیا میں آپ سے آپ کا تعارف چاہ سکتا ہوں؟"

پٹھان نے جواب دیا۔ "میرا نام فرید خان ہے' میں بھی پٹھان ہوں۔"

یادگار نے پوچھا۔ "آج کھانے کے دوران کچھ بدمزگی سی ہو گئی تھی؟"

اس نے جواب دیا۔ "ہاں' یہ مغل خود کو معلوم نہیں کیا سمجھتے ہیں ہم تو یہ جانتے ہیں

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

کہ اگر ہمارے پٹھان بھائی ایکا کرلیں اور ہمارا ساتھ دے جائیں تو میں ان مغلوں کو یہاں سے اس طرح نکال باہر کروں جس طرح دودھ سے مکھی نکال دی جاتی ہے۔"

یادگار کو اس کی باتوں میں خوش فہمی محسوس ہوئی، ضرورت سے زیادہ خوش فہمی، اس نے پوچھا۔ "تم جا کہاں رہے ہو؟"

پٹھان نے جواب دیا۔ "اپنی جاگیر جونپور، پھر وطن سہسرام چلا جاؤں گا، اب مجھے مغلوں کے دربار میں ٹھیرنے سے خطرہ محسوس ہوتا ہے۔" اس نے جاتے جاتے پوچھا۔ "تم بھی پٹھان ہو؟"

"ہاں!" یادگار خان نے جواب دیا۔ "کیوں؟"

فرید خان نے کہا۔ "اگر کبھی تم پر وقت پڑے تو ہمارے پاس سہسرام چلے آنا۔"

فرید خان کے علاوہ شیر خان بھی کہتے ہیں!"

فرید خان چلا گیا، یادگار خان کو اس پٹھان میں کچھ غیر معمولی خصوصیات نظر آئیں۔ اس نے سوچا کہ اگر وقتی اس پر کوئی وقت پڑا تو وہ ضرور سہسرام جائے گا۔ یادگار خان نے شیر خان کے جانے کے بعد تین سال بابر کی خدمت میں گزار دیے اور اس درمیان اس نے کئی بار یہ کوشش کی کہ اس کی جاگیر واگزاشت ہو جائے لیکن ناکام رہا، اب وہ جاگیر کسی مغل سردار کے نام منتقل ہو چکی تھی۔ یادگار جیسے دوسرے کئی پٹھان سردار اور منصب دار محسوس کر رہے تھے کہ ان کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے یا ناقدری کے شکار ہیں، ہندوستان کے خود مختار دربار دں کا رخ کر رہے تھے۔ یادگار نے سن رکھا تھا کہ بنگال اور بہار کے بعد حکمران آزاد یا نیم آزاد زندگی گزار رہے ہیں، سہسرام میں اس کا پٹھان دوست شیر خان موجود تھا لیکن وہ سردست شیر خان کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا، سہسرام سے پہلے بنارس کے جنوب چنار گڑھ تھا جہاں مفتوحہ ابراہیم لودھی کا نمایندہ تاج خان نامی افغان اب بھی حکمران تھا۔ سننے میں آیا تھا کہ اس کے پاس سابق ہندوستانی شہنشاہ ابراہیم لودھی کا خزانہ اب بھی محفوظ ہے، یادگار خان نے چنار گڑھ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

چنار گڑھ جانے سے پہلے وہ اپنی جاگیر میں گیا، اب اس کی حویلی میں کوئی سمرقندی رہ رہا تھا، یہاں سے وہ کلیانی کی طرف گیا، اب وہاں کلیانی اور جمنا کا کی کی جگہ کلیانی کی ماسی اس کی دو لڑکیاں رہ رہی تھیں۔ کلیانی کی بابت اسے یہ معلوم ہوا کہ دار حکومت کے آئے دن کے ہنگاموں سے تنگ آ کر ہندوستان کے کسی پرسکون علاقے میں چلی گئی ہے، اب جاگیر میں دلچسپی کی کیا چیز باقی رہ گئی تھی؟ اس نے خاموشی سے مشرق کا رخ کیا۔ چنار گڑھ اس کا

مستقر تھا۔

تاج خان نے اس کا پرجوش استقبال کیا اور اسے اپنی مصاحبت میں رکھ لیا۔ یہ بڑی اچھی جگہ تھی۔ یہاں کا قلعہ بڑا مستحکم تھا، تاج خان مغلوں کی بابت معلومات حاصل کرتا رہتا۔ اسے خطرہ تھا کہ جلد یا بہ دیر مغل حکمران چنار گڑھ کو بھی اپنی حرص کا نشانہ بنائیں گے، وہ یادگار خان کو اس خطرے سے محفوظ رہنے کے مشورے کرتا رہتا۔ یادگار خان نے مشورہ دیا کہ اس پاس کے علاقوں کے حکمرانوں اور قلعہ داروں کو مغلوں کے خلاف متحد ہو جانا چاہیے۔ لیکن یادگار خان یہ بھی خوب جانتا تھا کہ اس کے اس مشورے پر پٹھان عمل نہ کر سکیں گے، خود تاج خان کی اپنی اولاد دغا باز نہیں بن رہی تھی۔ تاج خان کی کئی بیویاں تھیں لیکن ان میں سب سے چہیتی لاڈو نامی بیوی اور وہی تاج خان کی ملکہ بنی ہوئی تھی۔ یادگار خان کو یہ جان کر بڑا دکھ ہوا کہ چنار گڑھ میں بھی عورت ہی نفاق اور اختلاف کا سبب بنی ہوئی ہے۔

اس نے چنار گڑھ میں کئی برساتیں گزاریں، یہاں زندگی گزارتا دوبھر ہو گیا، چھوٹی سی وادی میں کوئی بازارِ حسن نہ تھا، اور نفرت کے باوجود وہ عورت کی ضرورت شدت سے محسوس کرنے پر مجبور تھا۔ جب وہ تاج خان کی مصاحبت میں ہوتا اور دربار خاص سے چوڑیوں کے کھنکنے یا زمزمہ بار قہقہوں کی آوازیں سنائی دیتیں تو اس کی بڑی بری کیفیت ہو جاتی، اس پر ایک بندہ پڑتا اور جی میں آتا کہ وہ دیوانہ وار تاج خان کے چھوٹے سے محل سرا میں گھس جائے اور عورتوں کے رکے بندھے میل نفسانی کے بند کھول دے لیکن اس کے انجام پر غور کرتا تو سارا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا۔ تاج خان اس کی اس کیفیت کو کسی نہ کسی طرح محسوس ضرور کر رہا تھا ہمیشہ اسے مشورہ دیتا کہ "یادگار خان شادی کر لو۔"

یادگار خان کہتا۔ "عورت نے میرا جہت دل دکھایا ہے، اس برے برا اعتبار اٹھ گیا ہے۔"

تاج خان ہنس دیتا۔ اور جواب دیتا۔ "بے وقوف! اس دنیا میں قابلِ اعتبار تو کوئی چیز بھی نہیں، ہر شے ناقابلِ اعتبار ہے!" اس کے بعد وہ اپنے جوان لڑکوں کا ذکر چھیڑ دیتا اور کہتا۔ "میں تو ان پر بھی اعتبار نہیں کرتا، دولت اور جاگیر کے لئے یہ اولاد میں کسی وقت بھی باپ کو ہلاک کر سکتی ہیں!"

یادگار خان کو اس پر یقین نہ آتا اور ہنس کر کہتا۔ "تم تو مجھ سے زیادہ وہمی نکلے!"

تاج خان کہتا۔ "اولاد کو بھی چھوڑو، دولت، جائداد، جاگیر، حکومت، موسم سرما کی راتیں، بچپن، جوانی، بڑھاپا اور زندگی، ان میں سے تم کس پر اعتبار کرو گے؟ یہ بھی ناقابلِ

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

اعتبار ہیں، انہیں شکوک اور اوہام میں مبتلا ہو کر چند روزہ عیش و عشرت کے لطف کو بدمزہ نہیں کرنا چاہیئے۔"

یادرخان چپ ہو جاتا۔

ایک دن یادرخان نے عورت کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا۔ تاج خان سے اس بے چینی اور انتہا کو محسوس کر لیا، اس نے یادرخان کا سامنا ایک ایسی عورت سے کرا دیا جو حسن و شباب کا پیکر تھی، عمر کوئی پچیس چھبیس سال رہی ہوگی، اس کا شوہر مر چکا تھا اور اس شوہر سے ایک لڑکا بھی تھا۔ سات آٹھ سالہ یونس خان۔ یہ عورت یادرخان کو پسند آئی اور تاج خان نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا لیکن اسی رات کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے یادرخان بہت خوفزدہ ہو گیا۔

یادرخان کی رہائش تاج خان کے بالکل قریب ہی تھی۔ مدتوں کا بھوکا ترسا یادرخان دیر تک جاگتا جگاتا رہا، رات کے پچھلے پہر شور غل بلند ہوا۔ پہرے دار چیخ چیخ کر واویلا کر رہے تھے۔ "ملکہ لاڈ قتل کر دی گئیں۔ ملکہ لاڈ کو ان کے سوتیلے بیٹے نے قتل کر دیا۔"

یادرخان نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور تلوار لے کر باہر نکل گیا وہاں لوگ مشعلیں لئے ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے، اچانک ایک طرف سے ایک نوجوان بھاگتا ہوا آیا، اس کے ہاتھ میں خون آلود تلوار تھی، تھوڑی دور سے بھاگتے ہوئے تاج خان کی آواز گونجی۔ "کدھر جاتا ہے مردود، میں آ گیا ہوں تجھے جہنم واصل کرنے۔ اپنی ماں پر ہاتھ اٹھاتے تجھے شرم نہ آئی؟"

نوجوان ٹھہر گیا، مشعلوں کی روشنی میں یادرخان نے اسے پہچان لیا، یہ تاج خان کا بڑا بیٹا تھا۔

اب تاج خان بھی قریب آ چکا تھا۔ لڑکے نے باپ سے غصے میں کہا۔ "واپس جاؤ ورنہ میں تمہیں بھی قتل کر دوں گا۔"

تاج خان نے پوچھا۔ "تو نے اپنی سوتیلی ماں پر ہاتھ کیوں اٹھایا؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ "اس نے تمہیں دیوانہ بنا رکھا تھا اور اس کے ہوتے ہوئے ہمیں اپنی دولت اور جاگیر پر کوئی اختیار نہ تھا۔"

تاج خان پر محبت پدری حاوی آنے لگی، وہ چاہتا تو بیٹے کو زخمی کر سکتا تھا لیکن اس کے ہاتھ کی قوت جیسے زائل ہو گئی۔ مشعل بردار اور پہرے دار بھاگے چلے آ رہے تھے لڑکے نے ان کی آمد سے پہلے ہی تلوار کا ایک بھرپور وار باپ کی گردن پر رسید کیا، جس سے

تاج خان کا سر یادرخان کے قدموں میں آ گرا، لڑکا یہ جا وہ جا، نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تاج خان کا لاشہ پھڑکتا رہا، یادرخان کو ایسا لگا، جیسے وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہے۔

وہ ملول اور افسردہ بیوی کے پاس واپس گیا۔ چند لمحوں میں پیش آنے والے سانحے کا ذکر کیا اور پھر خاموش خاموش قدم اٹھاتا ہوا اس کمرے میں چلا گیا جہاں اس کا سوتیلا بیٹا یونس خان سو رہا تھا۔ دو شمعیں شمع اس کے سرہانے روشن تھیں، سانسوں کی آمد و رفت سے اس کا سینہ اور پیٹ مدوجزر کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ وہ اپنی طرف کھڑے ہو کر وہ کچھ دیر ٹکٹکی باندھ کے اسے دیکھتا رہا، اسے ایسا لگا جیسے یونس خان جوان ہو چکا ہے اور تلوار لے کر اس پر حملہ آور ہو رہا ہے اس کے جی میں آئی کہ وہ یونس خان کا گلا دبا دے۔ پھر یونس خان کی ماں اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ یونس خان کے گلے کی طرف جھکا، پیچھے عورت کے تنفس میں شدت پیدا ہو گئی، وہ پیش آنے والے خطرے کو بھانپ چکی تھی۔ یادرخان کے ہاتھوں نے جیسے ہی یونس کی گردن کو گرفت میں لیا، عورت چیخ کر اس سے چمٹ گئی۔ "یادرخان! تم یہ کیا کر رہے ہو؟"

یادرخان ہوش میں آ گیا، ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور اپنے چہرے کو کچھ اور جھکا کر دونوں ہونٹ یونس کے رخسار پر رکھ دیئے اور اسے پیار کرنے لگا۔

عورت بار بار پوچھ رہی تھی۔ "یادرخان! تم یہ کیا کر رہے ہو؟"

یادرخان نے جذباتی آواز میں جواب دیا۔ "تمہارے بچے کو پیار کر رہا ہوں!"

عورت نے جلدی سے کہا۔ "لیکن اب یہ تمہارا بھی تو ہے!"

یادرخان نے تکلفاً اور رسماً کہا۔ "ہاں یہ اب ہمارا بھی ہے!"

یادرخان وہیں ایک طرف بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اسی طرح ایک دن اس نے اپنی بچی کو بھی ہلاک کرنا چاہا تھا کیوں کہ اس وقت یادرخان کے خیال میں لڑکی عزت و آبرو کی دشمن تھی اور وہ کسی کا خسر ہونا سخت ناپسند کرتا تھا، لیکن آج تاج خان کے قاتل بیٹے نے اس کی سوچ کا رخ بدل دیا تھا، لڑکی عزت و آبرو کی دشمن ہوتی ہے تو لڑکا جان اور مال کا۔ تاج خان سچ کہتا تھا کہ اس دنیا کی ہر شے ناقابل اعتبار ہے۔

عورت یادرخان کے فکرمند اور سوچ میں ڈوبے ہوئے چہرے کو دیکھتی رہی۔ آخر کچھ سمجھ کر اتنا ہی کہہ سکی۔ "میرا بیٹا یونس خان ایک شریف باپ کا بیٹا ہے، یہ تاج خان کے بیٹے جیسی کوئی حرکت نہ کرے گا تم اطمینان رکھو۔"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

تاج خان کا قاتل بیٹا پکڑا گیا۔ لاڈو ملکہ معمولی زخمی ہوئی۔ تھی علاج معالجے سے ٹھیک ہو گئی، قلعے کے امرا اور دانشمند دل نے سوچا کہ اب تاج خان کی موت کے بعد قلعے کی حفاظت بہت مشکل ہے۔ انہوں نے اس کا یہ حل نکالا کہ لاڈو ملکہ کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ سہسرام کے شیر خان سے شادی کر کے قلعے کا نظم و نسق اس کے حوالے کر دے۔ لاڈو تیار ہو گئی اور یہ کام بہت جلدی انجام پا گیا۔ شیر خان، یادر سے مل کر بہت خوش ہوا اور اسے اپنی فوج کے ایک بازو کی سرداری بخش دی۔

آگرے میں بابر کا انتقال ہو چکا تھا اس کی جگہ ہمایوں تخت نشیں ہوا۔ اب جو زندگی کا طوفانی عہد شروع ہوا تو ایسا لگا جیسے کبھی ختم ہی نہ ہو گا۔ شیر خان کی ہمایوں سے آویزش شروع ہو گئی۔ یادر خان کے شب و روز مختلف محاذوں پر گزرنے لگے۔ ہمایوں چنار گڑھ کی طرف بڑھا تو شیر خان نے رہتاس پر قبضہ کر لیا یہاں تک کہ کئی سال کی کش مکش کے بعد بنارس کے شمال میں چوسا کی جنگ میں ہمایوں کی شکست فاش نے شیر خان کو شیر شاہ بنا دیا۔ یادر خان جوش و خروش سے شیر خان کا ساتھ دے رہا تھا اسے اپنی جاگیر یاد آ رہی تھی، اور اسے یقین ہو چلا تھا کہ اگر شیر خانی فتوحات کا دائرہ اسی طرح وسیع ہوتا رہا تو آگرہ زیادہ دور اور زیادہ دنوں کا نہیں ہے۔

پھر ایک دن شیر خان نے اسے یہ خوش خبری سنائی کہ رات خواب میں، میں ہمایوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے دربار میں پہنچا۔ حضورؐ نے ہمایوں کے سر سے تاج اتار کر میرے سر پر رکھ دیا اور ہدایت کی کہ "شیر خان! عدل و انصاف سے حکومت کرنا۔" خواب بیان کر کے شیر خان نے کہا۔ "اب ہمیں ہندوستان کی بادشاہت تک پہنچنے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔"

دونوں کا آخری مقابلہ قنوج کے قریب دریائے گنگا کے کنارے ہوا۔ ہمایونی فوج ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھی اور شیر خانی سپاہ پچاس ہزار پر۔ ندی کا رن پڑا۔ ہمایوں شکست کھا کر فرار ہو گیا اور شیر خان آگے بڑھ کر آگرے میں داخل ہو گیا۔ اب وہ شیر خان نہیں، شیر شاہ تھا۔ شاہِ عالم شیر شاہ، کیونکہ اس نے اپنے لئے یہی خطاب پسند کیا تھا، یادر خان تقریباً تیرہ چودہ سال ادھر ادھر گزار کر پھر اپنے وطن واپس آ گیا تھا۔ دریائے چنبل اسی طرح رواں دواں تھا اس کا آٹھ سالہ یونس خان اب تقریباً سترہ سال کا ہو چکا تھا جب وہ اپنی بیوی اور یونس خان کو لے کر اپنی جاگیر پر گیا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اب یہاں کوئی توقیر خان نہ تھا۔ پورا علاقہ تنہا اسی کے تسلط میں تھا۔ ابھی وہ چین سے بیٹھا بھی نہ تھا کہ اسے تین سال کے لئے پھر باہر جانا پڑ گیا۔ شیر شاہ مختلف محاذوں پر الجھا

رہا تھا۔ یادر خان کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑ رہا تھا۔ اس کی طبیعت جنگ و جدل سے الجھنے لگی تھی، اس نے ان معرکوں میں کئی بار ایسے زخم کھائے تھے کہ زندگی مایوس ہو گیا تھا۔ اس نے شیر شاہ سے درخواست کی کہ اسے چند سالوں کے لئے جاگیر میں واپس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ شیر شاہ نے اس کی درخواست منظور کر لی۔

اپنی حویلی میں داخل ہوتے ہی اس نے پہلی بار المناک اور زبردست میں گزرتے ہوئے کو دیکھا۔ وہ سارے نشیب و فراز جن سے وہ گزر چکا تھا باری باری یاد آتے رہے، بیوفا ہوا بے گناہ بچی، عیار اور لالچی چچا سبھی یاد آئے، اور اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس کی یہ بیوی بہت اچھی تھی۔ اداس سے اچھی تک کوئی شکایت پیدا ہوئی تھی، انیس سالہ بیٹا بھی حد درجہ سعادت مند نکلا تھا۔ وہ اپنی اس زندگی سے بہت خوش اور مطمئن تھا۔ وہ یونس کو لے کر جاگیر میں ادھر ادھر نکل جاتا اور دونوں مل کر گھڑ دوڑ کی سابقت کرتے، جب اس سے پیچھے چھوڑ دیتا تو یادر خان بہت ہنستا اور بہت خوش ہوتا۔ اس نے یونس کو بیاہ کر تمبوں میں طاق کر دیا تھا۔

اس نے کئی بار مہندی کے درختوں کے جھنڈ میں کھپریلوں والے اس مکان کو دیکھا جہاں کھیانی اور جینا کا کی سہاگ رات تھیں اور آخری معلومات تک کھیانی کی اسی اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ رہنے لگی تھی، پھر آہستہ آہستہ اس میں یہ تبدیلی رونما ہوئی کہ وہ ہر روز کسی نہ کسی وقت ادھر سے گزرتا ضرور، کبھی یاد ہی چاہا کہ وہ گھوڑے سے اتر کر اندر جائے لیکن کچھ سوچ کر رہ جاتا۔

سردیاں شباب پر تھیں، صبح شام یخ بستگی بڑھنے لگی تھی، چاند کی سات تاریخ تھی، کہر دور تک پھیلی اور سرد رات، ہر طرف سکوت ہی سکوت تھا۔ وہ آگرے سے واپس آ رہا تھا، جب وہ کھپریلوں کے مکان کے پاس سے گزر رہا تھا تو اسے گانے کی آواز سنائی دی، اس نے بے ارادہ گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور گھوڑے کی پشت پر بیٹھے بیٹھے ہی سوچا، پھر گھوڑے سے اتر پڑا اور گھوڑے کی لگام پکڑ کر آہستہ آہستہ پیپل کے درخت کی طرف بڑھا جب وہاں مردہ کا درخت نہیں تھا اس کا تنہ ایک تنڈ سے پھنسا دیا اور مہندی کے جھنڈ کی طرف چل پڑا۔ اب درخت پہلے سے تھے وہ انہیں دونوں ہاتھوں سے ادھر ادھر ہٹاتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا اور آہستہ سے دستک دینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھولا۔ شمع اس کے ہاتھ میں تھی اس کی روشنی میں یادر خان کو دیکھا اور پوچھا۔ "جناب کو کس سے ملنا ہے؟"

یادر خان کو اس تیس بتیس سالہ مرد میں نہالی کی شباہت محسوس ہوئی۔ اس کے

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

منہ سے خود بخود نکل گیا۔ "مجھے کلیانی سے ملنا ہے، کیا وہ اندر موجود ہیں؟"

مرد نے ایک بار پھر غور سے یادرخان کو دیکھا اور مسکرا کر جواب دیا۔ "ذرا ٹھیرو، خبر کرتا ہوں۔"

وہ اندر واپس گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر عورت کے ساتھ واپس آیا۔ مرد نے شمع یادرخان کی طرف بڑھا دی، عورت نے اس کی روشنی میں خوب اچھی طرح یادرخان کو دیکھا اور ہونٹوں پر اداس مسکراہٹ لا کر بولی۔ "یادرخان!"

یادرخان نے جواب دیا۔ "ہاں یادرخان!" اس کے بعد اٹک اٹک کر پوچھا۔ "اور تم۔ شاید تم کلیانی ہو!"

"ہاں میں کلیانی ہوں!" کلیانی نے نظریں جھکا لیں۔

دونوں کا عجیب حال تھا، شاید دونوں جو کچھ دیکھ رہے تھے اس پر انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

یادرخان نے کہا۔ "مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ تم یہیں ہو!"

کلیانی نے جواب دیا۔ "لیکن مجھے یہ معلوم تھا کہ تم یہیں ہو اور تمہاری جاگیر تمہیں واپس مل چکی ہے۔"

یادرخان کے دل میں کلیانی کی محبت عود کر آئی، شکایتاً بولا۔ "جب تمہیں یہ معلوم تھا کہ میں یہیں ہوں تو تم نے مجھ سے ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

کلیانی نے حسرت سے کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تمہیں میری موجودگی کا جیسے ہی پتہ چلے گا تم خود ہی بھاگے چلے آؤ گے۔"

"خوب!" یادرخان نے کہا۔ "مجھے تو یہ معلوم ہوا تھا کہ تم کہیں چلی گئی ہو!"

"ہاں گئی تو تھی لیکن کہیں اور دل نہ لگا، واپس آ گئی!"

یادرخان نے پوچھا۔ "جمنا کا کی کہاں ہیں؟"

کلیانی نے منہ بسور کر جواب دیا۔ "پچھلے سال سورگباش ہو گئیں!"

یادرخان کو دکھ پہنچا، افسوس کرتا ہوا بولا۔ "بہت اچھی تھیں جمنا کا کی!"

تہالی نے اکتا کر کہا۔ "اب اندر ہی چل کر باتیں کرو، میرا تو شمع پکڑے پکڑے ہاتھ دکھنے لگا۔"

کلیانی نے بھی چونک کر کہا۔ "ہاں یہ تو میں بھول ہی گئی تھی، اندر آؤ۔ وہاں ہی بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔"

یادرخان ان کے ساتھ اندر چلا گیا۔

اندر جو ٹھاٹھ تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اب کلیانی کے پاس بہت کچھ ہے، چھت سے لٹکے ہوئے جھاڑ فانوس بہت قیمتی تھے، اور کمرے کو بہت زیادہ آراستہ کر دیا گیا تھا، سارے گاؤ تکیے ریشمی تھے۔ اس وقت کمرہ سونا تھا، سازندے بھی کہیں دبکے ہوئے تھے۔

کلیانی نے یادرخان کو اسی جگہ بٹھایا، جہاں وہ پہلے بیٹھا کرتا تھا، اور خود اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ تہالی اندر چلا گیا، یادرخان آتش رفتہ کے سراپے کا جائزہ لیتا رہا۔ کلیانی کا دمکتا ہوا حسن اب پھیکا پڑ چکا تھا۔ چہرے پر ہلکی سی سیاہی بھی محسوس ہوتی تھی۔ لیکن احتیاط اور حفاظت کی وجہ سے جسم میں تناؤ اور کساؤ اب بھی موجود تھا اور جس نے اس کو نوجوانی یا جوانی میں نہ دیکھا ہو، وہ اب بھی اسے دل دے سکتا تھا۔ یادرخان کو کلیانی اب بھی اچھی لگ رہی تھی۔

کلیانی نے شوخی سے پوچھا۔ "سنتی ہوں تم نے ایک لڑکے کی ماں سے شادی کر لی!"

"ہاں کر تو لی!" یادرخان نے جواب دیا۔ "بڑی نیک عورت ہے!"

کلیانی نے کہا۔ "عورتیں ساری ہی نیک ہوتی ہیں، تمہاری پہلی بیوی کیا بری تھی!"

"وہ بہت بری تھی!" یادرخان نے کہا۔ "وہ خود تو بری تھی ہی لیکن اس کا باپ اس سے بھی زیادہ برا تھا!"

"تھا تو وہ تمہارا ہی چچا!"

"اس سے کیا ہوتا ہے، برا تو برا ہی کہلائے گا!"

کلیانی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "رانا سانگا کی شکست اور بابر کی جیت نے تمہارے خاندان کو بالکل برباد کر دیا۔ مغلوں نے گھروں میں گھس گھس کر قتل عام کیا ہے، اسی میں تمہاری بیوی اور بچی کو بھی قتل کر دیا گیا۔" پھر جھرجھری لے کر بولی۔ "اب بھی جب اس خون خرابے کو یاد کرتی ہوں تو کانپ کانپ جاتی ہوں۔" پھر یادرخان سے پوچھا۔ "سچ بتانا تمہیں اپنی پہلی بیوی اور بچی کی یاد اب بھی کبھی آتی ہے یا نہیں؟"

یادرخان نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "مجھے ان کے ذکر تک سے نفرت ہے!"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

"خوب!" کلیانی بولی۔ "آدمی کو اتنا جذباتی بھی نہیں ہونا چاہیئے!"

یادرخان کو کچھ سردی سی محسوس ہوئی تو کلیانی نے اسے کمبل اڑھا دیا اور پیروں پر شال ڈال دی۔

یادرخان نے کہا۔ "اب میں چلوں گا!"

"کہاں؟"

"گھر!"

"چلے جانا، جلدی بھی کیا ہے!" کلیانی خود بھی شال اوڑھ کر بیٹھ گئی۔ "تقریباً پندرہ سال بعد ملاقات ہوئی ہے ہم دونوں کی!"

"ہاں!" یادرخان کو اب وہ اتنی اچھی لگنے لگی تھی کہ سینے سے لگا لینے کو جی چاہنے لگا بولا۔ "کلیانی! ایک بات کہوں، برا تو نہیں مانو گی؟"

"تمہیں، کہو، برا کیوں مانوں گی تمہاری کسی بات کا؟"

یادرخان ماضی کی یاد دلاتا ہوا بولا۔ "تمہیں خوب یاد ہوگا کہ جب میں تمہاری عدم موجودگی میں تمہاری ماں جمنا کاکی کی طرف راغب ہوگیا تھا تو تم نے اس پر بہت غصہ کیا تھا!"

"ہاں یاد ہے!" کلیانی نے کہا۔ "اور یہ بھی یاد ہے کہ تم نے مجھ سے کیا کچھ کہا سنا تھا!"

یادرخان نے شرمندگی سے کہا۔ "بعد میں، میں نے بہت کچھ سوچا تو اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس وقت میں ہی غلطی پر تھا مجھے بیک وقت تم دونوں سے تعلقات نہیں رکھنے چاہیئے تھے!"

کلیانی ہنسنے لگی، بولی۔ "نہیں تم غلطی پر نہیں تھے، بعد میں جب میں نے اس پر غور کیا تو پتہ چلا کہ میں خود غلطی پر تھی۔ تم نے سچ ہی کہا تھا کہ یہ کوچہ ہی دوسرا ہے یہاں سب کچھ چلتا ہے!"

یادرخان اور زیادہ شرمندہ ہوگیا۔ "میں بہت زیادہ شرمندہ ہوں کلیانی، مجھے اور زیادہ شرمندہ نہ کرو!"

کلیانی نے ایک نشتر اور اتارا۔ "جمنا کاکی میری ماں تھی اور تم ہم دونوں کے عاشق تھے تمہیں یاد ہے نا جب میں نے تمہیں اس سے منع کیا تھا تو تم نے یہ کہا تھا کہ یہاں صرف ایک ہی رشتہ ہوتا ہے، میں اور جمنا کاکی بکاؤ چیز ہیں تھیں، اور تم ان کے خریدار تھے جب جس

پر طبیعت آئے گی، قیمت ادا کر کے خرید لو گے!"

یادرخان میں اب مزید صبر کا یارا نہ تھا۔ اٹھ کر کھڑا ہوگیا، بولا۔ "مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے کلیانی تم مجھے کیوں شرمندہ کر رہی ہو!"

کلیانی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بٹھانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ "میں تمہیں خفا ہو کر ہرگز نہ جانے دوں گی، ابھی تمہیں کچھ دیر اور بیٹھنا پڑے گا۔"

"لیکن اس شرط پر کہ اب ماضی کا ذکر نہیں چھڑے گا!"

"منظور!" کلیانی بولی۔ "لیکن میں نے جو کچھ کہا، اس سے تمہیں چھیڑنا یا ستانا مقصود نہ تھا، میں تو اس حقیقت کا اعتراف کر رہی تھی جو اٹل اور ناقابل تردید ہے!"

یادرخان پھر بیٹھ گیا۔ پوچھا۔ "کیا میں اب بھی تم سے ملنے کے لئے آسکتا ہوں؟"

"بالکل۔ تمہارا اپنا گھر ہے، جب چاہو آؤ، تمہیں کون روک سکتا ہے بھلا؟"

"شکریہ!" یادرخان نے کہا۔ "کلیانی! میں تمہارے لئے دل میں اب بھی کسک محسوس کرتا ہوں!"

"خیر اب یہ باتیں تو کرو نہیں، یہ ساری فضول باتیں ہیں!"

"تمہیں یقین نہیں آتا کیا؟"

"بھلا یقین آتے بھی تو کس طرح؟"

"کیوں یقین دلانے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے؟"

کلیانی ایک دم سنجیدہ ہوگئی، بولی۔ "اگر میرے لیے تمہارے دل میں کسک ہوتی تو تم مجھے یاد ضرور کرتے اور میری خبر ضرور لیتے!"

یادرخان نے جواب دیا۔ "تمہاری خبر کس طرح لیتا، تم یہاں تھیں ہی کب؟"

کلیانی نے کہا۔ "میں صرف دو سال باہر رہی اس کے بعد پھر یہیں آگئی!"

یادرخان چپ ہو رہا۔ کلیانی پھر بولی۔ "دل میں کسک میرے لئے ہوتی ہے اور شادی کسی اور سے رچاتے ہو، خوب!" وہ ہنسنے لگی۔ "یادرخان! تمہاری وہی بات سچی ہے جو تم نے پندرہ سال پہلے کہی تھی، ہم بازار کی بکاؤ چیزیں ہیں، جب طبیعت للچائے، قیمت ادا کرو، مزے لوٹو اور پھر گھر کی راہ لو۔"

یادرخان غصے میں کھڑا ہوگیا۔ "اچھا میں چلتا ہوں کلیانی اگر تم یہی چاہتی ہو کہ

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

میں آئندہ یہاں نہ آؤں تو صاف صاف کہہ سکتی ہو، محل میں لپیٹ کر جوتے لگانے کی کوئی ضرورت نہیں؟"

کلیانی مسکراتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔ "ارے تم خفا ہو گئے، خوب، شاید اب مجھ میں وہ پہلی جیسی دلکشی نہیں رہی، اسی لئے میں نے تمہارے لئے دوسرا بندوبست کر رکھا ہے، میری محبت کو دیکھو مجھے تم سے اتنی محبت ہے کہ میں نے تمہاری واپسی کی امید میں پال پوس کر دوسری کلیانی جوان کر رکھی ہے!"

اس کے بعد وہ یادرخان کو چھوڑ کر اندر چلی گئی، یادرخان اس کی باتوں کا جو مطلب سمجھا تھا، اس کے انتظار میں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ کچھ دیر بعد جب کلیانی واپس آئی تو وہ تنہا نہ تھی، ایک نہایت حسین اور نازک اندام نوجوان لڑکی اس کے ساتھ تھی، کلیانی نے پیار سے اسے حکم دیا۔ "شانتا بیٹی انہیں سلام کرو۔"

شانتا نے نہایت نجاکے ایک ادا کے ساتھ یادرخان کو سلام کیا۔ یادرخان نے اشاروں میں سلام کا جواب دے کر کلیانی کو اس طرح دیکھا، جیسے پوچھ رہا ہو۔ "یہ کون ہے کلیانی؟"

کلیانی نے پہلا تو فیر کا ذکر چھیڑا اور اس سے تعلقات کی داستان سنا کر بولی۔ "یہ اسی کی یادگار ہے!"

یادرخان دزدیدہ نگاہوں سے شانتا کے شباب اور دلکشی کا جائزہ لیتا رہا، اس وہ یہاں سے نور اچلے جانے پر تیار نہ تھا، حسن پرستی کا جذبہ عود کر آیا، شانتا اس سے کہیں زیادہ حسین تھی جتنی کلیانی ہوا کرتی تھی۔

کلیانی اس کے احساسات پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی، بولی۔ "یادرخان! کھڑے کیوں ہو، تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاؤ!"

یادرخان بیٹھ گیا۔ کلیانی شانتا کے ساتھ اس کے روبرو بیٹھ گئی۔

کلیانی کچھ دیر بعد بولی۔ "اب آج تو اتنا وقت نہیں ہے لیکن جب پھر کبھی آؤں گی تو میں تمہیں شانتا کا گیت بھی سناؤں گی اور ناچ بھی دکھواؤں گی، دیکھو کمر لنگ رہ جائے گی اتنا اچھا فن تو مجھے بھی نہ آتا تھا!"

یادرخان کسی کشمکش کا شکار تھا۔ کلیانی اس کی نفسی کیفیات خوب سمجھ رہی تھی پوچھا۔ "یادرخان! سچ بتانا اب میں کیسی لگ رہی ہوں؟"

یادرخان لاجواب تھا۔

کلیانی نے کہا۔ "تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، صاف کہہ سکتے ہو کہ شانتا زیادہ اچھی لگ رہی ہے!"

یادرخان نے کہا۔ "لیکن یہ تمہاری بیٹی ہے!"

"اس سے کیا ہوتا ہے، جمنا کا بھی تو میری ماں تھیں؟"

"ہاں!" یادرخان شرمندہ تھا، پانی پانی ہو رہا تھا۔

کلیانی نے دلاسا دیا۔ ڈھارس بندھائی، کہنے لگی۔ "یادرخان! اس کچے میں اخلاقیات کا کیا کام، تم جوانی میں صحیح سوچ رکھتے تھے، یہ بازار ہے یہاں گاہک اور سوداگر میں بس ایک ہی رشتہ ہوتا ہے، تمہیں شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، اگر تمہیں شانتا اچھی لگے تو اسے بھی اسی طرح حاصل کر سکتے ہو جس طرح مجھے اور جمنا کا کو حاصل کیا تھا!"

پہلے تو یادرخان یہ محسوس کر رہا تھا کہ کلیانی اسے چھیڑ رہی ہے لیکن اب یہ محسوس ہونے لگا کہ کلیانی اس سے کاروبار کر رہی ہے، وہ اس سے دولت کھینچنا چاہتی ہے، اپنی لڑکی شانتا کو دولت کے عوض اس کے حوالے کرنا چاہتی ہے، یادرخان کا دل ڈانواڈول ہونے لگا۔ شانتا کے زہد شکن شباب اور خود فراموش حسن نے اسے بے بس کر دیا اور اسے یہی سمجھایا کہ یہ بازار ہے، یہاں وہ اشیا بھی خرید سکتا ہے اور اشیا کا پارسا بھی خرید سکتا ہے، گھوڑی بھی خرید سکتا ہے اور گھوڑی کی جوان ہو جانے والی بچی بھی خرید سکتا ہے، وہ دونوں ہی سے متمتع ہو سکتا ہے، اس نے کلیانی سے وعدہ کر لیا کہ وہ پھر آئے گا اور شانتا کے نام سے لطف اندوز ہو گا۔

دوسرے دن کلیانی اور شانتا کی صحبت میں اس نے کئی ساعتیں گزار دیں، شانتا کا گانا بھی سنا اور رقص بھی دیکھا۔ وہ شانتا کے چہرے میں چچا تو فیر کی شباہت تلاش کرتا رہا شانتا کی ناک اور آنکھیں بالکل چچا جیسی تھیں، اسے شانتا پر افسوس اور مرحوم چچا پر عفت آ رہا تھا کہ ان کا خون اس گندے ماحول میں زندگی گزار رہا تھا۔ کئی بار جی میں آئی کہ وہ اس سے شادی کر لے اور عزت و آبرو سے گھر لے جا کر رکھے، اسے اس کوچے سے گھن آنے لگی، جہاں شرفا اپنا خون چھوڑ آتے ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آلودہ زندگی گزارتا رہتا ہے، وہ چاہتا تو رقم دے کر شانتا سے لطف اندوز ہو سکتا تھا۔ لیکن مرحوم چچا کا خیال آتے ہی وہ رک جاتا۔

کلیانی اسے زیادہ سے زیادہ موقع دیتی رہی، لیکن پھر اس نے یہ بات بھی محسوس

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

کی کہ در پردہ نگرانی بھی کرتی ہے، رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ یادرخان شانتا کے لئے تڑپنے لگا۔ اس نے اس پر بے تحاشا دولت صرف کردی۔ گھر میں بیوی سے ان بن رہنے لگی، وہ کہتی "اگر تمہیں یہی کچھ کرنا ہے تو مجھے چنار گڑھ پہنچا دو!"

یادرخان کہتا۔ "ارے نیک بخت! وہاں بات کچھ ایسی ہے کہ میں سردست زبان نہیں کھول سکتا، عزت آبرو پر آپڑی ہے!"

ایک دن یادرخان نے بیوی سے اجازت طلب کی، پوچھا۔ "اگر میں دوسری شادی کرلوں تو تم برا تو نہیں مانو گی؟"

بیوی نے جواب دیا۔ "اب اس عمر میں، اگر میں چپ رہوں گی تو لوگ کیا کہیں گے؟"

"مجھے لوگوں کی کوئی پروا نہیں!" یادرخان نے کہا۔ "بس تم اجازت دے دو۔"

بیوی نے بے دلی سے کہا۔ "کرلو لیکن اس کنچنی کو یہاں نہ لانا اس کے رہنے لئے کہیں اور بندوبست کردینا۔"

یادرخان نے کہا۔ "چلو ایسا ہی کردوں گا!"

اس کے بعد وہ کلیانی کے پاس پہنچا اور اس سے بولا۔ "کلیانی! آج میں تم سے کچھ خاص باتیں کرنا چاہتا ہوں!"

کلیانی نے غور سے اسے دیکھا، بولی۔ "کب؟ ابھی کروگے وہ باتیں؟"

"ہاں!" اور وہ ادھر ادھر نظریں دوڑا کر شانتا کو تلاش کرنے لگا۔ "شانتا کہاں گئی؟"

کلیانی نے جواب دیا۔ "اندر ہوگی، بلوا دوں؟"

"ہاں، بلوا دو!"

کلیانی خود گئی اور شانتا کو بلا لائی، دھانی ریشمی ساری میں اس کا حسن پھٹا پڑ رہا تھا۔

یادرخان نے کلیانی کو ٹالنا چاہا، بولا۔ "کلیانی! میں ذرا تخلیہ چاہتا ہوں!"

"شوق سے!" وہ کھڑی ہوگئی۔ "میں جانتی ہوں لیکن ذرا احتیاط رکھنا!"

"مطمئن رہو، اس میں بچہ تو تیرا کا خون ہے، میں کسی اور طرح اسے ناجائز سمجھتا ہوں!"

جب کلیانی جانے لگی تو یادرخان نے اسے چند اشرفیاں تھما دیں، وہ

چلی گئی۔

شانتا سر جھکا کر بیٹھ گئی، یادرخان نے تھوڑی میں انگلیاں دے کر چہرہ اوپر اٹھایا اور محبت سے دریافت کیا۔ "شانتا! میں کلیانی سے بات کرنے سے پہلے تم سے ایک اجازت چاہتا ہوں!"

شانتا اس کی شکل دیکھنے لگی۔

یادرخان نے کہا۔ "شاید تمہیں نہیں معلوم کہ تمہاری رگوں میں میرے چچا کا خون دوڑ رہا ہے!"

شانتا نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں پھر؟"

یادرخان نے کہا۔ "پھر یہ کہ میں تمہیں یہاں نہیں دیکھنا چاہتا!"

شانتا چپ رہی، شاید اس کا مطلب نہیں سمجھ رہی تھی۔

یادرخان نے پوچھا۔ "کیا تم میرا مطلب سمجھ گئیں؟"

شانتا نے نفی میں گردن ہلا دی، یادرخان مسکرانے لگا۔ بولا۔ "تم بہت بھولی ہو شانتا! اور یہ بھی شاید اس لئے کہ تمہاری رگوں میں ایک شریف شخص کا خون دوڑ رہا ہے!" پھر کچھ تحقیر کر کہا۔ "شانتا! میں تمہیں اس ماحول سے نکال لے جانا چاہتا ہوں، تم میرے ساتھ یہاں سے نکل چلو!"

"کہاں؟"

"جہاں میں لے چلوں" یادرخان دل کی بات مارے شرم کے کہہ نہیں پا رہا تھا۔ "شانتا تم یقین کرو میں تمہیں بہت اچھی طرح رکھوں گا!"

شانتا نے کہا۔ "یہاں بھی مجھے کوئی تکلیف نہیں!"

یادرخان نے کہا۔ "اونہہ، تم میری بات کیوں نہیں سمجھتیں شانتا! میں تمہیں اس آلودگی سے نکالنا چاہتا ہوں تم مجھ سے شادی کرلو!" یہ کہتے کہتے وہ جیسے پسینے میں شرابور ہوگیا۔

شانتا نے ساری کا کونا دانتوں تلے دبا لیا اور مسکرانے لگی۔ "تم مجھ سے شادی کروگے، لیکن میں تم سے شادی نہیں کروں گی؟"

"کیوں؟" یادرخان کا دل ڈوبنے لگا۔

"یہ ماں جی سے پوچھ لو!" شانتا نے جواب دیا۔

یادرخان نے سوچا ماحول اور پیتے کا رنگ پوری طرح شانتا پر چڑھ چکا ہے،

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

وہ شادی وادی کے چکر میں کیوں پڑنے لگی۔ پھر بھی اسے موہنے کے لئے یادرخان نے چپکے سے پچاس اشرفیاں تھما دیں، بولا "انہیں کہیں چھپا دینا کلیانی کو نہ بتانا، پھر اور دوں گا!"

شانتا نے جواب دیا۔ "میں ان سے کوئی بات نہیں چھپاتی، یہ اشرفیاں بھی انہی کو دے دینا۔"

یادرخان نے بے بسی سے سوچا کہ اب یہ بات کلیانی سے براہ راست کر لینی چاہیئے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر کلیانی کو بہت زیادہ دولت کا لالچ دیا گیا تو وہ یہ بات مان لے گی!

لیکن جب اس نے یہی بات کلیانی سے کہی تو اس نے اسے ہنسی میں اڑا دیا۔ کہنے لگی۔ "یادرخان! اتنی بار لکیروں میں کون جاتا ہے تم تو بس یہ سمجھو کہ اس کوچے میں سب کچھ دو لے ہے یہاں کچھ بھی ناجائز نہیں، سب کچھ جائز ہے، اس کوچے میں رشتوں کنبوں کا کہاں گزر ہے، ہم سب بکاؤ ہیں، قیمت دو، مال لو، خواہ مخواہ کیوں چکروں میں پڑتے ہو۔"

یادرخان نے تھک کر کہا۔ "کلیانی! یہ معاملہ ہی دوسرا ہے۔ میں نے جو پیشکش کی ہے اس پر خوب غور کر لو، یہ سودا ہر قیمت پر ہونا ہے۔"

کلیانی نے شرارتاً پوچھا۔ "میرے لئے اب تو کسک نہیں ہوتی تمہارے دل میں؟"

"ہوتی کیوں نہیں!" یادرخان نے مکاری سے جواب دیا۔ "شانتا کے لئے کسک نہیں ہوتی بلکہ یہ تو معاملہ ہی کچھ اور ہے!"

کلیانی نے جواب دیا۔ "معاملہ واملہ کچھ نہیں، یہ کیوں نہیں کہتے کہ شانتا بہت حسین ہے گداز ہے، اس میں رس ہے اور جو کچھ اس میں ہے، مجھ میں نہیں ہے!"

یادرخان نے کہا۔ "تم بہت شریر ہو کلیانی ستانا تمہیں خوب آتا ہے!"

کلیانی نے جواب دیا۔ "تم مردوں سے کم ہی کم۔"

یادرخان زیادہ باتوں کا خواہشمند نہ تھا۔ کہا۔ "تمہیں میری پیشکش قبول کرنا پڑے گی، اس کے لئے میں اپنی آدھی جاگیر تک تمہیں دینے کو تیار ہوں!"

کلیانی نے رکھائی سے جواب دیا۔ "آدھی کیا اگر تم ساری جاگیر دے دو تب بھی یہ

کام نہ ہوگا!"

یادرخان نے کہا۔ "مجھے جلدی نہیں ہے پہلے خوب سوچ سمجھ لو، اس کے بعد کوئی جواب دینا، میں شانتا کے ساتھ تمہیں بھی اپنے گھر لے چلنے کو تیار ہوں!"

"خوب!" کلیانی کھلکھلا کر ہنس دی۔ "شانتا نے پوری طرح فتح کر لیا ہے تمہیں، سوچوں گی!"

یادرخان کو امید بندھی اور وہ امید دہیم لئے گھر واپس گیا۔

سرمہر کو نہالی یادرخان کے پاس پہنچ گیا، اس کا دل خوشی سے اچھلنے لگا، وہ سمجھا، کلیانی نے رات بھر غور و فکر کر کے اس کی پیشکش قبول کر لی ہے اور نہالی کو بلانے کے لئے بھیجا ہے، وہ نہالی سے بات کئے بغیر ہی چلا گیا اور بیوی سے کہا۔ "جیسی کہ مجھے امید تھی، بات بن گئی ہے، میں شانتا سے عنقریب شادی کر لوں گا!"

بیوی نے جواب دیا۔ "شوق سے کرو لیکن میں یونس کو لے کر چنار گڑھ چلی جاؤں گی!"

یادرخان نے حیرت سے پوچھا۔ "تم تنہا جانا چاہو تو جا سکتی ہو یونس کو لے کر کیوں جاؤ گی؟"

"وہ خود بھی ان حالات میں یہاں نہیں رہنا چاہتا وہ کہتا ہے اماں یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل چلو کہیں۔"

یادرخان نے افسوس سے کہا۔ "وہ تمہارا بیٹا ہے۔ لیکن میں یہی کہوں گا کہ تم دونوں یہیں رہو، میں اپنی آدھی جاگیر یونس کے نام لکھنے کو تیار ہوں۔"

بیوی سوچ میں پڑ گئی، یادرخان نہالی کے پاس چلا گیا اور پوچھا۔ "ہاں اب بتاؤ کیسے آنا ہوا؟"

نہالی کہنے لگا۔ "کلیانی شانتا کو لے کر آگرے چلی گئیں، انہیں آپ سے کوئی کام ہے کہہ گئی ہیں کہ میں آپ کو لے کر آگرے پہنچوں!"

یادرخان کو پکا یقین ہو چکا تھا کہ بات بن چکی ہے اور کلیانی آگرے سامان کی خریداری کے سلسلے میں گئی ہے، وہ اسی وقت تیار ہوا اور نہالی کے ساتھ آگرے روانہ ہو گیا راستہ زیادہ دیر کا نہ تھا۔ مغرب سے پہلے آگرے پہنچ گیا۔ کہر نے پردہ سا تان رکھا تھا۔

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

دکانوں میں روشن دیئے دھواں دھواں نظر آ رہے تھے۔

نہالی نے اسے ایک شاندار حویلی میں پہنچا دیا، لیکن یہ حویلی ہندوانہ مزاج کی تھی گھٹی گھٹی، تنگ تنگ، کلیانی نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ بولی "یادرخان! تم سے ایک ضروری کام آ پڑا ہے، کیا کرو گے؟"

یادرخان نے ٹوہ لینے کے انداز میں پوچھا۔ "کیسا کام؟ کچھ کھل کے بتاؤ۔"

کلیانی نے پوچھا۔ "شیر شاہ کے دربار میں تمہاری کتنی پہنچ ہے؟"

یادرخان نے شیخی جھاڑی۔ "بہت، بادشاہ ہم پر بہت مہربان رہتا ہے۔"

کلیانی اسے لئے ہوئے ایک بند کوٹھری کے سامنے پہنچی۔ کوٹھری کے سامنے ایک غمزدہ جوان سر پکڑے بیٹھا ہوا تھا۔ کلیانی نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یادرخان! یہ میرے تایا کا لڑکا ہے، کوٹھری میں اس کی جورو بند ہے۔"

جوان نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ یادرخان اس کی ڈبڈبائی آنکھیں دیکھ کر بے چین ہو گیا۔ پوچھا۔ "کلیانی! یہ معاملہ کیا ہے؟"

کلیانی نے کہا۔ "وہی تو بتانے جا رہی ہوں۔ یادرخان! ہمارا خاندان برا نہیں ہے ہم لوگ برے دھندوں میں پڑ گئے ہیں، ورنہ دوسرے لوگ عزت و آبرو کے پیشے کرتے ہیں، یہ میرے تایا کا لڑکا، پنساری ہے، چوک میں اس کی بڑی دکان ہے، کل اس کی جورو اپنے گھر میں برہنہ نہا رہی تھی باہر ہاتھی پر سوار بادشاہ کا بیٹا گزر رہا تھا اس کی ـــــ برہنہ جورو پر نظر پڑ گئی اور از راہ مذاق ہنس کر اس کی طرف پان کا بیڑا اچھال دیا۔ عورت غریب شرم سے پانی پانی ہو گئی اور خودکشی کرنے ہی والی تھی کہ اس کا دوسروں کو پتہ چل گیا اور پکڑ دھکڑ کر اس کوٹھری میں بند کر دیا۔"

یادرخان نے حیرت سے پوچھا۔ "پھر اس معاملے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

کلیانی نے کہا۔ "میرے تایا کے بیٹے کو شیر شاہ تک پہنچا دو، ایسا ظلم تو نہیں ہونا چاہیئے۔"

یادرخان نے موقع غنیمت جانا۔ پوچھا۔ "اور اس میرے معاملے میں کیا سوچا تم نے؟"

"اس پر میں بعد میں بات کروں گی۔"

یادرخان نے پوچھا۔ "مرد دست بس اتنا بتا دو کہ جواب ہاں میں ہو گا یا

نہیں میں؟"

کلیانی نے جواب دیا۔ "شانتا ایک شرط پر تمہارے گھر چلی جائے گی، معلوم نہیں اسے تم مانو گے بھی یا نہیں۔"

یادرخان نے سرشار ہو کر کہا۔ "اگر شانتا کسی شرط پر میرے گھر جا سکتی ہے تو میں ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔"

دوسرے دن صبح ہی یادرخان نے کلیانی کے تایا زاد بھائی کو شیر شاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مقدمے کی روداد سن کر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے اسی وقت بیٹے کو گرفتار کر کے دربار میں بلوا لیا۔

درباری دم بخود تھے کہ دیکھئے کیا فیصلہ ہوتا ہے، بیٹے نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ شیر شاہ نے فوراً ہی مقدمے کا فیصلہ سنا دیا۔ "مجرم کی بیوی کو برہنہ کر کے اسی جگہ بٹھایا جائے اور فریادی کو ہاتھی پر سوار کر کے اس راستے سے گزارا جائے، جب فریادی کی نظر مجرم کی برہنہ بیوی پر پڑے تو وہ اسی طرح پان کا بیڑا اس پر اچھال دے۔"

دربار پر سناٹا طاری ہو گیا۔ یادرخان کنکھیوں سے کلیانی کے تایا زاد بھائی کو دیکھنے لگا۔

شیر شاہ نے گرج کر کہا۔ "فیصلے کی تعمیل ہو۔"

مدعا علیہ قدموں میں گر گیا، اس کی آواز ر

"غلام نے انصاف پا لیا غریب پرور، یہ ناچیز شہزادے سے بدلہ نہیں لینا چاہتا۔"

بڑے بڑے میدانوں میں شیر کی طرح آ جانے والے بادشاہ پر رقت طاری ہو گئی، اٹک اٹک کر بولا۔ "ہم نے رسول اللہ سے تاج شاہی لیتے وقت یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم حکومت عدل و انصاف سے کریں گے ہم اس وعدے سے کس طرح پھر سکتے ہیں!"

یادرخان نے دست بستہ عرض کیا۔ "جب مدعا علیہ خود معاف کر رہا ہے تو جہاں پناہ کو بھی خاموشی اختیار کرنی چاہیئے۔"

کلیانی اور دوسرے افراد کو اس فیصلے کی توقع نہیں تھی وہ رات انہوں نے خوشی اور انبساط میں گزار دی۔ یادرخان نے جب بھی شانتا کی بات چھیڑی اس نے یہی کہا "بات گھر چل کر کروں گی۔"

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

کلیانی نے یادر خان کو دو ہفتے تک دم دلاسے دیے اس کے بعد ایک دم یہ شرط لگا دی کہ "آدھی جاگیر شانتا کو دے دو۔"

اس نے آدھی جاگیر شانتا کے نام لکھ دی اور کلیانی پر اعتماد قائم کرنے کے لئے کاغذات اس کے حوالے کر دیے کیونکہ اسے یہ اطمینان تھا کہ اگر کلیانی قول و قرار سے پھر گئی تو شیر شاہی عہد میں وہ اسے مزہ بھی چکھا دے گا۔

ادھر شادی کی بات پکی ہو گئی ادھر بیوی نے دوانگی کی تیاریاں شروع کر دیں یادر خان خاموشی سے سب دیکھتا رہا۔ اس نے اس عورت کے ساتھ بڑے اچھے دن گزارے تھے اس کی جدائی سے دکھ محسوس کر رہا تھا۔ یونس خان بھی چلا جائے گا۔ اس سے بیوی کو روکنا چاہا تو بیوی نے رکنے کی یہ شرط لگا دی کہ آدھی جاگیر یونس خان کے نام لکھ دو، کیونکہ اب تمہارا اعتبار نہیں رہا، تم کسی وقت بھی قدم اٹھا سکتے ہو۔"

یادر خان پس و پیش میں پڑ گیا۔ آدھی جاگیر شانتا کے نام منتقل کر چکا تھا، اب آدھی بیوی یونس خان کے نام منتقل کرانا چاہتی تھی اور اس نے بیوی سے وعدہ بھی کر رکھا تھا، اب ان حالات میں عقل کام نہ کرتی تھی کہ کیا کرے، آخر وہ نتیجے پر پہنچا کہ آدھی جاگیر یونس کے نام کر دینی چاہیئے، شادی کے بعد شانتا کی جاگیر تو اسے مل ہی جائے گی، اور یونس خان ساتھ ہی رہے گا۔ اس پر بھی خود اسی کا تصرف رہے گا۔ اس نتیجے پر پہنچتے ہی اس نے خلوص کے ساتھ بقیہ آدھی جاگیر یونس خان کے نام منتقل کر دی۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ دن تاریخ کے لئے کلیانی کے پاس پہنچا تو کلیانی نے اس سے کچھ عجیب سی باتیں شروع کر دیں، اس نے ایک بار پھر ماضی کا ذکر چھیڑ دیا اور یادر خان سے پوچھا۔ "یادر خان وہ بھی کیا دن تھے جب تم اور تمہارے چچا دونوں ہی مجھ پر دولت اور وقت صرف کر رہے تھے!"

یادر خان نے بے دلی سے کہا۔ "ہاں وہ بہت برے دن تھے۔"

کلیانی نے پوچھا۔ "وہ برے دن کیوں تھے؟"

یادر خان نے جواب دیا۔ "میرے مقابلے میں چچا مرحوم کو اپنی عمر کا خیال کر کے تم سے کنارہ کشی ضرور اختیار کر لینی چاہیئے تھی۔"

کلیانی نے مسکرا کر شرارت سے اسے دیکھا، بولی۔ "اس کوچے میں عمر یادر سے آداب کیا حیثیت رکھتے ہیں بھلا؟"

یادر خان نے منطق سے اسے زیر کرنا چاہا، بولا۔ "اس کوچے سے باہر تو ہم دونوں چچا بھتیجے تھے ہم دونوں جس معاشرے سے چل کر تمہارے کوچے تک آتے تھے اس کے تو کچھ آداب ہیں، ان آداب کا چچا مرحوم کو ضرور خیال رکھنا چاہیئے تھا!"

کلیانی نے کہا۔ "تمہی کنارہ کشی اختیار کر لیتے؟"

یادر خان نے حیرت سے کہا۔ "وہ کیوں؟"

"یہاں اس لیے کہ وہ تمہارے بزرگ تھے ان کا ادب تم پر لازم تھا!"

یادر خان نے اپنے حق میں دوسری دلیل دی۔ "اگر تم ان کی ہم عمر ہوتیں تو میں ضرور کنارہ کشی اختیار کر لیتا تم میری ہم عمر تھیں، میرے جوڑ کی تھیں میرے مقابلے میں تم سے چچا مرحوم کا عشق، عشق نہیں بوالہوسی تھا۔" یہ کہتے کہتے وہ سٹ گیا کیونکہ عمر کا وہی فرق اب شانتا اور اس کی عمر کے درمیان پایا جاتا تھا۔

کلیانی نے نشتر چبھویا۔ "کیا تمہاری شانتا سے محبت بھی بوالہوسی کا نتیجہ ہے کیونکہ تم دونوں کی عمروں میں وہی فرق موجود ہے جو کبھی تمہارے چچا کی اور میری عمروں میں پایا جاتا تھا؟"

یادر خان نے ایک نئی دلیل کا سہارا لیا۔ "لیکن یہاں میں شانتا کا واحد طلب گار ہوں، اس لئے اب ان بالوں کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!"

کلیانی نے صاف جواب دیا۔ "لیکن یہ شادی نہیں ہو سکتی!"

یادر خان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، سناٹے میں آ گیا پوچھا۔ "کیوں، شادی کیوں نہیں ہو سکتی، میں نے اس شادی کی شرط میں اپنی آدھی جاگیر شانتا کے نام لکھ دی ہے، یہ تو سراسر دغا بازی ہے تمہاری!"

کلیانی نے جاگیر کے کاغذات یادر خان کے منہ پر مار دیئے اور چیخ کر بولی — "مجھے نہیں چاہیئے تمہاری جاگیر، سنبھالو اپنی جاگیر کے کاغذ، میری شانتا کو جاگیر کی کمی نہیں ہے!"

یادر خان نے نرم رویہ اختیار کیا۔ "تم ناراض ہو گئیں؟ آخر کوئی وجہ بھی تو معلوم ہو اس خفگی کی؟"

کلیانی انتہائی جذباتی ہو رہی تھی، بولی۔ "تم اپنی عمر دیکھو اور شانتا کی عمر دیکھو، تمہیں بات کہتے ہوئے شرم آنی چاہیئے تھی۔"

یادر خان نے مایوسی سے کہا۔ "جب ایسی بات تھی تو تمہیں یہ بات یہاں

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

تک نہیں بڑھانی چاہیئے تھی، میں نے تو تمہاری خواہش پر اپنی آدھی جاگیر شانتا کے نام کر دی تھی۔"

کلیانی نے جواب دیا۔ "بات جاگیر کی نہیں ہے، دونوں کی عمروں کے فرق کی ہے۔ اب ایک دوسرے جاگیردار کا رشتہ شانتا کے لئے آگیا ہے یہ جاگیردار نہ صرف شانتا کا ہم عمر ہے بلکہ تمہاری ہی جتنی جاگیر کا مالک بھی ہے۔"

یادرخان کی وہ کیفیت تھی جیسے سر پر آسمان پھٹ پڑا ہو، پوچھا۔ "کون ہے وہ جاگیردار؟"

کلیانی نے کہا۔ "وہ کوئی بھی ہو، تمہیں اس سے کیا مطلب؟"

یادرخان نے مردہ دلی سے پوچھا۔ "کیا اس نے اپنی جاگیر شانتا کے نام لکھ دی ہے؟"

"ہاں لکھ دی ہے!" کلیانی نے جواب دیا۔ "کیا تم وہ کاغذات دیکھنا چاہتے ہو؟"

"ہاں" یادرخان نے عالم خواب میں کہا۔ "لیکن کلیانی، میں یہ جتائے دیتا ہوں کہ شانتا کی کسی اور سے شادی نہیں ہو سکتی!"

کلیانی نے خوشی میں کہا۔ "کیسے نہیں ہو سکتی کسی اور سے شادی! وہ شانتا کا ہم عمر ہے اور ابھی تھوڑی دیر پہلے تم خود یہ فیصلہ دے چکے ہو کہ اگر تمہارے مقابلے میں شانتا کا کوئی اس کا ہم عمر امیدوار ہوتا تو تم اس سے دستبردار ہو جاتے!"

یادرخان نے غصے میں کہا۔ "ہاں لیکن اب بات کچھ اور ہو گئی ہے تم نے مجھ سے فریب کیا ہے دھوکا دیا ہے، تمہیں اور شانتا کو اس دھوکا دہی کی سزا ضرور ملے گی اور ساتھ ہی اس جاگیردار کو بھی، جو خواہ مخواہ ہمارے درمیان میں آ گیا ہے۔" پھر کچھ ٹھیر کر بولا۔ "مجھے وہ دوسرے کاغذات بھی دکھاؤ، جو تمہیں کسی دوسرے نوجوان جاگیردار نے دیئے ہیں!"

کلیانی نے کہا۔ "تم وہ کاغذات ضائع تو نہیں کرو گے؟"

یادرخان نے اپنے کاغذات دوبارہ کلیانی کے حوالے کر دیئے۔ بولا۔ "انہیں ضمانت میں رکھ لو۔"

کلیانی نے یادرخان کے کاغذات قبضے میں کیئے اور اندر سے دوسرے کاغذات لا کر یادرخان کے سامنے ڈال دیئے۔ یادرخان نے جھپٹ کر کاغذات اٹھا لیئے اور ان کے

اندراجات پڑھتے ہی اسے چکر سا آ گیا۔ آنکھوں تلے اندھیرا سا چھا گیا۔ انتہائی کرب سے پوچھا۔ "یہ یونس خان کو کس طرح پھانسا تم نے؟"

کلیانی نے تلملا کر جواب دیا۔ "ہم نے نہیں، خود یونس خان نے شانتا کو پھانسا ہے!"

"خوب!" یادرخان پھیکی ہنسی ہنسنے لگا۔ "تو تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ یہ شادی واقعی ہو جائے گی؟"

کلیانی نے طنز سے کہا۔ "خیال! خیال کی بھی ایک ہی رہی، میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ یہ شادی ہو کر رہے گی، اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا!"

یادرخان نے کاغذات اپنے قبضے میں رکھے اور کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "کلیانی! بات آن کی ہو گئی ہے، میں یہ کاغذات لئے جا رہا ہوں، میرے کاغذات تم اپنے پاس رکھو، شانتا کی شادی بھی مجھ سے ہو گی، تمہیں یہ بات بالکل زیب نہ دیتی تھی، جب میں یہاں آ جا رہا ہوں تو میرے بیٹے یونس کو یہاں نہیں آنے دینا چاہیئے تھا۔"

کلیانی چراغ پا ہو گئی۔ "اس کوچے میں سب کچھ جائز ہے یہ سبق تمہی نے مجھے دیا تھا، میں اسے کس طرح جھٹلا سکتی تھی بھلا؟"

یادرخان غصے میں جانے لگا۔ "تم جو چاہو کہو لیکن میں صرف ایک بات جانتا ہوں، شادی یونس سے نہیں ہو سکتی، مجھ سے ہو گی، یہ ضد اور آن کی بات ہے اور کچھ نہیں!"

کلیانی نے بھی اسی اعتماد سے جواب دیا۔ "اور میں یہ کہتی ہوں کہ یہ شادی تم سے نہیں ہو سکتی، ذرا ٹھیرو میں شانتا کو بلاتی ہوں!"

شانتا کے خیال سے یادرخان جاتے جاتے ٹھیر گیا۔ تھوڑی دیر بعد بنی سنوری شانتا اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی وہ چونکہ بڑا۔ جیرتوں کے پہاڑ تھے کہ اس پر پے در پے ٹوٹ رہے تھے، شانتا کی شکل میں ہو بہو اس کی پہلی بیوی سامنے کھڑی تھی، وہی کپڑے، وہی زیورات، سب کچھ وہی حتیٰ کہ شال تک وہی تھا جو کبھی اس نے کلیانی کو پیش کیا تھا اور بچا تو قزاخاندان کی یادگار سمجھ کر واپس لے گئے تھے۔

یادرخان کانپنے لگا۔ اس نے سہمے سہمے لہجے میں پوچھا۔ "کلیانی! یہ سب کیا ہے؟ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

کلیانی کا دل بھر آیا، ہونٹ تھرتھرانے لگے، آنکھیں بھر آئیں۔ "شانتا میری بیٹی

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem

نہیں ہے، میں بانجھ ہوں، یہ تمہاری بیٹی ہے۔"

"میری بیٹی!" یادر خان کو چکر آ گیا۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔

"ہاں تمہاری بیٹی!" وہ کہنے لگی۔ "تمہارے چلے جانے کے بعد میں تمہارے چچا کے گھر بیٹھ گئی تھی، پھر جب رانا سانگا کی شکست کے بعد اس بستی کو تہ تیغ کیا گیا تو مجھے کنیز سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا، مجھے نہیں معلوم تمہاری بیوی کا کیا حشر ہوا۔ اس بچی کو ظالموں نے چھوڑ دیا تھا، یہ محض اتفاق کی بات تھی کہ مجھے اس بچی کے ساتھ ہی تمہاری بیوی کے چند صندوق بھی مل گئے تھے جن میں اس کے زیورات اور کپڑے رکھے ہوئے تھے۔"

یادر خان تصویر حیرت بنا کلیانی کو دیکھتا رہا۔ کلیانی نے مزید کہا۔ "میں نے اپنا پیشہ ترک کر دیا تھا، سازندوں کو رخصت کر دیا تھا لیکن شانتا کو رقص و موسیقی کی تعلیم ضرور دی تھی، مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم دوبارہ پھر اپنی جاگیر پر واپس آؤ گے۔"

پھر گہرا سکوت چھا گیا۔ دونوں خاموش ہو گئے، شانتا نے شرم سے منہ پھیر لیا، یادر خان اور کلیانی سر جھکائے روتے رہے، یکایک کلیانی نے سر اٹھایا۔ بولی۔ "یہ بات میں نے شانتا کو بھی نہیں بتائی تھی۔" پھر شانتا سے بولی۔ "شانتا بیٹی! یہ تمہارے باپ ہیں انہیں سلام کرو۔"

شانتا کی بھی عجیب حالت ہو گئی۔ اس نے دلہنوں کی طرح گھونگٹ نکال لیا اور خالص ہندو لڑکی انداز میں یادر خان کے قدموں میں جھک کر پیر پکڑ لیے۔

کلیانی نے مزید کہا۔ "اب شانتا تمہاری ہے جس سے چاہو شادی کرو، رہا نام کا مسئلہ تو یہ نام میں نے رکھا تھا، اب تم اس کا کوئی اسلامی نام رکھ سکتے ہو۔"

یادر خان نے جوش دیوانگی میں سر دیوار سے ٹکرا دیا اور پے در پے اتنی ضربیں لگائیں کہ پورا سر اور چہرہ لہولہان کر لیا۔ خنجر پاس نہ تھا ورنہ شاید خودکشی کر لیتا۔ کلیانی نے بہت زیادہ سنبھالنے کی کوشش کی لیکن نہ سنبھال سکی جب یادر خان پر بے ہوشی نے غلبہ کیا تب قابو میں آیا۔

یادر خان جب ہوش میں آیا تو اپنے آس پاس ایک مجمع دیکھا، کلیانی، شانتا، بیوی اور یونس خان بھی موجود تھے، اس نے انہیں دیکھا اور شرمندگی سے آنکھیں بند کر لیں، شب و روز کی تیمارداری سے جب یادر خان کی حالت سنبھلی تو اسے چپ لگ چکی تھی

صحت مند ہونے کے بعد اس نے شانتا کی جاگیر اس کے نام اور یونس کی یونس کے نام کر دی، اس نے کلیانی سے کہا۔ "شانتا تو یونس سے منسوب ہو جائے گی، اب تم نے کیا سوچا ہے اپنے لئے؟"

کلیانی نے جواب دیا۔ "اب تک جو پاپ کیے ہیں انہیں دھونے کے لئے ہمیشہ کے لئے ہردوار چلی جاؤں گی۔"

یادر خان نے کہا۔ "تم چاہو تو میرے ساتھ رہ سکتی ہو!"

کلیانی نے جواب دیا۔ "وقت گیا بات گئی، اب یہ نہیں ہو سکتا!"

یادر خان نے آہستہ سے کہا۔ "ان حالات میں تو اب میں بھی یہاں نہیں رہ سکتا میں بھی کہیں چلا جاؤں گا۔"

کلیانی نے پوچھا۔ "کہاں چلے جاؤ گے؟"

یادر خان نے اداس لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے بھی اس کا علم نہیں۔"

یونس اور شانتا کی شادی ہو گئی، کلیانی ہردوار چلی گئی، یادر خان بھی کہیں چلا گیا اور پھر کبھی واپس نہ آیا، کچھ کہتے وہ کہیں ڈوب مرا اور کچھ کا یہ خیال تھا کہ کلیانی کے ساتھ ہردوار چلا گیا۔ کیونکہ ان کے دلوں میں جو عشق سویا ہوا تھا پوری شدت اور توانائی سے جاگ چکا تھا۔ وہ عشق جہاں ذات پات کی تفریق نہیں ہوتی، خاندان اور نسل کی روایات کا پاس نہیں کیا جاتا۔

کہانیاں
جرائم
جادو
رومانس
شیطان ازم
ذہانت
فطانت
اسرار
طنز و مزاح
ایک افسانوی کردار جو زندہ ہو گیا تھا۔
ایک حیرت انگیز تجربہ جو دنیا ہی بدل سکتا تھا۔
ایک معمولی سا آدمی جس کے پاس پچاس جن بند تھے۔
وہ شخص جس نے سینکڑوں عورتوں کا قتل کیا تھا۔
ایک نیم اسرار پرندہ جس کے پاس ماورائی طاقتیں تھیں۔
ایک عالم جس کے اندر ایک جن بند تھا۔
وہ داستان جو ہم اپنی زندگی میں کوئی نیک کام نہیں کیا تھا۔
قیمت
عجیب کہانیاں ۞ فٹین کہانیاں ۞ زہریلی کہانیاں
خوف، سسپنس اور تجسس کے ۲۶ شہ پارے
مکتبہ نفسیات ۞ پوسٹ بکس نمبر ۹۴۴ ۞ کراچی

Scanned and Uploaded By Myhammad Nadeem